تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ تَوبَۃً نَصُوحًا

توبۃ النصوح

مصنفہ شمس العلماء جناب مولوی حافظ نذیر احمد خانصاحب بہادر سابق
ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو ریاستہ حیدرآباد دکن و حال وظیفہ خوار سرکار عالی نظام

جس کے صلے میں

پورا ایک ہزار روپیہ (۱۰۰۰) بموجب اشتہار نمبری ۷۹۱. الف مورخہ ۲۰. اگست سنہ ۱۸۶۹ء
گورنمنٹ عالیہ ممالک مغربی و شمالی نے مصنف کو انعام میں مرحمت فرمایا

مصنف کی نظر ثانی اور ترمیم اور اصلاح اور قرارداد فصول اور
تجدید رجسٹری کے بعد چوتھی مرتبہ

محمد نذیر حسین نظام الرحمن تاجران کتب دہلی دریبہ کلاں و مالک صدیقی پریس کی فرمایش سے
سنہ ۱۹۳۵ء

صرف تائیل در پریس المطابع چاوڑی بازار دہلی میں چھپا

بچوں بچیوں اور عورتوں کے پڑھنے کے لائق کتابیں

مراۃ العروس۔ مستورات کی خانہ داری کیلئے سبق آموز نتیجہ خیز کتاب قیمت ۱۰؍

بنات النعش۔ یہ بھی مذکورہ کتاب کی طرح ہے اور مراۃ العروس کا دوسرا حصہ ہے۔ قیمت ۱۰؍

توبۃ النصوح۔ یہ مراۃ العروس کا تیسرا حصہ ان ہر سہ کتابوں کے مطالعہ کے بعد لڑکیاں ہر طرح کی گھرداری اور سلیقہ ہنرمندی میں کامل ہو جاتی ہیں ہر سہ حصوں کے مصنف ڈپٹی نذیر احمد صاحب ہیں۔ قیمت ۱۰؍

منتخب الحکایات بچوں کیلئے نتیجہ خیز دلچسپ کہانیاں نہایت سلیس اردو مصنفہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب۔ ۵؍

اتمام حجت۔ یہ رسالہ نہایت دردانگیز نظم میں اصلاح قوم کے بارے میں نذیر احمد صاحب نے سلیس عام فہم تصنیف کیا ہے۔ قیمت ۲؍

ایامیٰ۔ یہ عورتوں کیلئے مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے ناول یعنی فرضی قصہ لکھا ہے جس میں بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی نہ کرنے کی دینی و دنیاوی خرابیاں دکھائی گئیں ہیں نہایت پردرد قصہ ہے۔ قیمت صرف عہ

رسم الخط۔ چھوٹے بچوں کے لیے قواعد املا انشاء نہایت دلچسپ سہل لکھے ہیں۔ قیمت صرف ۴؍

نصاب خسرو۔ یہ کتاب صرف بچوں کیلئے خالق باری کی طرح لکھی گئی ہے۔ تاکہ بچے شوق سے پڑھ کر جلد سیکھ لیں۔ قیمت ۴؍

صرف صغیر۔ یعنی قواعد فارسی صرف نحو تعلیم حاصل کرنے کیلئے ضروری علم ہے اور یہ علم بھی مشکل ہے جسکو مولوی نذیر احمد صاحب نے نہایت آسان طریقہ سے اردو زبان میں یہ رسالہ لکھکر مبتدیوں کی بڑی مشکل کو حل کر دیا قیمت صرف ۲؍

مالابد منہ فی الصرف۔ یہ عربی کی کتاب ہے جسکو اردو زبان میں سمجھا کر عربی کو آسان کر دیا ہے۔ قیمت صرف ۲؍

عقد ثریا۔ یا مناظرہ نساء نہایت شستہ مقفیٰ عبارت ہے جو خاص دہلی کی ٹکسالی زبان کا نمونہ قیمت صرف عہ

دعائے مقبول دنیا بھر میں ہر شخص کو اپنی فلاح اور بہبود کا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے اسکے دو اسباب پیدا کیے ہیں مگر اہمیت والا دعا ہے۔ یہ کتاب ایسی دعاؤں کا مجموعہ ہے جس کے بعد اور دعاؤں کی ضرورت نہیں رہتی اس میں ہر روز کی الگ الگ دعائیں بزبان عربی معہ نہایت متن اردو ترجمہ قیمت بلا جلد ۱۲؍

بیوی کے فرائض یہ کتاب قرآن و احادیث سے اخذ کر کے صاف اور سلیس اردو میں دلنشین طریقوں سے عورتوں کو سمجھایا ہے کہ انہیں کسطرح اپنے خاوندوں کی اطاعت کرنی چاہیئے قیمت صرف آٹھ آنہ ۸؍

امت کی مائیں اس کتاب میں ازواج مطہرات کے وہ پاکیزہ حالات ہیں جو مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کیلئے مفید ہیں۔ قیمت ایک روپیہ عہ

الاخلاق اخلاق انسانی جوہر ہے جس میں اخلاق کی کمی ہے اس سے ہر شخص متنفر ہے اسی لئے ہمکو مذہب اسلام نے اخلاق کی تعلیم دی ہے اور اخلاق ہی نے تمام غیر مذاہب کو اسلام کا مداح بنایا ہے اس کتاب میں بچوں کیلئے اخلاق کی بہترین تعلیم ہے جس نے اسکو پڑھکر عمل کیا وہ اخلاق کا مجسمہ انسان بن گیا قیمت ۲؍

لباب الاحادیث اس کتاب میں عبادت و ملاقات و اخلاق و ہدایات کے متعلق چار سو احادیث جمع کی گئی ہیں قیمت بارہ آنہ ۱۲؍

ملنے کا پتہ نذیر حسین و نظام الرحمن تاجران کتب دریبہ کلاں دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۹۹/۵۶

الٰہی خلعت^۱ ہفت پارچہ حواس^۲ خمسہ و عقل و روح سے سرفرازی دی ہے تو منصب ایمانداری
بھی عطا کر کہ خطاب اشرف المخلوقات میری حالت کے مناسب ہو۔ خداوندا اپنے حبیب^۳ کا امتی بنا کے
بے امتیاز بخشا ہو تو تقرب عبادت بھی نصیب کر کہ الطاف کریمانہ شفاعت اور عواطف خسروانہ رحمت
ہی مجھ کو نہایت ہو۔ آدمی اگر اپنی حالت میں تامل^۴ صحیح کرے تو اس سے زیادہ عاجز و درماندہ
و مبتلا کوئی مخلوق نہیں ؎

گرت^۵ چشم خدا بینی ببخشند — نہ بینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

---

۱ اگلے زمانے میں بادشاہ کسی سے خوش ہوتے تو اسکو اپنا اتارن انعام دیتے یہی ہی اصل خلعت اب اتارن کی قید نہیں رہی ہاں
بادشاہ کے [illegible] خلعت میں دیئے جاتے ہیں ہفت پارچہ سات کپڑے سات کپڑوں کا خلعت بھاری اور معزز سمجھا جاتا
۲ دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے چھونے کی پانچ قوتیں حواس خمسہ کہلاتی ہیں۔ سرفرازی سربلندی عزت [illegible]
کو منصب کہتے تھے۔ اب تنخواہ بے خدمت کو منصب کہنے لگے ہیں بادشاہ جو کسی کا لقبی نام رکھ دے خطاب کہلاتا ہے اشرف
مخلوقات یعنی خدا نے جتنی چیزیں دنیا میں پیدا کی ہیں سب میں آدمی عمدہ اور معزز ہے یہ جملہ دعائیہ ہے یعنی اے خدا تو نے پانچ حواس چھٹی
عقل ساتویں روح کا خلعت ہفت پارچہ دیا ہے تو ایمانداری کا منصب بھی دے کہ میں جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہوں یہ خطاب مجھ کو زیبا ہو
۳ حبیب کے معنی دوست یہاں حضرت پیغمبر صاحب مراد ہیں امتیاز عزت تقرب نزدیکی [illegible] شفاعت یہ کہ پیغمبر صاحب کی سفارش
سے گناہگاروں کے گناہ معاف ہونگے مطلب یہ کہ اے خدا تو نے یہ خصوصیت تو عطا کی ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کی امت میں پیدا کیا مگر اب
ایسا ہو کہ تیری بندگی کر کے تجھ سے نزدیکی [illegible] کی شفاعت اور تیری [illegible] مستحق [illegible]
۴ [illegible] مصیبتوں میں پھنسا ہوا [illegible] اگر [illegible] آنکھیں دی جائیں [illegible]

کلہم ساٹھ یا ستّر برس ہوا باعتبار اوسط اُس کی میعاد حیات اور مدّت قیام و ثبات ہے وہ بھی شروع سے آخر تک ہر لحظہ عرضۂ خطر، ہر لمحہ ہدف آفت۔ آدھی عمر تو وہ سونے اور کاہلی اور بیکار بیٹھے رہنے میں ضائع کر دیتا ہے۔ باقی بچے ۳۰ یا ۳۵ برس اسی میں اُس کی طفولیت ہے اور اسی میں اُس کی جوانی اور پیری۔ کم سے کم دس برس طفلی اور درماندگی علالت و پیری کے بھی سمجھ لینے چاہییں۔ غرض ساری زندگی میں ۲۰ یا ۲۵ برس کام کاج کے دن ہیں۔ مگر کتنے کام کتنی ضرورتیں کس قدر بکھیڑے کیسے قصّے۔ علم کی پرچش، مذہب کی تلاش، کسب کمال، فکر معاش، بزرگوں کی خدمت، اولاد کی تربیت، بیمار و بیکس کی عیادت، احباب کی زیارت، تقریبات کی شرکت، شہروں کی سیر، ملکوں کی سیاحت، مردوں کا رونا، جدائی کا ماتم، مولود کی خوشی، ملاقات کی فرحت، دفع مضرت، جلب منفعت، گزشتہ کا احتساب، آئندہ کا انتظام، حسرت بہبود، ہوس نام و نمود، تاسف نقصان، حسرت زیان، تلافی مافات، پیش بینی مستقبلات، دوستوں سے ارتباط، دشمنوں سے احتیاط، آبرو کا حفظ، ناموس کا پاس، مال کی نگہداشت، حاسد کا احتراز ؎

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اس ضیق فرصت پر کاموں کا اتنا ہجوم یعنی فراغ دل مفقود۔ اطمینان خاطر معدوم ؎

فکر معاش و ذکر خدا یاد رفتگاں — دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

ایک عقل اور دنیا بھر کی ذمہ داری سچ کہا ہے۔ مصرع ع ایک عشق و ہزار گونہ خواری۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا

---

۴۵ بیچ کے راس کی یعنی مثلاً کسی کی سو کی کسی کی پچاس کی کسی کی اسّی تو اوسط ہوا ساٹھ ۴۶ عرضہ اور ہدف مترادف ہیں ہم معنی ہیں نشانہ عرضۂ خطر یعنی خوف کے تیروں کا نشانہ ۴۷ مولود یعنی کسی کے پیدا ہونے کی ۴۸ نقصان کا دور کرنا ۴۹ فائدے کا کھینچنا ۱۲ ۵۰ یعنی عمر جو گزر گئی ہے اُس کا حساب کہ کاہے میں صرف ہوئی ۱۲ ۵۱ جو چیز فوت ہو گئی ہو منافع اس کا معاوضہ ۱۲ ۵۲ جو اتفاقات پیش آنے والے ہیں ان کو پہلے سے دیکھ لینا ۱۲

۵۳ تنگی معنی گھبرا کہ کہیں نکل نہ جائے ۱۲ ۵۴ خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور غزل کا ایک شعر ہے یعنی زندگی ہے یا آفت ہے۔ ہم کو تو اس زندگی نے گویا مار ڈالا ۱۲

۵۵ تنگی ۱۲ ۵۶ گم نابود ۱۲ ۵۷ ایک عشق اور ہزاروں طرح کی ذلّت ۱۲

۵۸ ہم نے امانت یعنی عقل کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو سب نے اس کے لینے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو لے لیا بے شک انسان نے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کیا اور بڑا ہی نادان تھا ۱۲

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۭ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

اس کتاب میں انسان کے اس فرض کا مذکور ہے جو تربیت اولاد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے سے مقصود اصلی یہ ہے کہ اس فرض کے بارے میں جو غلط فہمی عموماً عام لوگوں سے واقع ہو رہی ہے اس کی اصلاح ہو اور ان کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ تربیت اولاد صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ پال پوس کر اولاد کو بڑا کر دیا روٹی کما کھانے کا کوئی ہنر ان کو سکھا دیا اس کا بیاہ برات کر دیا بلکہ ان کے اخلاق کی تہذیب، ان کے مزاج کی اصلاح، ان کی عادات کی درستی، ان کے خیالات اور معتقدات کی تصحیح بھی ماں باپ پر فرض ہے۔ افسوس ہے کہ کتنے لوگ اس فرض سے غافل ہیں کوئی شخص تربیت اولاد کے فرض کو پورا پورا ادا نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ خود اپنی شائستگی کا نمونہ ان کو نہیں دکھاتا اور اولاد کے ساتھ اپنا برتاؤ محتسبانہ[1] طور کا نہیں رکھتا ہے سب کی بیوقوفی ہے۔ اولاد کو اپنی کردار ناسزا کی بری مثالیں دکھانا اور ان سے توقع رکھنا کہ یہ لوگ بڑے ہو کر زبانی پند یا کتابی نصیحت پر کاربند ہو کر صالح اور نیک وضع ہونگے۔ بہت لوگ اولاد کے ساتھ نہایت بیجا[2] کی شیفتگی پیدا کر لیتے ہیں اور بمصداق حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ[3] ان کو اولاد کے عیوب پر آگاہی نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو عیب کو عیب سمجھ کر نہیں، بمقتضائے عمر یا نتیجہ ذہانت یا دوسرے طور پر اس کی تاویل کر کے ان کی خرابیوں سے درگزر اور چشم پوشی کیا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں یہ خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ اس طرح کی غلطیوں پر لوگوں کو تنبیہ[4] ہو۔ یہ کتاب لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح یقین کرائے گی کہ تربیت اولاد ایک فرض موقت ہے یعنی لڑکے جب تک کم سن اور صغیر ہیں تربیت پذیر ہیں اور بڑے ہوئے پیچھے ان کی اصلاح مشکل یا متعذر بلکہ محال ہو جاتی ہے۔ ارادہ یہی تھا کہ بلا تخصیص مذہب تلقین[5] حسن معاشرت اور تعلیم نیک کرداری و اخلاق کی ضرورت لوگوں پر ثابت کیجائے لیکن نیکی کو مذہب سے جدا کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص روح کو جسد[6] سے یا بو کو گل سے یا نور کو آفتاب سے یا عرض کو جوہر[7] سے یا ناخن کو گوشت سے علیحدہ اور منفک[8] کرنیکا قصد کرے۔ ادھر تو انضمام مذہب ایک امر ناگزیر[9] ہے اور ادھر اختلاف مذہب جو اس ملک میں اس

ف ۱ محتسب اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کے قول اور فعل کی نگرانی کرے [illegible] محتسب ایک سرکاری خدمت تھی ۱۲ ف ۲ بیقراری کی محبت ۱۲ ف ۳ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے [illegible] ف ۴ آگاہی ۱۲ ف ۵ لوگوں کے ساتھ اچھی طرح میل جول کرنے کی تعلیم ۱۲ ف ۶ بدن ۱۲ ف ۷ جو چیز اپنی ذات سے قائم ہو جوہر ہے جیسے کپڑا جوہر کے مقابل عرض ہے جیسے کپڑے کا رنگ ۱۲ ف ۸ جدا ۱۲ ف ۹ ضروری ۔ لابد ۱۲

نفرت سے پھیلا ہوا ہے کہ گویا ہر ایک آدمی ایک جُدا مذہب رکھتے ہیں آنکھیں دکھا رہی لوگوں میں بھی اس بلا کا تعصب گھس گیا ہے کہ کیسی ہی اچھی بات کیوں نہ کہی جائے دوسرے مذہب والے اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ خدا تعالیٰ اصابت کی خاص آداب بھیجے مضمون جس کو میں نے ایک فرضی قصّے اور بات چیت کے طرز پر لکھا ہے مذہبی پیرائے سے تو خالی نہیں اور خالی ہونا ممکن نہ تھا لیکن تمام کتاب میں کوئی بات ایسی بھی نہیں ہے جو دوسرے مذہب والوں کی دلشکنی یا نفرت کا موجب ہو بلکہ جہاں جہاں ضرورۃً مذہبی تذکرہ آگیا ہے وہاں ایسے طرز کا ہے کہ دوسرے مذہب والے بھی اس طرح کے عقیدے رکھتے ہیں صرف اصطلاح و عبارت کا تفرقہ ہے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔ مثلاً مسلمانوں کی نماز وہی ہندوؤں کی پوجا پاٹھ ہے۔ مسلمانوں کا روزہ ہندوؤں کا برت مسلمانوں کی زکوٰۃ ہندوؤں کا دان پُن وغیرہ علیٰ ہذا القیاس یہ قصہ اگرچہ ایک مسلمان خاندان کا ہے مگر بتغیر الفاظ ہندو خاندان بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ خاندان جو فرض کیا گیا ہے اس میں دو میاں بی بی ہیں، تین بیٹے اور تین بیٹیاں ایک بیٹا ایک بیٹی تو بڑی عمر کے ہیں اور بیاہے جا چکے ہیں اور لاجرم اُن کی عادتیں راسخ اُن کی خصلتیں کا بلیتیں ہیں۔ منجھلا بیٹا اگرچہ عمر اس کی بھی کم نہیں لیکن اس نے مدرسے میں تعلیم پائی ہے اور وہ صرف توجہ کا محتاج ہے، جیسے گھوڑا کہ سیدھا چلا جا رہا ہے۔ اسمیں رفتار پیدا کرنے کی ضرورت نہیں باگ کا موڑ دینا کافی ہے۔ منجھلی لڑکی کم سن ہے وہ عمر کے اُس درجے میں ہے جب بچوں کی قوت تفتیش و تلاش تیز اور نقل کرنے کی اُمنگ برسر ترقی ہوتی ہے۔ وہ بھولے پن سے اس طرح کے سوالات کرتی اور سادہ دلی سے ایسی ایسی باتیں پوچھتی ہے کہ ماں قائل ہو ہو جاتی ہے جس طرح پر اس خاندان کے لوگ زندگی کرتے ہوئے فرض کئے گئے ہیں وہ ایک سچا بلا تصنع نمونہ ہے اس زمانہ کے ہر ایک خاندان کی شائستگی و شرافت کے طرز ماندہ ہونے کا ایسا فرض کیا گیا ہے کہ رئیس البیت یعنی خاندان کا سرگروہ جس کا نام نصوح

لے جس طرح بارہ کا ایک درجن ۔ بیس کی ایک کوڑی ۱۲ سے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیتے ہیں ۱۲ سے ایک لفظ کے جو ایک معنی ٹھہرا لئے جائیں وہ اصطلاحی معنی کہلائیں گے جیسے ضرب کے معنی مارنا لیکن علم حساب میں ایک عدد کو دوسرے عدد کی قدر گن کر جوڑ لینا دو کو پانچ دفعہ گن کر جوڑ لینے سے دس حاصل ہوئے اس کو کہتے ہیں دو کو پانچ سے ضرب دینا ۱۲ سے اصطلاح ٹھہرا لینے کا ہر ایک کو اختیار ہے اس میں کسی کو کیوں عذر ہونے لگا ۱۲ سے اسی پر اور چیزوں کو بھی قیاس کرو ۱۲ سے لفظوں کے بدل دینے سے ۱۲ سے سے ضرور البتہ ۱۲ سے پکی جمی ہوئی ۱۲ سے بے اختیاری باتوں کی طرح جیسے سوتا سانس لینا ۱۲ سے توجہ کے پھیر دینے سے پوچھنے اور دریافت کرنے ۱۲ سے بے بناوٹ ۱۲ سے شرافت کا دعویٰ دار ۱۲ سے سچے سچے ۱۲

توبۃ النصوح

وبائی ہیضے میں مبتلا ہوا اور اس کی حالت ردی[1] ہو گئی کہ اس کو اپنے مرنے کا تیقن کرنا پڑا اور چونکہ اسی وبا میں چند روز پہلے اسی گھر کے تین آدمی مر چکے تھے اور شہر میں موت کی گرم بازاری تھی تو ایسی حالت میں نصوح کا اپنی نسبت موت کا تیقن ایک معمولی بلکہ ضروری بات ہے۔ نصوح کو ڈاکٹر نے جو اسکا معالج تھا خواب آور[2] دوا دی تھی۔ وہ سو گیا اور اس کے اگلے پچھلے خیالات ایک خواب بن کر اسکے سامنے آموجود ہوئے۔ خواب جو نصوح نے دیکھا تمام قصے کی جان ہے۔ حشر[3] اور اعمال نامہ اور حساب قبر کی تکلیف اور دوزخ کا عذاب یعنی قیامت کے حالات جن کا اپنے مذہب اسلام کے مطابق معتقد تھا خواب میں اس کو واقعات نفس الامری[4] دکھائی دیئے جاگا تو خائف[5] و ہراساں۔ بیدار ہوا تو ترساں و لرزاں خوف کا نتیجہ اور ہراس کا اثر جو نصوح پر مترتب ہوا قصے کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا۔ اسنے صرف اپنے نفس کی اصلاح نہیں کی بلکہ سارے خاندان کی اصلاح کو اپنے ذمے فرض و واجب سمجھا۔ چونکہ خاندان کے چھوٹے بڑے سب اس طرز جدید سے ناآشنا تھے کنفسٍ واحدةٍ[6] نصوح کے مقابلہ پر کمربستہ ہو گئے اور اس کو بڑی دقتیں پیش آئیں لیکن چونکہ نصوح کے ارادے میں استحکام[7] اور اس کے دل کو خدا کا بھروسہ تھا وہ غالب آیا مگر مشکل سے اسکو ظفر[8] ہوا۔ مگر دشواری سے کیوں کہ اولاد میں جو جتنا عمر رسیدہ تھا اسیقدر عسیر الاصلاح[9] تھا۔ تربیت اولاد جسپر یہ کتاب لکھی گئی ہے ایک شعبہ[10] ہے اس عام انسانی ہمدردی اور نفع رسانی کا جو ہر فرد بشر پر اسکی استطاعت[11] کے قدر واجب ہے۔ اس خصوص میں جتنی غفلت اور بے پروائی ہمارے ہم وطنوں سے ہوتی ہے اصلی باعث اس ملک کے تنزل کا ہے۔ لوگ مضمون ہمدردی سے اسقدر ناواقف ہیں کہ اس خصوص میں انکو بچوں کی طرح تعلیم کی حاجت ہے۔ یہ کتاب اس تعلیم کی ابجد[12] ہے کیونکہ اگر اولاد اور خاندان کی اصلاح انسان کے ذمے واجب ہے تو ضرور ان لوگوں کی اصلاح کا بھی وہ ذمہ وار ہے۔ جو بتعلق خدمت اسکی نگرانی اور حکومت میں ہیں پھر خدام[13] و عبید[14] کے بعد الاقرب فالاقرب[15] کے لحاظ سے ہمسائے پھر اہل محلہ پھر اہل شہر پھر ہم وطن اور ہم ملک پھر مطلق ابنائے جنس[16]۔ بنی آدم[17] اعضائے یکدیگر اند ۔ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند۔

غرض ہمدردی کا ایک بڑا وسیع مضمون ہے مگر بالفعل اسکے ابتدائی اور ضروری حصے سے آغاز کیا گیا ہے۔ واللہ[18] ولی التوفیق۔

نذیر احمد[19] وفقہ اللہ [illegible]

---

[1] خراب [2] نیند لانے والی ۱۲ [3] لوگوں کا مرے پیچھے زندہ کیا جانا کہ جو کچھ دنیا میں کر گئے ہیں خدا انکا حساب لے ۱۲ [4] یعنی ایسی باتیں جو سچ مچ ہو رہی ہیں ۱۲ [5] خوف زدہ ۱۲ [6] سب کے سب ایسے مل گئے کہ گویا ایک ہی شخص ہیں ۱۲ [7] مضبوطی ۱۲ [8] فتح ۱۲ [9] مشکل سے سدھرنے والا ۱۲ [10] شاخ ۱۲ [11] طاقت مقدور ۱۲ [12] الف بے ت ۱۲ [13] خادم کی جمع خدمتگار ۱۲ [14] عبد کی جمع غلام یہ لفظ مسلمانوں کے خیال کے مطابق لگایا ہے۔ ورنہ انگریزی عملداری میں غلاموں کا بیچ مارا گیا کسی کو کوئی غلام بنائے تو سرکار کا گنہگار ٹھہرایا جائے ۱۲ [15] پہلے قریب ترین پھر قریب تر پھر قریب یعنی قرابت داروں میں بھی ترتیب ہے جو جس قدر رشتے میں زیادہ پاس کا ہے اسکا حق بھی زیادہ ہے ۱۲ [16] لفظی معنی اپنی جنس کے بیٹے یعنی مطلق انسان کسی ملک کسی مذہب کسی رنگ کے ہوں ۱۲ [17] آدم کے بیٹے یعنی سارے جہان کے آدمی ایک بدن کے ٹکڑے ہیں کیونکہ سب کی پیدائش ایک ہی اصل سے ہے ۱۲ [18] اللہ توفیق کا مالک ہے یعنی توفیق کا دینا اسی کے اختیار میں ہے ۱۲ [19]

خدا ان کو ایسی توفیق دے کہ قوم کی [illegible] کچھ نادر [illegible] کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل اول

ایک برس دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا آئی۔ نصوح نے ہیضہ کیا اور سمجھا کہ مرا چاہتا ہے۔ یاس[١] کے عالم میں اُس کو مواخذۂ عاقبت[٢] کا تصور بندھا۔ ڈاکٹر نے اس کو خواب آور دوا دی تھی۔ سو گیا تو وہی تصور اُس کو خوابِ موحش[٣] بن کر نظر آیا

اب سے[٤] دُور ایک سال دہلی میں ہیضے کا اتنا زور ہوا کہ ایک حکیم بقا[٥] کے کوچے سے ہر روز تیس تیس چالیس چالیس آدمی چھنٹنے[٦] لگے۔ ایک بازار موت تو البتہ گرم[٧] تھا ورنہ جدھر جاؤ سناٹا اور ویرانی، جس طرف نگاہ کرو وحشت و پریشانی۔ جن بازاروں میں آدھی آدھی رات تک کھوے سے کھوا[٨] چھلتا تھا ایسے اجڑے پڑے تھے کہ دن دوپہر جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ کٹوروں[٩] کی جھنکار موقوف

ف١ ناامیدی ١٢ ف٢ آخرت یعنی روز قیامت کی پکڑ اور باز پرس ١٢ ف٣ ڈراؤنا خواب ١٢ ف٤ یہ دعائیہ ہے کہ خدا کرے پھر نہ آئے ١٢ ف٥ دلی میں قاضی حوض کے پاس اب بھی حکیم بقا کا کوچہ موجود ہے اس میں حکیم بقاء اللہ خاں کے پوتے پڑپوتے رہتے اور مطب کرتے ہیں ١٢ ف٦ گھٹنے کم ہونے ١٢ ف٧ بازاروں میں رونق اور چہل پہل ہونے کو بازار کا گرم ہونا کہتے ہیں ف٨ کھوے سے کھوا چھلنا بھیڑ کی دلیل ہے ١٢ ف٩ کٹوروں کے بجنے کی آواز دلی میں سقے کٹورے بجاتے ہوئے پانی پلاتے پھرتے ہیں ١٢

سود والوں کی پکار بند۔ ملنا جلنا، اختلاط و ملاقات، آمد و شد، بیمار پرسی و عیادت یا زدید و زیارت
مہمان نوازی و ضیافت۔ کل رسمیں لوگوں نے اٹھا دیں۔ ہر شخص اپنی حالت میں مبتلا، مصیبت میں گرفتار،
زندگی سے مایوس، کہنے کو زندہ پر مردے سے بدتر۔ نہ دل میں ہمت، نہ ہاتھ پاؤں میں سکت، یا تو گھر میں
اَلوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ رہا یا کسی بیمار کی تیمارداری کی، یا کسی عزیز آشنا کا مرنا یاد کر کے کچھ رو پیٹ لیا، مرگ
مفاجات حقیقت میں اُن ہی دنوں کی موت تھی۔ نہ نشان نہ گمان اچھے خاصے چلتے پھرتے یکا یک طبیعت نے
مالش کی، پہلی ہی کلی میں حواس خمسہ مختل ہو گئے، الا ماشاء اللہ کوئی جزئی بچ گیا تو بچ گیا ورنہ جی کا متلانا تو قضا
اور مبرم کا آجانا۔ پھر وصیت کرنے تک کی مہلت تھی، ایک پاؤ گھنٹے میں تو بیماری، دوا، دعا، جان کنی، مرنا
سب کچھ ہو چکتا تھا۔ غرض کچھ اس طرح کی عالمگیر وبا تھی کہ گھر گھر اسکا رونا پڑا تھا۔ وہ پورے دو مہینے کے
قریب وہ آفت شہر میں رہی مگر اتنے ہی دنوں میں شہر کچھ دھنسا سا گیا، صدہا عورتیں بیوہ ہو گئیں، ہزاروں
بچے یتیم بن گئے۔ جس سے پوچھو شکایت، جس سے سنو فریاد، مگر ایک نصوح جس کا قصہ ہم اس کتاب میں لکھنے
والے ہیں کہ عالم شاکی تھا اور وہ اکیلا شکرگزار، دنیا فریادی تھی اور وہ تنہا مداح۔ نہ اس سبب سے کہ اس
کو اس آفت سے گزند نہیں پہنچا، خود اس کے گھر میں بھی اکٹھے تین آدمی اس وبا میں تلف ہوئے۔ اچھی خاصی
طرح گھر بھر رات کو سو کر اٹھے، نصوح نماز صبح کی نیت باندھ چکا تھا، باپ بیٹھے وضو کر رہے تھے، مسواک
کرتے کرتے اُبکائی آئی۔ ابھی نصوح دوگانہ فرائض ادا نہیں کر چکا تھا، سلام پھیر کر دیکھتا ہے کہ باپ نے قضا کی۔
اُن کو مٹی دے کر آیا تو رشتے کی ایک خالہ تھیں اُن کو جاں بحق پایا۔ تیسرے دن گھر کی ماما رخصت ہوئیں، مگر
نصوح کی شکرگزاری کا کچھ اور ہی سبب تھا۔ اس کا مقولہ یہ تھا کہ ان دنوں لوگوں کی طبیعتیں بہت کچھ
راست پر آ گئی تھیں، دلوں میں رقت و انکساری کی وہ کیفیت تھی کہ عمر بھر کی ریاضت سے پیدا نہ ہوتی

۱ ملنا ۱۲ ۲ آنا جانا ۳ عیادت اور بیمار پرسی ہم معنی ہیں ۱۲ ۴ و ۵ اگر زید خالد سے ملنے جائے تو عرب کے محاورے میں کہتے
ہیں کہ زید نے خالد کی زیارت کی، پھر خالد زید سے ملنے آئے تو خالد کا آنا بازدید ہے ۱۲ ۶ دعوت ۱۲ ۷ ناامید ۱۲ ۸ قوت طاقت ۱۲
۹ تنہا لیٹ کر ۱۲ ۱۰ علاج دوا دارو ۱۲ ۱۱ ناگہانی موت ۱۲ ۱۲ متلی ۱۲ ۱۳ مراد ہے ایک دفعہ جو سونگھ کر سمجھا ایک کلی
علم منطق میں کلی پانچ ہیں۔ جنس، نوع، فصل، عرض عام، خاصہ، جن کو کلیات خمسہ کہتے ہیں، کلی کے مقابل جزئی کے الفاظ ہیں، ایک لطف خاص
ہے گویا منطق کا ضلع ہو گیا ۱۲ ۱۴ اس کی صراحت دیباچہ میں ہو چکی ہے ۱۲ ۱۵ مگر جس خدا نے چاہا ۱۲ ۱۶ موت قاصر ۱۲ ۱۷ جو قضا کسی تدبیر
سے ٹالے نہ ٹلے ۱۲ ۱۸ مردہ جو کچھ مرے ۱۲ ۱۹ عام سارے جہان کی پھیلی ہوئی ۱۲ ۲۰ آدھا سا ہو گیا ۱۲ ۲۱ دو رکعت ۱۲ ۲۲ قضا
مر گئے اور قضا ایک دوسرے کی ضد ہیں اس میں بھی لطف ہے ۱۲

۲۳ خدا کو جان سونپ دی ۱۲ ۲۴ اس کا کہنا یہ تھا ۱۲ ۲۵ نرم دلی ۱۲ ۲۶ جسمانی محنت جیسے روزے رکھنا

دشوار ہے۔ غفلت کو ایسا کاری تازیانہ[۱] لگا تھا کہ ہر شخص اپنے فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں سرگرم تھا جن لوگوں نے رمضان میں بھی نماز نہیں پڑھی تھی وہ بھی پانچوں وقت سب سے پہلے مسجد میں آموجود ہوتے تھے جنھوں نے بھول کر بھی سجدہ نہیں کیا تھا ان کے اشراق[۲] و تہجد[۳] تک قضا نہیں ہونے پاتے تھے دنیا کی بے ثباتی، تعلقات زندگی ناپائداری سب کے دل پر منقش تھی۔ لوگوں کے سینے صلاحکاری کے نور سے معمور تھے۔ غرض ان دنوں کی زندگی اس پاکیزہ اور مقدس اور بے لوث[۴] زندگی کا نمونہ تھی جو مذہب تعلیم کرتا ہے۔ نصوح یوں ہی دل کا کچا تھا جب اس نے اول اول ننانوے[۵] کی گرم بازاری سنی سرد[۶] ہوگیا اور رنگت زرد پڑ گئی۔ اسباب ظاہر جو تدبیریں انسداد[۷] کی تھیں سب کیں۔ مکان میں نئی قلعی پھروا دی۔ پاس پڑوس والوں کو صفائی کی تاکید کی۔ گھر کے کونوں میں لوبان کی دھونی دے دی طاقوں میں کافور رکھوا دیا۔ جا بجا کوئلہ ڈلوا دیا۔ باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں نمک ذرا تیز رہا کرے۔ پیاز اور سرکہ دونوں وقت دسترخوان پر آیا کرے۔ گلاب، نارجیل دریائی[۸]، جدوار، تمر ہندی[۹]، سکنجبین وغیرہ جو معالج یونانی طبیب اس مرض میں استعمال کراتے ہیں تھوڑی تھوڑی سب بہم پہنچا لیں تاکہ خدانخواستہ ضرورت کے وقت کوئی چیز ڈھونڈنی نہ پڑے نصوح نے یہاں تک اہتمام کیا کہ انگریزی دوائیاں بھی فراہم کیں کالرا پل کی گولیاں تو وہیں کوتوالی سے لے لیں۔ کالرا مکسچر الہ آباد میڈیکل ہال سے روپیہ بھیج کر منگوا رکھا۔ آگرے سے ایک دوست کی معرفت کلوروڈائن کی دو شیشیاں خرید لیں۔ ایک اخبار میں لکھا دیکھا کہ بنارس میں ایک بنگالی اس بیماری کا قطعی علاج کرتا ہے اور سرکار سے جو دس ہزار روپے کا انعام موعود ہے اس کا دعوے دار ہوا ہے چٹھی لکھ کر اس کی دوا بھی طلب کی۔ نصوح کو ایک یہ تسلی بھی تھی کہ ایک طبیب حاذق[۱۰] اس کے ہمسایے میں رہتا تھا۔ گو روسیاہ ہیضے کے توڑ کے واسطے اتنا سامان وافر موجود تھا مگر تاہم نصوح کا گھر بھی فرشتوں کی نظر سے نہ بچا پر نہ بچا۔ باپ کی اجل آئی تو دوائیں رکھی ہی رہیں، دینے اور پلانے کی نوبت بھی نہ پہنچی کہ بڑے میاں ہچکیاں[۱۱] لینے لگے۔ وہ رشتے کی خالہ غفوری بڑی ستجل تھیں لیکن وہ کچھ ایسی زندگی سے سیر[۱۲] تھیں کہ انھوں نے تو خیر کرتے ہیں دیر کی، غرض وہ ان کو بھی نصیب نہ ہوئی اماں لے

۱؎ اثر کرنے والا کوڑا ۱۲ ۲؎ آفتاب نکلے پیچھے کی نماز ۱۲ ۳؎ آدھی رات کے بعد کی نماز ۱۲ ۴؎ بے اغراض بے خطا ۱۲ ۵؎ ہیضے کو عورتیں ننانوے کہتی ہیں یعنی بے نام کی بیماری ۱۲ ۶؎ ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے گرم بازاری سے مراد شدت ہے ۱۲ ۷؎ روک ۱۲ ۸؎ ناریل ۱۲ ۹؎ املی ۱۲ ۱۰؎ ہوشیار، تجربہ کار ۱۲ ۱۱؎ ہچکیاں ۱۲
۱۲؎ لفظی معنی پیٹ بھری۔ مراد یہ ہے کہ زندگی سے اکتا گئی تھیں ۱۲

البتہ انگریزی یونانی سب طرح کی دوائیں ڈھونڈیں مگر اس کی عمر ہو چکی تھی۔ اول اول نصوح کو اپنی احتیاط پر کچھ یوں ہی سا تکیہ[1] ہوا تھا مگر جب وبا کا بہت زور ہوا اور خود اسی کے گھر میں تابڑ توڑ[2] ایک چھوڑ تین موتیں ہوگئیں ناچار تن بہ تقدیر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہا۔ غرض پورا ایک چلہ[3] شہر پر سختی و مصیبت کا گزرا۔ نہیں معلوم کتنے گھر غارت ہوئے، کس قدر خاندان تباہی میں آگئے، یہاں تک کہ نواب عمدۃ الملک نے ہیضہ کیا کوئی دو تین گھڑی دن چڑھتے چڑھتے شہر میں یہ خبر مشہور ہوگئی اور نماز جمعہ کے بعد دیکھتے کیا ہیں کہ جنازہ جامع مسجد[4] کے صحن میں رکھا ہے۔ یوں تو ہزارہا آدمی شہر میں تلف ہوئے مگر عمدۃ الملک کی موت سب پر بھاری تھی۔ اول تو ان کی ٹکر[5] کا شہر میں کوئی رئیس نہ تھا دوسرے ان کی ذات سے غریبوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچتا تھا۔ گو ان کے مرنے کا گھر گھر ماتم تھا لیکن لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ بس اب وبا نے ٹھنڈک[6] ڈالی کیونکہ معتقدات[7] عوام میں یہ بھی ہے کہ وبا بے کسی بڑے رئیس کی بھینٹ[8] لیے نہیں جاتی۔ خیر لوگوں نے جو کچھ سمجھا ہو یوں بھی شورش بہت کچھ فرو[9] ہو چلی تھی اور امن و امان ہوتا جاتا تھا۔ لوگوں نے دکانیں بھی کھولنی شروع کر دیں اور دنیا کا کاروبار پھر جاری ہو چلا۔ ان ہی دنوں نصوح نے اپنی بیوی سے کہا کہ دو دو مہینے سے چاولوں کو ترس گئے اب خدا نے اپنا فضل کیا، آج زردہ پکواؤ مگر تاکید کرنا کہ چاول کھٹے نہ رہیں۔ شام کو زردہ پکا اور گھر کے چھوٹے بڑے سب نے کھایا اور حسب عادت سو رہے۔ کوئی پہر رات باقی رہی ہوگی کہ دفعتاً نصوح کی آنکھ کھل گئی۔ جاگا تو پیٹ میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اٹھتے اٹھتے کئی مرتبہ طبیعت نے مالش کی۔ اس نے ننگے سر جلدی سے صحن میں نکل کر ٹہلنا شروع کیا، خوب کس کر دونوں بازو باندھے، گلے میں توے کی سیاہی تھوپی، عطر کا پھویا ناک میں رکھا اور طبیعت کو دوسری طرف مصروف کیا مگر معلوم ہوتا تھا کہ حلق تک کوئی چیز بھری ہوئی ہے۔ بہتیرا تالا آخر بڑے زور سے استفراغ[10] ہوا۔ گھر والے سب جاگ اٹھے۔ نصوح کو اس حالت میں باہر بیٹھا ہوا دیکھ سب کے کلیجے دھک[11] سے رہ گئے۔ کوئی پانی اور بیسن لیکر دوڑا۔ کوئی الائچی اور پان بنا کر پاس آ کھڑا ہوا۔ کوئی پنکھا جھلنے لگا۔ نصوح کو لا کر چارپائی پر لٹایا اور سب لوگ لگے اپنی اپنی تجویزیں کرنے۔ کسی نے

[1] بھروسا ۱۲ [2] اوپر تلے ۱۲ [3] چالیس دن ۱۲ [4] دلی کی بڑی مسجد جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے لوگ اس دن مردوں کے جنازے جامع مسجد میں لے آتے ہیں تاکہ بہت سے نمازی جنازے کی نماز پڑھیں ۱۲ [5] برابر کا مقابلہ کا ۱۲ [6] یعنی بیماری کا زور دبا ۱۲ [7] عام لوگوں کے عقائد ۱۲ [8] قربانی ۱۲ [9] دب چلی تھی ۱۲ [10] قے ۱۲ [11] جیسے دفعتاً ڈر لگ جانے سے دھکا لگ جاتا ہے ۱۲

کہا خیریت ہے خدا نخواستہ۔ کوئی بولا نزلے ہیں گھی جما تھا۔ کوئی کہنے لگا گرمی کا فساد ہے غرض کہ صلاح ہوئی کہ ہیضہ وبائی نہیں ہے۔ گلاب اور سونف کا عرق دیا جائے اور گھبرانے کی بات نہیں صبح تک طبیعت صاف ہو جائے گی۔ خیر یہ تو تیمارداروں کا حال تھا۔ نصوح اگرچہ تکان کی وجہ سے مضمحل[1] ہو گیا تھا مگر ہوش و حواس سب خدا کے فضل سے برجا تھے۔ سب کی صلاحیں اور تجویزیں سنتا تھا اور دوا جو لوگ پلاتے تھے پی لیتا تھا۔ لیکن استفراغ ہونے کے ساتھ ہی اُس نے کہہ دیا تھا کہ لو صاحب خدا حافظ، ہم بھی رخصت ہوتے ہیں۔ استفراغ امتلائی[2] مجھ کو بارہا ہوئے ہیں مگر کچھ میرا جی اندر سے بیٹھا جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں میں سنسنی سی چلی آرہی ہے" اتنا کہنے کے بعد تو نصوح دوسری ہی اُدھیڑ بن میں لگ گیا اور سمجھا کہ بس دنیا سے چلا۔ صبح ہوتے ہوتے، رواوت[3] کے کل آثار پیدا ہو گئے۔ برد اطراف[4]، تشنج[5]، ضعف، متلی[6]، اسہال، تشنگی[7]، ہر ایک کیفیت اشتداد[8] پر تھی۔ منہ اندھیرے آدمی حکیم کے پاس دوڑا گیا۔ حکیم جی خود خفقانی المزاج ہیضے کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے مگر بہا نگی، مدت کی راہ و رسم طوعاً و کرہاً[9] آئے اور کھڑے کھڑے چھینٹا سا اتار کر چلے گئے۔ بیمار میں تو بولنے اور بات کرنے کی بھی طاقت نہ تھی ایک پہر ہی بھر کی بیماری میں چارپائی سے لگ گیا تھا۔ عورتوں نے پردہ میں جہاں تک اس گھبراہٹ میں زبان نے یاری دی کہا لیکن حکیم صاحب یہی کہہ چلے گئے کہ برف کے پانی میں ناجیل[10] دریائی گھس گھس کر پلائے جاؤ۔ تیمارداروں کو ایسی سرسری تشخیص اور ایسی روا روی[11] کی تجویز سے کیا خاک تسلی ہوتی فوراً آدمی کو شفاخانہ دوڑایا اور ڈاکٹر دوا سے صدا[12] کی طرح آموجود ہوا۔ اوپر تلے چار پڑیاں تو اس نے اپنے سامنے پلائیں۔ چلتے ہوئے ایک عرق دیتا گیا کہ ۲ گھنٹے بعد پلا کر مریض کو علیحدہ مکان میں اکیلا لٹا دینا کوئی آدمی اس کے پاس نہ رہے تاکہ نیند آجائے اگر سو گیا تو جانو کہ بچ گیا فوراً ہم کو خبر دینا۔ ڈاکٹر کے حکم کے مطابق نصوح کو اکیلے دالان میں سلا کر لوگ دفعتاً اِدھر اُدھر ٹل گئے مگر دبے پاؤں[13] آکر دیکھ دیکھ جاتے تھے۔ نصوح کے دل کی جو کیفیت تھی وہ البتہ عبرت انگیز[14] تھی یہ کچھ تو بیماری کا اشتداد ہوا مگر ہوش و حواس سب بجا مستقر رہے تھے وہ اپنے خیال میں ڈوبا ہوا تھا اور لوگ جانتے تھے کہ غش میں پڑا ہے ابتداء میں تو نصوح بھی اپنی نسبت مرنے کا تصور کرنے سے گریز[15] کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اپنے تئیں مرنے والا سمجھے بلکہ جو لوگ اس حالت کو سوء ہضم[16] اور امتلا کی وجہ سے تعبیر

۱؎ نڈھال ۱۲ ۲؎ بہت کھانا کہ کچھ جی نہ چھوٹے ہو ۳؎ لگاوٹ ۱۲ ۴؎ اندر باہر کا ٹھنڈا پڑ جانا ۱۲ ۵؎ اینٹھن ۱۲ ۶؎ دست ۱۲ ۷؎ سختی ۱۲ ۸؎ چارونا چار ۱۲ ۹؎ آلا ہونا ۱۲ ۱۰؎ یوں ہی بے سوچے سمجھے کی ۱۲ ۱۱؎ جلا جانا کی آسانی ۱۲ ۱۲؎ گونج کی آواز جو لوٹ کر آتی ہے ۱۳؎ آہستہ کہ پاؤں کی آہٹ نہ ہو ۱۲ ۱۴؎ یعنی اس کے سننے سے ڈر لگتا ہے ۱۲ ۱۵؎ بھاگتا تھا، بچتا تھا ۱۲ ۱۶؎ بدہضمی ۱۲

…ے تھے دل میں اُن کی رائے کی تحسین کرتا تھا لیکن افسوس یہ مسرت نصوح کو بہت ہی تھوڑی دیر
…ہی۔ دم بدم اس کی حالت ایسی ردی ہوتی جاتی تھی کہ زندگی کے تمام تر احتمالات ضعیف تھے آخر
…ناچار اس کو سمجھنا پڑا کہ اب میں دنیا میں چند ساعت کا مہمان اور ہوں۔ اذعانِ مرگ کیسا تھا پہلا تعلق
…دنیا کی مفارقت کا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مرنا وہ سفر ہے جس کا انقطاع نہیں، وہ جدائی ہے جس کے
…وصال نہیں، وہ گم شدگی ہے جس کی کبھی بازیافت نہیں، وہ غشی ہے جس سے افاقہ نہیں، وہ بیگانگی
…ن کے پیچھے کچھ تعلق نہیں۔ کبھی وہ بیوی بچوں کو دیکھ کر روتا اور کبھی ساز و سامان دنیا پر نظر کر کے سر کو
…ا اور کہتا ہے

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد — روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

…یں پہلو سے غور کرتا تھا اپنا مرنا اس کو بے وقت معلوم ہوتا تھا بیوی کو دیکھ دیکھ کر اپنے جی میں سوچتا
…بھلا کوئی اس کی عمر بیوہ ہونے کی ہے۔ نہ تو اس کے میکے میں کوئی اتنا ہے کہ اس کا متکفل ہو، نہ بیٹوں میں
…س قابل کہ گھر کو سنبھالیں۔ اندوختہ جو ہے سو وہ ابھی ہی وہ ابھی ہے کب تک اکتفا کرے گا۔ وہ تا کہ خدا
…ں اس کے آگے ہیں۔ کچا ساتھ، خالی ہاتھ، بچوں کی پرورش، کہیں سے کوڑی کی آمد کا آسرا نہیں، کیا
…ڑکیوں کی یہ پہاڑ سی زندگی اس کے کاٹے کٹے گی۔ بڑا لڑکا تو پہلے ہی گویا ہاتھ سے جا چکا ہے۔ رہا منجھلا
…س انٹرنس پاس کرنے کو تھا اور امید تھی کہ یہ کچھ ہو گا مگر اب وہ تمام منصوبہ ہی غلط ہوا چاہتا ہے۔ میری آنکھ بند
…تو کیسا پڑھنا اور کس کا امتحان۔ یہ دو لڑکیوں کا قرض کیسا میں اپنی گردن پر سے چلا۔ بڑی لڑکی کی نسبت
…ں مصیبتوں سے ٹھیری تھی اور جب میرے سامنے یہ وقت تھی تو ان دو بچیوں کا دیکھئے کیا ہو۔ پیش بینی
…ل اندیشی کر کے پارسال گاؤں لیا تھا ابھی تک پٹی داروں نے اس میں اچھی طرح تسلط نہیں بیٹھنے دیا
…یں جو چالیس پچاس بیگھے سیر کر کے نیل بو لیا تھا وہ سب گیا گزرا ہوا۔ گودام پر جو روپیہ لگا دیا تھا وہ بھی
…ا۔ رہنے کے مکان میں کس تنگی سے بسر ہوتی ہے کوئی مہمان آنکلتا ہے تو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ امسال روپیہ
…ن دالان بنوانے کا ارادہ تھا۔ ڈیڑھ دو دن لکڑی کا روپیہ بھیج چکا ہوں وہ نہیں آئی۔ پڑاوے والوں کو

…کہتا تھا انھوں نے ٹھیک سمجھا ۱۲ ؎ خوشی ۱۲ ؎ موت کا یقین ۱۲ ؎ رنج ۱۲ ؎ جدائی ۱۲ ؎ ہو چکنا ۱۲ ؎ ملنا ۱۲ ؎ کھو کر
۱۲ ؎ افسوس پلک جھپکانے میں یار کی صحبت ختم ہو گئی۔ ہم پھول کے منہ کو اچھی طرح دیکھنے بھی نہیں پائے کہ بہار کا موسم چکا
خرچ بات کی ذمہ داری کرنیوالا ۱۲ ؎ جوڑا ہوا پس انداز ۱۲ ؎ کفایت بس ۱۲ ؎ کنواری ۱۲ ؎ چھوٹے چھوٹے بچوں کا
۱۲ ؎ بڑی لمبی بھاری ۱۲ ؎ بس میں نہیں رہا۔ آوارہ ہو گیا ۱۲ ؎ انگلش فینلز کے درجے میں داخل ہونیکا امتحان ۱۲ ؎ آئندہ
بات کو پہلے سے دیکھ لینا ۱۲ ؎ انجام کار کو سوچنا ۱۲ ؎ زمین داری کے شرکاء ۱۲ ؎ قبضہ ۱۲ ؎ زمیندار کی خود کاشت ۱۲ ؎ گویا ہے

…ہیں وہاں لکڑی کا بڑا بھاری جنگل ہے ۱۲

بیٹیوں کی وادی دی تھی وہ نہیں بٹی۔ افسوس کہ موت نے مجھکو مہلت نہ دی۔ لوگوں کا لینا دینا حساب کتاب
بڑے بڑے بکھیڑے ہیں۔ آج سمجھانے بیٹھوں تو مہینوں میں جا کے طے ہوں تو ہوں۔ اجل ہر چند قریب پہنچی تمام لینا
لانا مارا پڑا۔ اے کاش میں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا تو یہ سب انتظام اپنی خواہش کے مطابق
درست کر لیتا۔ بال بچے بھی ذرا اور سیانے ہو جاتے، کھانے کمانے لگتے۔ ادھر ان کی شادی بیاہ کر چکتا۔
گاؤں کا معاملہ بھی بہ براہ ہو جاتا۔ مکان کو اپنے طور پر بنا لیتا۔ لوگوں کا حساب کتاب سب صاف کر دیتا۔
گھر والی کے واسطے کچھ ذخیرہ وافی فراہم کر جاتا تب فراغت سے مرتا۔ کیا اس نے میں مجھ کو کوئی عذر یا خدا
نخواستہ کسی طرح کا انکار تھا یا میں اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھتا کہ دنیا میں آکر مرنا ضرور ہے۔ مگر ہر چیز ایک
وقت مناسب پر ٹھیک ہوتی ہے۔ یہ بھی کوئی مرنا ہے کہ ہر ایک کام کو ادھورا، ہر ایک انتظام کو ناقص
دنیا تمام چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اس لیے بے ہنگام مرنا نہ صرف میرے لیے بلکہ تمام متعلقین اور وابستگان کیلیے
موجب زیان و باعث نقصان ہے۔ اگرچہ نصوح بنظر ظاہر ایک آزاد اور بیگانہ وار زندگی بسر کرتا
تھا نہ تو ہر وقت گھر میں گھسے رہنے کی اس کی خوشی نہ بال بچوں ہی سے کچھ بہت اختلاط کرنے کی عادت
انتظام خانہ داری میں بھی بی بی کے تقاضے اور اصرار سے بقدر ضرورت کچھ دخل دیا تو دیا ورنہ اس کی بھی
چنداں پروا نہ تھی اور یہی سبب تھا کہ جب کبھی سننے کا اتفاق ہوتا کہ فلاں شخص نے بڑی حسرت کیساتھ
جان دی تو نصوح کو تعجب ہوتا اور کہتا کہ خدا کی شان ہے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ دنیا سے نکلنے کو ان کا جی
ہی نہیں چاہتا۔ نہیں معلوم دنیا کی کون سی ادا ان کو پسند ہوتی ہے ورنہ استغفر اللہ! یہ دار المحن انسان
کے رہنے کے لائق ہے۔ صدہا بکھیڑے، ہزارہا مخمصے، روز کے جھگڑے، آئے دن کی مصیبت۔ سچ
ہے خدائے تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت اور بندوں کی مصلحت سے خالی نہیں۔ ظاہر میں تو موت سب کو
بری ہی معلوم ہوتی ہے اور اس سے لوگ ایسا ڈرتے ہیں جیسے مجرم سزا سے لیکن غور کر کے دیکھو تو مرنا بھی
ایک نعمت ہے۔ انسان کی طبیعت تازگی پسند واقع ہوئی ہے۔ جہاں ایک حالت سالہا سال رہی گو وہ کیسی
ہی عمدہ اور پسندیدہ کیوں نہ ہو خواہ مخواہ آدمی اس سے ملول ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہی

---

١ پیشگی رقم ١٢ ٢ روا نہیں ہوئی ١٢ ٣ جھگڑے ١٢ ٤ یعنی گاؤں کے معاملے کا بھی کوئی رستہ نکل آتا ١٢ ٥ اندوختہ ١٢
٦ کافی ١٢ ٧ جمع ١٢ ٨ بے وقت ١٢ ٩ جو آدمی کے پلے بندھے ہوں یعنی اہل و عیال ١٢ ١٠ نقصان کا سبب ١٢
١١ ان لوگوں کی سی زندگی جن کو گھر سے لگاؤ نہیں ١٢ ١٢ ضد ١٢ ١٣ اصرار ١٢ ١٤ افسوس ١٢ ١٥ خدا سے معافی چاہتا ہوں الغرض
کی جگہ ہے نہیں ١٢ ١٦ محنتوں کا گھر ١٢ ١٧ کام ١٢ ١٨ گھبرا جاتا ہے ١٢

مشتی اور پھانسی کے خواستگار ہیں۔ نصوح یہ مقام ہولناک دیکھتے ہی الٹے پاؤں پھرا۔ باہر آیا تو پھر حوالاتیوں اور زیر تجویزوں میں تھا۔ ان لوگوں میں ہزارہا آدمی تو اجنبی تھے لیکن جا بجا شہر اور محلے کے آدمی نظر آتے تھے مگر وہ جو مر چکے تھے۔ نصوح کو یہ سب سامان دیکھ کر اسی خواب کی حالت میں ایک حیرت تھی کہ الٰہی یہ کونسا شہر ہے کس کی کچہری ہے۔ یہ اتنے مجرم کہاں سے پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ میرے ہموطنوں نے کیا جرم کیا ہے کہ ماخوذ ہیں اور یہ کیسے مرے تھے کہ میں ان کو یہاں جواب دہی میں دیکھتا ہوں۔ اسی حیرت میں لوگوں کو دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا کہ دور سے اس کو اپنے والد بزرگوار حوالاتیوں میں بیٹھے نظر پڑے پہلے تو سمجھا کہ نظر غلطی کرتی ہے۔ مگر غور کیا تو پہچانا کہ نہیں واقع میں وہی ہیں دوڑ کر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ "یا حضرت! ہم سب آپ کی مفارقت میں تباہ ہیں، آپ یہاں کہاں؟" باپ "میں اپنے گناہوں کی جواب دہی میں ماخوذ ہوں یہ مقام جو تم دیکھتے ہو دار الجزا ہے اور خداوند تعالیٰ جل و علا شانہ اس محکمے کا حاکم" بیٹا۔ "یا حضرت! آپ تو بڑے متقی، پرہیزگار، خدا پرست، نیکوکار تھے۔ آپ پر اور گناہوں کا الزام!" باپ "گناہ بھی اک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں۔ دیکھو یہ میرا نامہ اعمال کیسی رسوائی اور فضیحت سے بھرا ہوا ہے اور میں اس کو دیکھ دیکھ کر سخت پریشان ہوں کہ کیا جواب دوں گا اور کونسی وجہ اپنی برارت کی پیش کروں گا" یہ وہی کاغذ تھا جو نصوح نے ہر شخص کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور اس دنیا کے خیالات کے مطابق فرد قرار داد جرم سمجھا تھا۔ باپ کا نامہ اعمال دیکھا تو تھرا اٹھا۔ شرک اور کفر اور نافرمانی ناشکری، اور بغاوت، اور بے ایمانی، کبر و نخوت، دروغ و غیبت، طمع و حسد، مردم آزاری، نفاق و ریا حب دنیا، کوئی الزام نہ تھا کہ اس میں نہ ہو چونکہ نصوح کے دماغ میں خیالات دنیوی گونج رہے تھے، لگا باپ کے نامہ اعمال میں تعزیرات ہند کی دفعہ اور ضمن ڈھونڈنے۔ سو تعزیرات ہند کے دفعات کی عوض قرآن کی سورتوں اور آیتوں کا حوالہ تھا۔ متعجب ہو کر باپ سے پوچھا کہ، یا حضرت! پھر کیا آپ ان تمام جرموں کے مرتکب ہوئے ہیں؟" باپ "سب کا" بیٹا "کیا آپ حضور حاکم اقرار کر چکے ہیں۔؟" باپ "انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ میری مخالفت میں گواہی اتنی وافر ہے کہ اگر میں انکار کروں بھی تو چھٹکارا نہیں ہو سکتا،" بیٹا "جناب وہ کون لوگ ہیں جو آپ کی مخالفت پر آمادہ ہیں؟" باپ "اول تو دو شخص کراماً کاتبین اس بلا کے ہیں کہ میرا کوئی فعل

۱ آرزومند ۱۲ ۲ خوفناک ۱۲ ۳ اوپری ان جان ۱۲ ۴ پکڑا ہوا ۱۲ ۵ بدلا پانے کا گھر ۱۲ ۶ اس کی شان بڑی اونچی ہے ۱۲ ۷ سرکشی ۱۲ ۸ غرور ۱۲ ۹ جھوٹ ۱۲ ۱۰ کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہنا ۱۲ ۱۱ لالچ ۱۲ ۱۲ دوسرے کو دیکھ کر جلنا ۱۲ ۱۳ لوگوں کو ستانا ۱۲ ۱۴ منہ پر کچھ دل میں کچھ ۱۲ ۱۵ دکھاوا ۱۲ ۱۶ دنیا کو دوست رکھنا ۱۲ ۱۷ الہیت ۱۲ ۱۸ قبول ۱۲ ۱۹ نیکی بدی لکھنے والے دو فرشتے جو ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں ۱۲

ان سے مخفی[1] نہیں۔ جتنی باتیں کہتے ہیں پتے کی۔ اور کہتے کیا ہیں میرا روزنامچہ عمری لکھتے گئے ہیں۔ اب جیسی اس کو دیکھتا ہوں حرف بحرف صحیح اور درست پاتا ہوں۔ دوسرے ہی میرے اعضا ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ کوئی میرے کہنے کا نہیں۔ سب کے سب مجھ سے منحرف[2]، سب مجھ سے برگشتہ[3]، میری مخالفت پر آمادہ، میری تذلیل[4] پر کمربستہ[5] ہو رہے ہیں۔" بیٹا "آخر آپ کچھ اس کی وجہ بھی سمجھتے ہیں؟" باپ "میں ان کو غلطی سے اعوان[6] و انصار، بھیدی اور رازدار سمجھتا تھا مگر واقع میں یہ سب جاسوس[7] ایزدی تھے۔ انھوں نے وہ وہ سلوک میرے ساتھ کیے کہ کر تسمہ[8] لگا نہیں رکھا۔" بیٹا "پھر آپ کا کیا حال ہے؟" باپ "جب سے دنیا کو چھوڑا قبر کی حوالات میں ہوں تنہائی سے جی گھبراتا ہے انجام کار معلوم نہیں۔ شبانہ روز[9] اسی اندیشہ میں پڑا گھلتا ہوں حوالات میں مجھ کو اس قدر ایذا ہو کہ بیان نہیں کر سکتا مگر صبح و شام ہر روز آتے جاتے جیل خانے کے پاس سے ہو کر گزرنا ہوتا ہے۔ دوزخ وہی ہے۔ وہاں کی تکلیفات دیکھ کر اور سن کر ہوش اڑے جاتے ہیں اور غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ اے کاش ہمیشہ کے واسطے اسی حوالات میں رہنے کا حکم ہو جاتا۔" بیٹا "پھر ہنوز آپ کا مقدمہ پیش نہیں ہوا؟" باپ "خدا نہ کرے کہ پیش ہو۔ جو دن حوالات میں گزرتا ہے غنیمت ہے۔ اول اول جب میں حوالات میں آیا تو اعمال نامہ مجھ کو حوالے کر دیا گیا بس اسی کو دیکھا اور انجام کار سے ڈرا کرتا ہوں نجات کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔" بیٹا "بھلا کسی طرح ہم لوگ آپ کی اس مصیبت میں کام آ سکتے ہیں؟" باپ "اگر میرے لئے عاجزی اور خلوص[10] کے ساتھ دعا کرو تو کیا عجب ہے کہ مفید ہو۔ ابھی میرے ہمسائے میں ایک شخص کی رہائی ہوئی ہے۔ اس پر بھی بہت سے الزام تھے مگر جہاں اللہ تعالیٰ میں کمال درجے کا انصاف ہے رحم بھی پرلے ہی سرے کا ہے۔ اس شخص کے پس ماندگان[11] نے اس کے واسطے بہت زاری نالے[12] کی تو پہروں یا برسوں اس کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تیرے افعال جیسے تھے وہ اب بھی تجھ پر مخفی نہیں ہے مگر ہمارے کئی بندے کو تیری معافی کے واسطے ہمارے حضور میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ تیرے ہی قرابتی و فرزند ہیں۔ ہم کو تیری یہی ایک بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ تو نے اپنے خاندان میں نیکی و دینداری کا بیج بویا۔ جا، ہم نے تیری خطا بخشی کی۔" بیٹا "سچ کہنا ہم لوگوں نے بھی کبھی آپ کے حق میں دعا خیر کی ہے؟" باپ "جب سے آپ کا انتقال ہوا رونا پیٹنا تو بہت کچھ ہوا اور اب تک ہو رہا ہے شور و غل[13] کیسا ہوتا ہے کہ گویا ابھی آپ نے انتقال فرمایا ہے اور یہ رونا تو ہم لوگوں کے مرتے دم کا ساتھ ہے۔ بیٹا کی صفائی تیری یکی تقصیر

[1] پوشیدہ ۱۲ [2] پھرے ہوئے ۱۲ [3] پھرے ہوئے ۱۲ [4] ذلیل کرنا ۱۲ [5] کمر باندھے ہوئے یعنی مستعد ۱۲ [6] مددگار [7] خدا کی طرف سے ٹوہ لینے والا ۱۲ [8] گویا گردن جڑ سے کاٹ کر جدا کر دی ۱۲ [9] رات دن ۱۲ [10] صدق دل ۱۲ [11] پیچھے رہے ہوئے یعنی وارثوں ۱۲ [12] گڑگڑا کر رونا ۱۲ [13] زور و شور ۱۲

کا امتیاز[۵۲] نہیں، ہم نے تجھ کو دودھ پلوا پلوا کر توانا کیا اور اپنے بندے جو تجھ پر ہر طرح کا شرف رکھتے تھے یعنی
تیرے ماں باپ تیری خدمت گزاری کو مقرر کیے اور ان کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ انھوں نے
ہمارے حکم سے تجھ کو پالا پوسا[۵۳] اور تو روز بروز چونچال[۵۴] اور خوش حال ہوتا گیا۔ پھر ہم نے عقل کو تیرا اصلاح
کار بنایا کہ تو اس کی مدد سے اپنی آسایش جانے کے واسطے ہر طرح کا سامان بہم پہنچائے۔ دنیا کے چرند،
پرند، حیوانات[۵۵]، نباتات[۵۶]، جمادات[۵۷]، سب کو تیرا مطیع[۵۸] فرمان بنا دیا کہ تو ان پر حکم رانی کرے اور انھیں
متصرف[۵۹] ہے کیا اس لیے کہ تو بہک کر کبھی بھی ہماری طرف رخ نہ کرے اور سدا ہم سے بھاگا بھاگا پھرا؟
تیری زندگی محض ایک ہستی بے بود[۶۰] تھی۔ دو لمحے تجھ کو تنفس[۶۱] کے لیے ہوا نہ ملتی تو تیرا دم نکل جاتا۔ ایک
رات دن بے آب و دانہ تجھ کو جینا دشوار ہوتا۔ سنوں ہوا تو سو نگھ گیا اور کبھی نہ سوچا کہ ہمارے طفیل ہیں
غلہ انبار کے انبار ٹھونس[۶۳] گیا اور کبھی نہ سمجھا کہ ہماری بدولت۔ زندگی بھر کئی کوئیں تو نے خالی کیے ہوں گے
مگر کبھی دھیان نہ کیا کہ ہمارے صدقے میں۔ اور پانی اور ہوا اور غلہ و غذا کیا ضرورت کی کل چیزیں
تو کہاں سے بہم پہنچاتا تھا۔ ؟ ہمارے توشہ خانہ[۶۴] عام سے۔ مگر اس پر تیری یہ ہیکڑی تھی کہ گویا ہم تیرے قرضدار
ہیں یا ہم پر کچھ تیرا ادھار آتا ہے۔ تو کھاتا تھا اور کرنا تھا لیتا تھا اور بھول بھول جاتا تھا۔ دنیا کی باتوں میں تو
تیری عقل بڑی رسا[۶۵] تھی مگر تو جان بوجھ کر ہمارے ہی ساتھ تجاہل[۶۶] کرتا تھا۔ منھ پر آنکھیں تھیں اور اندھا
ایک چھوڑ دو کان تھے اور بہرا۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، جنگل، دریا، میدان، انواع و
اقسام کے درخت، پھل، پھول، کھانے کو الوان[۶۷] نعمت، پہننے کو رنگا رنگ خلعت، جواہر بیش بہا[۶۸]، نقرہ
طلا[۶۹]۔ دنیا بھر کا سامان ہم نے تیرے واسطے مہیا کیا اور ایک تیرے دم کیلئے اسقدر لوازمہ[۷۰] ہم پہنچایا ہم
یہاں تک تیری خاطر عزیز اور تو ہم سے منحرف[۷۱]! ہم کو اسقدر تیری بزرگ داشت[۷۲] ملحوظ اور تو ہم سے
سرگشتہ[۷۳]! ہم چاہتے تو ایک ادنیٰ سی چیونٹی تیرے ہلاک کرنے کو کافی تھی۔ ہم حفاظت نہ کرتے تو خود
تیرے جسم میں فساد کا مادہ ایسا تھا کہ ایک ذرا سا روگ تیرے فنا کر دینے کو بہت تھا۔ مگر ہم تجھ سے دوستی
کرتے تھے اور تو ہم سے عداوت۔ ہم عنایت کرتے تھے اور تو ایذا دیتا۔ کیا یہی تھا بدلہ جو تو نے ہم کو دیا؟

[۵۲] فرق کرنے کا سلیقہ ۱۲ [۵۳] پرورش کیا ۱۲ [۵۴] ہوشیار ۱۲ [۵۵] جان دار ۱۲ [۵۶] پیڑ پھل درخت ۱۲ [۵۷] بے جان جیسے مٹی پتھر وغیرہ ۱۲ [۵۸] حکم کا تابع ۱۲ [۵۹] اپنے کام میں لائے ۱۲ [۶۰] بے حقیقت زندگی ۱۲ [۶۱] سانس لینے کے لیے ۱۲ [۶۲] ڈھیر ۱۲ [۶۳] کھا گیا نگل گیا ۱۲ [۶۴] مراد ہے گودام ۱۲ [۶۵] مطلب کو پہنچنے والی ۱۲ [۶۶] جان بوجھ کر اپنے تئیں بے خبر بنانا ۱۲ [۶۷] الگ الگ کے کھانے ۱۲ [۶۸] بیش قیمت موتی ۱۲ [۶۹] چاندی سونا ۱۲ [۷۰] سامان ۱۲ [۷۱] برگشتہ پھرا ہوا ۱۲ [۷۲] بزرگواری ۱۲ [۷۳] سرکشی ۱۲

وہ کیا ہی تحاصلہ[۵۱] جو تجھ سے ہم کو ملا؟ ہم نے تجھ کو دنیا میں بھیجتے وقت کیا تاکید کی تھی کہ دیکھ روح ایک جوہر لطیف[۵۲] ہے اور مجھکو بہت ہی عزیز ہے ایسا نہ کرنا کہ اس کو دنیا میں جا کر بگاڑ لائے۔ یہ میری عمدہ امانت اور نفیس ودیعت[۵۳] ہے۔ دیکھ اس کی احتیاط کما ینبغی[۵۴] اور حفاظت کما حقہ[۵۵] کیجیو۔ جیسا اُجلا شفاف براق روشن یہاں سے لئے جاتا ہے ایسا ہی دیکھ لونگا۔ آج تو لے روسیاہ اس کو لایا ہے تو تجھ سے بدتر اور ٹھیکری سے کمتر بنا کر نجس، ناپاک، تیرہ، بے آب، بد رونق، خراب۔ ہم نے تو تجھ سے چلتے چلتے کہہ دیا تھا کہ تو دنیا میں دل مت لگائیو اور اس طرح رہیو جیسے سرائے میں مسافر۔ تو وہاں گیا تو بس وہیں کا ہو رہا اور ایسی لمبی تان کر سویا[۵۶] کہ قبر میں آکر جاگا۔ تھا تو مسافر اور بن بیٹھا مقیم۔ تھا تو سیاح[۵۷] اور ہو گیا متوطن۔ کیا تو تمام عمر دنیا میں مال نہیں جمع کرتا رہا اور کیا تو نے پکی پکی عمارتیں اس خیال سے نہیں بنوائیں کہ مدتوں اُن میں رہیگا؟ مسافر کا یہی کام ہے؟ سیاح کا یہی شیوہ ہے؟ تو تو جانتا تھا کہ تجھ کو یہاں لوٹ کر آنا ہے۔ پھر مرنے کے نام سے تجھ کو موت کیوں آتی تھی اور چلنے کی خبر سنکر تو مچلتا کیوں تھا؟ اول تو تجھ کو ہماری عبادت کا اتفاق ہی نہیں ہوا لیکن جب کبھی تو لوگوں کی شرم حضور یا دکھاوے یا اتباع رسم[۵۸] کیوجہ سے مصروف عبادت ہوا بھی تو کس طرح کہ دل کہیں تھا اور تو کہیں۔ کوئی نماز بھی تیری سجدہ سہو[۵۹] سے خالی تھی؟ وہ دنیا کی برسوں کی بھولی بسری باتیں تجھ کو نماز میں یاد آتی تھیں اور نماز تو کیا پڑھتا تھا گھاس کاٹتا تھا۔ نہ تعدیل ارکان[۶۰] ٹھیک نہ قومہ[۶۱] درست۔ نہ قعدہ[۶۲] صحیح۔ برس بھر تو تو نرخ شکم کو اناپ شناپ سے بھرتا رہتا تھا۔ برسویں دن صرف ایک مہینہ کے روزے رکھنے کا ہم نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ تجھ کو ہماری نعمتوں کی قدر ہو، تجھ کو اپنے ابنائے جنس[۶۳] پر جو مبتلائے مصیبت ہیں۔ رحم آئے اور تیری صحت بدنی کو بھی نفع پہنچے، تیرے مزاج میں فروتنی[۶۴] اور انکسار کی صفت محمود کہ یہ ادا ہم کو بہت بھاتی ہے پیدا ہو۔ لیکن یوں دنیا کے کام دھندے میں تو تو دن بھر بے آب و دانہ مصروف رہا، نہ شکوہ نہ گلا، تازہ دم، ہشاش بشاش[۶۵]۔ پھر کھانا تو رہنے کو موجود مگر روزہ چونکہ ہمارے حکم سے تھا دن میں سینکڑوں مرتبہ تو پیاس کی شکایت اور جو آیا اُس سے

---

[۵۱] انعام ۱۲ [۵۲] پاکیزہ جوہر ۱۲ [۵۳] امانت ۱۲ [۵۴] جیسی چاہیے ۱۲ [۵۵] جیسا حفاظت کا حق ہے ۱۲ [۵۶] محاورہ ہے یعنی خوب پاؤں پھیلا کر سویا ۱۲ [۵۷] لفظی معنی بہت سا سیر کرنیوالا یہاں یہ مراد ہے کہ دنیا میں سیر کرنے کو آیا تھا اور اسطرح جم کر جو بیٹھا کہ گویا یہاں سے چلتا ہی نہیں ۱۲ [۵۸] رسم و رواج کی پابندی ۱۲ [۵۹] اہل اسلام کے نزدیک نماز میں بعض ارکان کی کمی یا بھول چوک سے نماز کے بعد دو سجدے کیئے جاتے جن سے نماز پوری ہو جاتی ہے ۱۲ [۶۰] نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کو آہستگی اور اطمینان کیساتھ ادا کرنا ۱۲ [۶۱] کھڑا ہونا ۱۲ [۶۲] بیٹھنا ۱۲ [۶۳] تجھ جیسے لوگ یعنی بنی آدم ۱۲ [۶۴] عاجزی ۱۲ [۶۵] خوش و خرم ۱۲

جب تک جئیں گے یاد کریں گے۔ رسم دنیا کے مطابق آپکا کھانا بھی برادری میں تقسیم کر دیا ہے۔ لوگ شاید میرے منہ پر خوش آمد سے کہتے ہوں مگر کہتے تھے کہ اس مہنگے سمے میں باپ کا کھانا اچھا کیا۔ دعا کے بارے میں غلط بات کیوں کر عرض کروں اہتمام نہیں ہوا۔ آپ کے بعد ترکہ و میراث کے جھگڑے پڑ گئے کہ آج تک نہیں سلجھے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ تو صوم و صلوٰۃ کے بڑے پابند تھے کیا اعمال و افعال کچھ بھی کام آئے

باپ کیوں نہیں۔ یہ انہیں اعمال کا طفیل ہے کہ تم مجھ کو اس حالت میں دیکھتے ہو ورنہ بہتیرے مجھ سے بھی زیادہ تکلیف میں ہیں حوالات میں جیل خانے کی سی ایذا ہے۔ مگر یہاں اعمال میں خلوص نیت شرط ہے۔ میں نے اپنے اعمال کو آ کر دیکھا تو اکثر جیسے جھوٹے موتی، کھوٹے روپئے۔ نمازیں بے حضور قلب ادا گئیں اور روزے چونکہ پابندی رسم کے طور پر رکھنے کا اتفاق ہوتا تھا خالی فاقے کے شمار میں درآئے

بیٹا۔ پھر اس دربار میں کچھ بھی سفارش کا دخل نہیں۔ باپ استغفراللہ! کوئی کسی کی بات تو پوچھتا نہیں نفسی نفسی پڑی ہے۔ ہر شخص اپنی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہے۔ دوسرے کی نجات تو کوئی کیا کرے گا پہلے آپ تو سرخ رو ہو لے،

بیٹا کیوں جناب معاذ اللہ یہ شرک و کفر کا الزام آپ پر کیسا؟ ہم لوگ تو خیر سارا شہر آپکے اتقا کا معتقد تھا۔ کیا آپ خدا کے قائل نہ تھے؟

باپ قائل تو تھا، دل سے معتقد نہ تھا۔

بیٹا وہ جناب آپکے تمام اعمال ظاہر سے مستنبط ہوتا تھا۔ کہ آپ کو خدائے کریم کے ساتھ بڑی راسخ عقیدت تھی

باپ وہ تمام عقیدت معلوم ہوا کہ اوپری دل سے تھی۔ جب اوّل اوّل میرا اظہار لیا گیا تو پہلا سوال مجھ سے یہی پوچھا گیا کہ تیرا رب کون ہے۔ چونکہ مرتے وقت مجھ کو ایمان کی تلقین کی گئی میں نے جواب دیا کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ تب اس پر جرح کیا گیا کہ بھلا جب تو نوکری سے برخاست ہو کر گھر آیا اور مدت تک خانہ نشین رہا اور جو کچھ کما کر لایا تھا سب صرف ہو گیا۔ اور نان شبینہ کو محتاج ہو کر نوکری کی جستجو میں اِدھر اُدھر پھرتا اور مضطر ہو ہو کر ہم سے دعائیں مانگتا تھا مگر ہم تیرا صبر و استقلال آزمانے کے لئے تیرے مدعا کو حیز التوا میں ڈالے ہوئے تھے۔ اور ایک انگریز حاکم ضلع نے وہ بھی مثل تیرے ہمارا بندہ تھا ہمارے ایما سے تیری پرورش کا وعدہ کیا مگر ہم نے تجھ پر اپنے ایما کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور تو یہی

۵۲ روزہ ۱۲ ۵۳ زمانہ ۱۲ ۵۴ یعنی دل حاضر نہ تھا ۱۲ ۵۵ اپنی اپنی جان ۵۶ خدا کی پناہ ۵۷ جب کسی نالائق بیہودہ اور بُری چیز کا ذکر کریں تو یہ کلمہ کہہ لیا کرتے ہیں یہاں شرک و کفر کی وجہ سے معاذ اللہ کہا ۱۲ ۵۸ یعنی خیر ہم لوگوں نے سمجھا تو ہم پر آپکا حق تھا ہمارے بزرگ تھے ۱۲ ۵۹ پرہیزگاری ۱۲ ۶۰ ظاہر ہوتا تھا۔ نکلتا تھا ۱۲ ۶۱ پکا جما ہوا عقیدہ ۱۲ ۶۲ پروردگار ۱۲ ۶۳ تعلیم جب کوئی آدمی مرنے کو ہوتا ہے تو پاس والے اُس کو دین کی باتیں یاد دلاتے ہیں ۱۲ ۶۴ اللہ تعالیٰ اکیلا جس کا کوئی شریک نہیں ۱۲ ۶۵ توڑ اعتراض ۱۲ ۶۶ اتنی سعی کہ ۱۲ ۶۷ تلاش ۱۲ ۶۸ بے قرار ۱۲ ۶۹ یعنی تیرے مطلب کو وصیل یا تھا ۱۲ ۷۰ اشارہ ۱۲ ۷۱ نوکری چھوٹنے سے مراد ہے ۱۲

سمجھا کہ خود تیری ہی کوشش کا نتیجہ تھا۔ سچ بتا کہ تجھ کو انگریز کے وعدہ زبانی کا زیادہ آسرا تھا یا ہمارے تحریری[۱] تمسک[۲] وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا[۳] کا؟ تو ہم کو صمیم قلب سے حاضر و ناظر[۴]، سمیع[۵] و بصیر[۶] و قادر[۷] جانتا تھا تو گناہ پر تجھ کو کیوں کر جسارت[۸] ہوتی تھی؟ تو بھول کر کبھی بھاڑ میں تو نہیں کودا۔ کبھی کھولتے پانی میں تو تو نے ہاتھ نہیں ڈالا۔ کبھی جلتی ہوئی آگ کو تو نے مٹھی میں نہیں لے لیا۔ مگر تو گناہوں کا نہایت بیباکی سے مرتکب[۹] ہوتا تھا۔ ضرور ہے کہ یا تو تجھ کو ہمارے فرمانے کا یقین نہ تھا کہ گناہ کی سزا آتش دوزخ ہے یا اگر یقین تھا تو تو اس کو دنیا کی آگ سے کمتر سمجھتا تھا۔ دنیا میں جو کچھ رفاہ[۱۰]، جو کچھ عیش و آرام ہم نے تجھ کو بے استحقاق صرف اپنی مہربانی سے عطا کیا تھا کیا تو نے اس کو ہمیشہ اپنی حسن تدبیر[۱۱] کی طرف منسوب نہیں کیا؟ جو تکلیف تجھ کو دنیا میں پہنچی اگرچہ تو اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں میں کلھاڑی[۱۲] مارا کرتا تھا مگر گیا تو اس کا الزام ہماری ذات مستجمع[۱۳] الصفات پر ہی لگاتا تھا۔ اے احسان[۱۴] فراموش! ہزاروں لاکھوں احسان میں نے تجھ پر کیے اور تجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ بھلا منہ سے اقرار تو کرتا۔ اے ناشکر! بے شمار[۱۵] نعمتیں میں نے تجھ کو عطا فرمائیں مگر تجھ پر اتنا بھی اثر نہ ہوا کہ کبھی زبان پر تو لاتا۔ جتنا میں نے تیرے ساتھ سلوک کیا اتنا ہی تو میری مخالفت پر کمر بستہ[۱۶] رہا۔ جتنی میں تیری رعایت کرتا رہا اسیقدر تو گستاخ[۱۷] اور شریر ہوتا گیا۔ اس حیات بے ثبات[۱۸] پر تجھکو اتنا گھمنڈ[۱۹] ہو گیا تھا کہ تو اپنے تئیں ہماری خدائی سے باہر لیے چلا تھا۔ اس چند روزہ[۲۰] زندگی پر اسقدر مغرور تھا کہ دائرہ عبودیت[۲۱] سے اپنے تئیں خارج کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے تجھ کو نیست سے ہست[۲۲] کیا اور خلعت انسانیت سے سرفراز بنایا۔ جو تجھکو درکار تھا سو دیا۔ جس کا تو حاجت مند تھا سب مہیا[۲۳] کیا۔ ہر حال میں تیرے حافظ، ہر کیفیت میں تیرے نگہبان رہے۔ کیا اسواسطے کہ تو کبھی بھول کر بھی ہماری طرف توجہ نہ کرے اور ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد[۲۴] ہم سے جدا الگ رکھے؟ جب تو ایک مضغہ[۲۵] گوشت تھا ضعیف و لایعقل[۲۶]، نادان، و جاہل، ضعیف اتنا کہ نقل و حرکت[۲۷] پر قادر نہیں، نادان ایسا کہ خویش و بیگانے[۲۸]

---

۱ لکھی ہوئی دستاویز ۱۲ ۲ جتنے جاندار زمین پر ہیں اللہ سب کی روزی کا ذمہ دار ہے ۱۲ ۳ ہر جگہ موجود ۱۲ ۴ سب چیزوں کو دیکھنے والا ۱۲ ۵ سب کی سننے والا ۱۲ ۶ سب چیزوں کو دیکھنے والا ۱۲ ۷ ہر بات پر قدرت رکھنے والا ۱۲ ۸ دلیری ۱۲ ۹ یعنی بیباکی سے تجھ سے گناہ سرزد ہوتے تھے ۱۲ ۱۰ فائدہ، امن چین ۱۲ ۱۱ یعنی اپنی ہی کوشش کا نتیجہ سمجھا ۱۲ ۱۲ مراد ہے کہ آپ اپنا نقصان کرتا تھا ۱۲ ۱۳ جس میں تمام خوبیاں اکٹھی ہوں ۱۲ ۱۴ احسان کو بھول جانے والا ۱۲ ۱۵ ان گنت ۱۲ ۱۶ مستعد تیار ۱۲ ۱۷ بے ادب ۱۲ ۱۸ زندگی ناپائدار ۱۲ ۱۹ مغرور ۱۲ ۲۰ تھوڑے دن کی ۱۲ ۲۱ بندگی کا حلقہ ۱۲ ۲۲ کچھ نہ تھا پیدا کر دیا ۱۲ ۲۳ موجود ۱۲ ۲۴ یہ محاورہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کوئی شخص دوسروں کی رائے کے خلاف اپنی سمجھ سے علیحدہ ایک کام کرتا ہے ۱۲ ۲۵ گوشت کی بوٹی ۱۲ ۲۶ بیوقوف ۱۲ ۲۷ ہلنے چلنے کی بھی طاقت نہ تھی ۱۲ ۲۸ اپنے پرائے ۱۲

تمام کرنے کی نظر سے ہم تجھ کو مہلت دیتے ہیں۔ جا اپنے نامۂ اعمال[1] کو دیکھ اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی بات ہم سے بیان کر بشرطیکہ معقول اور نا قابل قبول ہو۔"

خواب سے بیدار ہو کر نصوح کو اپنی اور اپنے خاندان کی لایعنی زندگی پر سخت تاسف ہوا اور اس نے تلافی مافات[2] کا عہد کر کے فہمیدہ اپنی بی بی سے ماجرائے خواب بیان کیا اور اصلاح خاندان کے لیے اس کو اپنا مددگار بنایا

باپ نے جو یہ تمام کہانی سنائی، بیٹے پر اس طرح کی ہیبت چھائی کہ چونک پڑا۔ جاگا تو پھر وہی دالان تھا اور وہی تیمارداریوں کا سامان۔ بی بی پاس بیٹھی ہوئی آہستہ آہستہ پنکھا جھل رہی تھی۔ میاں کی آنکھ کھلی ہوئی دیکھ اس کی جان میں جان آئی ورنہ جس گھڑی سے میاں نے جی برا[3] کیا تھا ہَولوں کے مارے کاٹو تو بدن میں خون نہیں تھا۔ نصوح آٹھ بجے ڈاکٹر کی دوا پی کر جو لیٹا تھا تو اس وقت کا سویا سویا اب کہیں دو بجے جا کر ہوشیار ہوا۔ چونکہ ڈاکٹر کہہ گیا تھا کہ نیند آگئی تو جانو کہ بیمار بچ گیا اس کے سونے سے سب کو تسلی سی ہو گئی تھی۔ مگر جب زیادہ دیر ہوئی تو عورتیں پھر گھبرانے لگیں کہ نہیں معلوم کمبخت ڈاکٹر کیسی دوا پلا گیا ہے کہ دوپہر پڑے پڑے گزر گئے کروٹ تک نہیں بدلی۔ خدا جانے اندر سے جی کیسا ہے اللہ و پیرا ایسی کیا آن بنی ہے، کیوں کر ہوش آئے گا، دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ نصوح بیدار ہوا تو بی بی نے پوچھا کیسی طبیعت ہے؟ اچھے سوئے کہ گھر میں رونا پیٹنا ہو گیا اور تم کو خبر نہیں! بولو بات کرو کہ اوپر والوں کو تسلی[4] ہو۔ کسی بچے کے منہ میں دانہ تک گیا ہو تو حرام۔ چھوٹے بڑے سب کل کا کھائے بیٹھے ہیں روتے روتے لڑکیوں کی آنکھیں سوج گئی ہیں۔ لڑکے ہیں کہ مضطر اور پریشان پھرتے ہیں۔" بی بی نے ہر چند دلجوئی کی باتیں کیں مگر نصوح کو خواب کا سارا ماجرا پیش نظر تھا، مطلق جواب نہ دیا۔ بی بی سمجھی کہ بیماری کی وجہ سے بولنے کو جی نہیں چاہتا ہوگا۔ مگر وہ خدشہ[5] سب کے دل سے رفع ہو گیا۔ مبارک سلامت

---

[1] وہ کاغذ جس میں انسان کے تمام چھوٹے بڑے کام جو اس نے دنیا میں کیے ہیں لکھے ہوں گے ۱۲ [2] جو کام کرنے سے رہ گیا تھا اس کا عوض یعنی اس نے اپنے دل میں عہد کیا کہ میں نے جو غفلت سے اپنا زمانہ برباد کیا ہے کس طرح اس کی کسر نکالوں ۱۲ [3] عورتوں کا محاورہ ہے۔ قے کرنے کو کہتے ہیں ۱۲ [4] یعنی تیمارداروں کو اور گھر کے لوگوں کو تسلی ہو ۱۲ [5] اندیشہ ۱۲

ہونے لگی اور گھر بھر نے بے رمضان کے عید منائی۔ گو دیر ہوگئی تھی مگر لوگ بھوکے تھے بازار سے حلوا پوری منگوا کر سب نے تھوڑا بہت کھایا پیا۔ کھانے ہی میں کسی نے یہ بات بھی چھیڑ دی کہ مریض کا غسل صحت ہو تو ایک رت جگا[۱] بڑی دھوم سے کیا جائے اور اچھے ہونے کی شادی کریں۔ یہ لوگ تو شادی اور رت جگے کے ارادے کر رہے تھے اور نصوح اپنے خواب کے تصور میں غلطاں پیچاں[۲] تھا اُس کا دل مان گیا تھا کہ یہ خواب میرے وہم و خیال کا بنایا ہوا تو ہرگز نہیں ہو نہ ہو یہ ایک امر من جانب اللّٰہ ہے۔ خواب کیا ہو رویائے صادقہ[۳] اور الہام[۴] آلہی ہے۔ باپ کا اظہار اس نے ایسی توجہ سے سنا تھا کہ حرف بحرف نوک زبان یاد تھا جتنے الزام باپ پر لگائے گئے تھے غور کرتا تھا تو سب اپنے میں پاتا تھا بلکہ باپ کی حالت سے اپنی حالت کو مقابلہ کرتا تھا تو کچھ نسبت نہ تھی اُن مرحوم[۵] کا یہ حال تھا کہ نماز روزے کے پابند۔ درود وظائف کے مقید معاملے کے صاف بیوپار کے کھرے۔ لوگوں کے دیکھنے میں محتاط[۶]، پرہیزگار، متقی، دیندار، اور یہاں نماز بھی تھی تو گنڈے دار[۷]۔ عیدین[۸] تو ضرور اس واسطے کہ عید سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی تیوہار نہیں، اس سے بھاری کوئی میلہ نہیں، برس روز میں یہی دو دن تو ساز و سامان کی نمائش کے ہوتے ہیں۔ کوئی اپنے نئے شان دار کپڑوں میں اکڑ رہا ہے۔ کوئی گھوڑے کو چھیڑ چھیڑ کر کداتا ہوا قصداً لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی نوکروں کی ہٹو بچو سن کر پھولا ہوا ہے۔ کوئی کرائے یا مانگے کے تانگے پر سوار گاڑی بان سے کہتا ہے چودھری کیسا سڑیل تانگہ بنا رکھا ہے، گدا ہے تو میلا، پوشش[۹] ہے تو پھٹی ہوئی، نہ بیلوں کے گلے میں گھونگھرو، نہ پہیوں میں جھانجھ، خیر اب نماز کا وقت قریب ہے اتنا تو کرو آگے اکہ جا رہا ہے اس کے برابر لگائے چل۔ مرد آدمی تجھ کو انعام لینے کا بھی سلیقہ نہیں، الٰہ یا جمعہ، اگر کپڑے خوب صاف ہوئے اور وقت بھی ایسی سخت نہ ہوئی، دن ابر و باد سے پاک ہوا، دوست آشناؤں سے ملنے جلنے کو جی چاہا تو گئے ورنہ محلے کی ہی مسجد میں ٹرخالی[۱۰] یا دل میں تاویل کر لی کہ شہر الٹا جمعہ میں اختلاف ہے پنج وقتی کو تو فرض واجب کیا مستحب بھی نہیں سمجھا۔ صبح اور ظہر اور عشا تو عمر بھر پڑھی ہی نہیں کیونکہ یہیں سونے کے وقت تھی۔ یہی عصر، سو ہوا خوری اور سیر بازار، خرید اور فروخت، دوست آشناؤں کی ملاقات، دنیا بھر کی ضرورتوں کو بالائے طاق رکھتے تو ایک نماز پڑھتے۔ مغرب کے واسطے تو عذر ظاہر تھا وقت کی تنگی جب تک

---

۱ جب کوئی خوشی ہوتی ہے تو عورتیں رات بھر جاگتی اور گیت گاتی ہیں ۱۲ ۲ حیران پریشان ۳ سچا خواب ۴ خدا کی طرف کا اشارہ ۱۲ ۵ رحم کیا گیا۔ مسلمانوں میں جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کی طرف اس لفظ سے اشارہ کیا کرتے ہیں ۱۲ ۶ احتیاط والے ۷ یعنی کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی ۱۲ ۸ دونوں عیدیں یعنی عید۔ بقرعید ۱۲ ۹ اوپر ڈالنے کا کپڑا ۱۲ ۱۰ یعنی بیدلی ادا کی

ضعف و ناتوانی کی حکایت، العطش[1] اور الجوع[2]، یہی تیرے دو وظیفے تھے۔ روزہ افطار کیا اور بدحواس[3] ہو کر چارپائی پر ایسا گرا کہ گویا جان نہیں۔ باوجودے کہ تو دو دو دن کا کھانا ایک ہی رات میں کھا لیتا تھا پھر بھی اس تصور سے کہ کل پھر روزہ رکھنا ہے تیری جوع البقر[4] کو کسی چیز سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ تو عید کا اس طرح منتظر رہتا تھا جیسے کوئی قیدی تاریخ رہائی کا۔ تیرا بس چلتا تو ۲۹[5] کیا ۱۹ کی عید کرتا۔ کیا ایسے ہی روزوں کے ثواب کا امیدوار اور اجر کا متوقع ہے؟ میں نے تجھ کو انسان بنا کر بھیجا تاکہ مصیبت زدوں کی ہمدردی کرے مگر تو نے ایسی تن آسانی اختیار کی کہ راحت پہنچانا تو درکنار دوسروں کو تکلیف دے کر بھی اپنی آسائش حاصل کرنے میں تجھ کو باک[6] نہ تھا۔ تیرے ہمسائے، ہمارے بندے، راتوں کو فاقے سے سوتے تھے اور تجھ کو سوءِ ہضم[7] کے علاج سے ان کی پرداخت[8] کی پروا نہ تھی۔ تیرے پڑوس میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جاڑے کی لمبی راتیں آگ تاپ تاپ کر سحر کرتے اور تو دوہرے دوہرے لحاف اوڑھے بھاری توشکوں میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوتا۔ نعمتِ مال و دولت جو ہم نے تجھ کو عطا کی تھی تو نے تکلفاتِ لایعنی[9] اور نمود و نمائش کی غیر ضروری چیزوں میں بہت کچھ تلف[10] کی اور جو لوگ اس کے سخت حاجت مند تھے ترستے کے ترستے رہ گئے۔ تیری سب خباثتیں[11] مجھ کو معلوم ہیں۔ تو نے درماندگی[12] کا نام خدا رکھ چھوڑا تھا۔ جب تک سعی و تدبیر سے تجھ کو کار برآری کی امید ہوتی تھی تجھ کو ہرگز پروا نہیں ہوتی تھی کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور انتظامِ دنیا میں اس کو بھی کچھ دخل ہے۔ مگر ہاں جب تو عاجز اور درماندہ ہوتا تھا تب تو خدا کو یاد کرتا تھا۔ اگر ہماری خدائی اور سلطنت تیری فرمانبرداری کی محتاج ہوتی تو تو نے اس کے اٹھا دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ تو نے ہمارے فرمان واجب الاذعان[13] کی بے حرمتی اور احکام لازم الاحترام[14] کی بے توقیری[15] کی اور تو نے اپنا برا نمونہ دکھا کر میرے بندوں یعنی اپنے فرزندوں کو بھی گمراہ کیا۔ ہر روز تو لوگوں کو مرتے دیکھتا اور سنتا تھا۔ کیا تجھ کو نہیں سمجھنا چاہیے تھا کہ ایک دن تو بھی مرے گا؟ خود تیری حالت میں کتنے کتنے انقلاب واقع ہوئے۔ لڑکے سے جوان ہوا، جوان سے بڈھا ناتواں، بال تیرے سفید ہوئے، دانت تیرے ٹوٹے، کمر تیری جھکی،

[1] پیاس ۱۲ [2] بھوک ۱۲ [3] یعنی یہی دو شکایتیں ہر وقت تیری زبان پر جاری تھیں ۱۲ [4] گائے بیل کی سی بھوک جو کبھی کھانے سے سیر نہیں ہوتی ۱۲ [5] مسلمان ۲۹ کے چاند کی عید سے زیادہ خوش ہوتے ہیں ۱۲ [6] خوف ۱۲ [7] بدہضمی ۱۲ [8] پرورش ۱۲ [9] بیکار ۱۲ [10] ضائع کی ۱۲ [11] شرارتیں ۱۲ [12] بے بسی یعنی جب تدبیر سے کام نہ چلتا تھا اور تو عاجز ہو جاتا تھا تو اس وقت تجھ کو خدا یاد آتا تھا ۱۲ [13] حکم جس کا تعمیل کرنا ضرور ہو ۱۲ [14] ہمارے احکام جن کی عزت کرنی لازم تھی ۱۲ [15] بے عزتی ۱۲

قوتوں میں تیری فتور آیا، غرض ہم نے تجھ کو سوتا دیکھ کر بہتیرا جھنجوڑا، بہتیرے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیے کئی بار اٹھا اٹھا کر بٹھا دیا مگر تیرے نصیب کچھ ایسے سوئے تھے کہ تو نے ہی کروٹ نہ لی۔ ؎

تمامی عمر تو غفلت میں سویا — ہمارا کیا کیا اپنا ہی کھویا

سخت گیری خود ہماری عادت نہیں اور سخت گیری ہم کریں بھی تو کس پر؟ اپنے بندوں پر، جن کا مارنا اور جلانا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے۔ مگر جب بندہ بندہ ہو اور ہم کو اپنا مالک سمجھے، نہ فرمانا شخص کہ ہم تو دیں نون اور وہ کہے کہ میری آنکھیں پھوٹیں۔ ہم سے زیادہ بھی کوئی درگذر کرنے والا ہوگا کہ ایک معذرت پر عمر بھر کے گناہوں کو ہم نے قاطبتاً بھلا بھلا دیا ہے۔ لیکن توبہ، استغفار، ندامت اور حسرت کا اظہار بھی تو کوئی کرے۔ ہماری رحمت حیلہ جو، ہماری رافت بہانہ طلب، کتنی کتنی بار جوش میں آئی مگر ہم نے اس کو صرف کرنے کا موقع نہ پایا۔ اگر بندہ ہمارے ساتھ نسبت عبودیت صحیح رکھتا تو ہم اس کی لاکھ برائیوں پر خاک ڈالتے۔ ہم کو تو بڑی شکایت یہی ہے کہ اس نے ہم کو معبود ہی نہ گردانا۔ عالم اسباب میں رہ کر اسباب پرست ہو گیا۔ پھر ہم جو دیکھتے ہیں تو ہمارے احکام بھی کچھ سخت نہ تھے۔ کھانے کو ہم نے نہیں روکا۔ سونے کو ہم نے منع نہیں کیا۔ تمتعات دنیوی سے ہم نے باز نہیں رکھا۔ پھر جو تو نے ان کی بجا آوری نہ کی تو سوائے تیری بدنفسی کے اور تو کوئی معلوم نہیں ہوتی۔ اے شخص نجات جس کا تو نہایت آرزومندی کے ساتھ خواہاں ہے اے کاش زندگی میں تجھ کو اس کی اتنی ہی پروا ہوتی جیسے اُردو پر سفیدی۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے نقصان اور ذرا ذرا سے زیان تجھ کو مضطر اور بے چین کر دیا کرتے تھے اگرچہ کیا دنیا اور کیا دنیا کا خسارہ کیا پدی کیا پدی کا شوربا لیکن تباہی دین کی تجھ کو خبر تک بھی تو نہیں ہوئی۔ اے کاش تجھ کو نماز کے قضا ہونے کا اتنا ہی رنج ہوتا جتنا ایک مٹی کے پرانے آبخورے کے ٹوٹ جانے کا ہوتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ تجھ کو بہت ہی بڑی ندامت ہو لیکن اس ندامت کا کچھ ماحصل نہیں اس واسطے کہ یہ دار الجزا ہے دار العمل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو ایک بات کا جواب بھی نہ دے سکتا لیکن حجت

---

۱ ضعف آیا ۱۲ ۲ سختی کرنا ۱۲ ۳ خبر گیری ۱۲ ۴ نافرمان شخص بے شکر کا نے ۱۲ ۵ عذر۔ اہل اسلام کے ہاں لکھا ہے کہ اگر تمام عمر کوئی شخص برے کام کرے اور پھر خدا کے سامنے سچائی کے ساتھ عذر کرے تو اسکے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ گویا گناہوں کا معاف کرنا اپنے اختیار میں ہے اگر ندامت کا اظہار ہو اور گناہ معاف ۱۲ ۶ بالکل ۱۲ ۷ معافی مانگنا ۱۲ ۸ یعنی خدا کی رحمت حیلے اور بہانے ڈھونڈا کرتی ہے ۱۲ ۹ شفقت۔ یعنی کیسی قدر شفقت سے بھری ہوئی ہے ۱۰ بندگی ۱۲ ۱۱ دنیا کے فائدے ۱۲ ۱۲ بدذاتی ۱۲ ۱۳ نجات وہ ہے مراد اس سے مقدار قلیل ہے یعنی ذرہ بھی پروا ہوتی ۱۲ ۱۴ بے قرار ۱۲ ۱۵ گھاٹا نقصان ۱۲ ۱۶ کچھ فائدہ نہیں ۱۷ بدلے کا گھر یعنی جو کچھ دنیا میں کیا ہے یہ وقت اس کے بدلے کا ہے ۱۲ ۱۸ کام کرنے کا گھر مراد اس سے دنیا ہے ۱۲

پھر پھرا کر گھر آئے حمرت شفق[۵۰] زائل ہو جاتی تھی۔ یہ تو اس عبادت کا حال تھا جس کو ثواب بے زحمت
اور راحت بے تکان کہنا چاہیے۔ اور جس عبادت میں ذرا سی تکلیف بھی تھی جیسے روزہ یا زکوٰۃ حتی الوسع[۵۱]
کوئی نہ کوئی حیلۂ شرعی اُس سے معاف رہنے کا سوچ لیا تھا۔ رجب کا مہینہ آیا اور روزوں کے ڈر کے مارے ایک
عجیب طرح کا سہم چڑھا۔ سب سے آسان نسخہ یہ کہ کسی طبیب کے یہاں آنا جانا شروع کیا۔ انھوں نے چند روزہ
زندگی کے واسطے وہ کھٹے میٹھے ٹکڑے کر رکھے ہیں کہ روئے زمین پر اُن کے نزدیک کوئی تن درست ہی نہیں
یوں ملنے اور ملاقات کرنے جاؤ تو پان کی عوض نسخہ[۵۲] حوالے کر دیتے ہیں اور جہاں ایک دفعہ دوا پی اور روگ
لگا۔ رمضان کے آتے آتے تو طبیعت خاص محتاج مسہل[۵۳] ہو گئی اور حکیم صاحب کی بدولت روزوں سے
بچ گئے۔ زکوٰۃ[۵۴] کا مال دینا تو کچھ بڑی بات نہ تھی۔ نصاب[۵۵] پر حول[۵۶] کامل کیوں گزرنے دیں کہ زکوٰۃ
دینی پڑے۔ جب دیکھا کہ برس پورا ہوتے کو آیا بی بی کے نام ہبہ[۵۷] کر دیا۔ کبھی کہا گیا کچھڑی میں۔ جب بی بی
پر وجوب زکوٰۃ کا وقت آیا پھر اپنے نام ہبہ کرا لیا اور تشخیص[۵۸] ابدالی کر کے خدا کو بالا[۵۹] بتا دیا۔ یا مال کو ایسے پیرائے
میں رکھا کہ زکوٰۃ سے بری رہے خاصی طرح وہ کامین مول لیں۔ مکان بنوائے اُن میں کرایہ دار بسائے کہ
مال نامی آپ[۶۰] نامی زکوٰۃ ندارد۔ غرض جہاں تک نصوح احتساب کرتا تھا اپنے تئیں دین سے بے بہرہ، ایمان
سے بے نصیب، نجات سے دور، ہلاکت و تباہی سے قریب پاتا تھا۔ جس عمل نیک پر نظر کرتا تو سرے سے
اُس کے اعمال نامے میں تھا ہی نہیں اور تھا بھی تو ایک عمل اور سینکڑوں نخرے[۶۱]، ہزاروں فساد۔ دو چار نمازیں
ہیں تو کاہلی سستی و ریا[۶۲] سے خالی نہیں۔ کبھی جاڑے کے دنوں میں یا افطار و سحر[۶۳] میں شریک ہوئے
کی نظر سے بوڑھے روزے رکھنے کا اتفاق ہوا تھا تو ان میں دکھاوے اور ظاہرداری کا نقص تو تھا ہی تکلیف کی
شکایت سے نیکی برباد گناہ لازم۔ کبھی کسی بھوکے منگتے کو وہ چیز جو اپنے مصرف کی نہ تھی دی تو اس کو یوں
اکارت[۶۴] کیا کہ ایک دفعہ دیکر سو سو بار احسان جتایا اور یہ سمجھے کہ بچا لیے محتاج کو عمر بھر کے واسطے مول لے
لیا۔ خلاصہ یہ کوئی عمل نیک نہ تھا جو خالصۃً للہ[۶۵] ہو اور اتفاقاً اس کے ثواب کی توقع اُس کے اجر کی امید کیجیے

[۵۰] شفق کی سرخی۔ نماز مغرب کا وقت حمرت شفق کے زائل ہونے کے بعد نہیں رہتا ۱۲ [۵۱] جہاں تک ہو سکتا تھا ۱۲ [۵۲] تدبیر ۱۲ [۵۳] جلاب ۱۲ [۵۴] مال کا چالیسواں حصہ جو برس پیچھے خدا کی راہ میں دیا جاتا ہے ۱۲ [۵۵] مال کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہو وہ چاندی میں باون تولے چاندی کے برابر ہے اور سونے کا بیس دینار کے برابر ہے۔ ساڑھے سات تولے کا ہوتا ہے ۱۲ [۵۶] پورا سال ۱۲ [۵۷] بخشش بلا عوض ۱۲ [۵۸] تشخیص ابدالی بدلنے کا بہت بدل کر دیتے ہیں ۱۲ [۵۹] ٹالنا ۱۲ [۶۰] نامی کے دو معنی ہیں اول متعارف یعنی نام دار مشہور اور دوسرے اسم فاعل نمو سے یعنی بالندہ اور روز افزوں مال نامی میں دوسرے معنی مراد ہیں۔ آپ نامی میں پہلے ۱۲ [۶۱] نخرے ۱۲ [۶۲] دکھاوا ۱۲ [۶۳] افطار روزہ کھولنے کو کہتے ہیں اور سحر آخر شب کے اٹھنے کو کہتے ہیں
[۶۴] مسلمان کہلانے کی غرض سے روزہ شروع کر دیتے ہیں ۱۲ [۶۵] ضائع ۱۲ [۶۶] خاص خدا کے لیے ۱۲

ان خیالات نے نصوح کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ بے اختیار ہو کر رو دیا اور کہنے لگا کہ الٰہی مجھ سے زیادہ نالائق[1] نابکار، ناکس، ناہنجار بھی کوئی شخص ہوگا کہ میں نے اپنی ساری عمر تیری نافرمانی میں کاٹی۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ یا پیدا ہوا تھا تو معصیت[2] پر قدرت نہ رکھتا۔ کوئی ایسی سخت مصیبت مجھ پر پڑتی کہ سر کھجلانے کی فرصت نہ دیتی۔ مجھ پر بجلی نہ گری آسمان نہ ٹوٹ پڑا۔ مجھ کو سانپ نہ سونگھ گیا۔ ہیضہ کر کرا کے میں بے حیا پھر اٹھ بیٹھا۔ لعنت ہو مجھ پر اگر مدت العمر[3] گناہ کے پاس پھٹکوں۔ تف ہے میری زندگی پر، اگر پھر معصیت پر اقدام[4] کروں گا۔ عہد اپنے جی میں استوار[5] کر کے اس کو پھر اپنی عمر تلف شدہ[6] کا خیال آگیا اور دل میں کہنے لگا کہ میں نے ساری عمر جو اس تباہ حالت میں غارت کی اس کی تلافی کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں اور بڑی بے انصافی ہے کہ میں جرم کروں اور سزا نہ پاؤں۔ گناہ کروں اور اس کی پاداش[7] نہ بھگتوں۔" نصوح کو اپنے گناہوں پر اس وقت اتنی ندامت تھی کہ مرنے کو وہ اپنی ایک ادنیٰ سی سزا سمجھتا تھا۔ مگر پھر اس کے جاں بر[8] ہونے کی خوشی منا رہا تھا اور اس کو افسوس تھا کہ میں مر کیوں نہیں گیا علالت کی وجہ سے اٹھنے سے معذور تھا مگر تکیے پر اوندھا سر کیے ہوئے پڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدایا میں تو اسی قابل ہوں کہ دوزخ میں جھونک دیا جاؤں مگر جو تو نے اپنے فضل سے پھر چند روز کے واسطے دنیا میں رکھ لیا ہے تو ایسی توفیق عطا کر کہ نکوکاری اور تیری اطاعت و فرمانبرداری میں رہوں اور میری زندگی دیندارانہ زندگی کا نمونہ ہو۔" اپنے نفس کے احتساب سے فارغ ہوا تو نصوح کو خاندان کا خیال آیا۔ دیکھا تو بی بی بچے سب ایک رنگ میں ہیں۔ دنیا میں منہمک[9]، دین سے بے خبر۔ تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ واحسرتا[10]! میں تو تباہ ہوا ہی تھا میں نے ان تمام بندگانِ خدا کی بھی بات[11] ماری۔ اپنی شامت[12] اعمال کیا کم تھی کہ میں نے ان سب کا وبال سمیٹا۔ مجھ کو خدا نے اس گھر کا مالک اور سردار بنایا تھا اور اتنی روحیں مجھ کو سپرد کی تھیں۔ افسوس میں نے ودیعتِ ایزدی کو تلف کیا اور امانتِ الٰہی کی نگہداشت میں مجھ سے اس قدر سخت غفلت ہوئی۔ یہ سب لوگ میرے حکم کے مطیع اور میری مرضی کے تابع تھے میں نے اپنا برا نمونہ دکھا کر ان سب کو گمراہ کیا۔ اگر میں قدم[13] رکھتا تو یہ کیوں بگڑتے اور یہ بگڑے تو آخر ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بگڑے گی۔ غرض میں دنیا میں بدی کا بیج بو چلا۔ جو لوگ خدا کے اچھے بندے ہوتے

---

[1] نالائق، بیہودہ ۱۲ [2] گناہ ۱۲ [3] جب تک جیتا ہوں ۱۲ [4] سبقت کروں ۱۲ [5] مضبوط ۱۲ [6] جو عمر کہ بیکار کھو چکا تھا
[7] سزا ۱۲ [8] زندہ بچ جانے ۱۲ [9] مصروف ۱۲ [10] افسوس [11] رستہ کھوٹا کیا ۱۲ [12] ترک لفظ بجائے کے معنی آگئے ہیں

ہیں باقیات الصالحات[۵۱] اور یادگارِ نیک دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ میں ایسا بدبخت ہوا کہ مجھ سے یادگار رہی بھی تو بدی۔ جب تک میری نسل رہے گی بدی بڑھتی اور پھیلتی جائے گی۔ جب یہ لوگ خدا کے روبرو جواب دہی کے واسطے حاضر ہوں گے تو آخر کہیں گے کہ ہم کو کسی نے راہِ نیک بتلائی نہیں، تو میں کیا جواب دونگا۔"

یہ خیال کر کے نصوح پھر ایک مرتبہ پکار کر رو دیا اور دوسرا عہد اُس نے یہ کیا کہ جتنے لوگ میرے خاندان میں ہیں سب کی اصلاح وضع کرونگا اور پھر اُس نے خدا سے دعا کی کہ اے الٰہ العالمین[۵۲] تو اس ارادے میں میری مدد کر جو مشکل پیش آئے آسان ہو جائے میری بات میں اثر دے اور میرے عزم[۵۳] میں استحکام۔ نصوح کو ایسی ٹھوکر نہیں لگی تھی کہ وہ اُس کو بھول جاتا متنبہ ہوئے پیچھے اُس کو اپنی اصلاح دشوار نہ تھی مگر اصلاح خاندان ایک بڑا مشکل کام تھا وہ بخوبی واقف تھا کہ دینداری اور خدا پرستی میرے خاندان کیلئے بالکل نئے الفاظ ہیں جن سے چھوٹے بڑے کسی کے کان آشنا نہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ گھر بھر ایک طرف ہوگا اور میں اکیلا ایک طرف نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنے گا اور میں ایک سو سا چناجن کر کیوں کر معصیت کے بھاڑ کو پھوڑونگا پس وہ غور کرنے لگا کہ کس کو اپنا مددگار بنائے، کس کو صلاح کار قرار دے۔ آخر یہی فیصلہ آیا کہ اصلاح خاندان کیلئے بی بی سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں اور خدا کو کچھ اس خاندان کی فلاح[۵۴] ہی منظور تھی کہ نصوح نے بی بی پڑھا لکھا بھی لیا تھا۔ جب نصوح کا نیا بیاہ ہوا اُن ہی دنوں تعلیم نسواں[۵۵] کا چرچا شروع تھا نئی نئی کتابیں جو عورتوں کے واسطے جاری ہوئی تھیں نصوح نے سب کو شوق سے دیکھا تھا اور اُس کا دل اسبات کو مان گیا تھا کہ عورتوں کے لکھانے پڑھانے میں چند در چند فوائد دینی و دنیوی مضمر[۵۶] ہیں۔ چنانچہ اُس نے بعض کتابوں میں سے بعض مقامات دلچسپ بی بی کو پڑھ کر سنائے۔ بھلائی کی بات سبھی کو بھلی معلوم ہوتی ہے بی بی نے بھی اُس کو تسلیم کیا کہ عورتوں کیلئے پڑھنا بہت مفید ہے۔ بال بچوں کا کچھ بکھیڑا نہ تھا میاں سے پڑھنا شروع کیا تو چار پانچ مہینے میں اُردو لکھنے پڑھنے لگی۔ تب سے اب تک تھوڑا مشغلہ[۵۷] چلا ہی جاتا تھا نصوح کو اسوقت بی بی کا پڑھا ہونا بہت ہی غنیمت معلوم ہوا اور سمجھا کہ بی بی بھی خدا کے فضل سے اسم بامسمیٰ فہمیدہ[۵۸] ہے۔ اس کو سمجھا لینا تو چنداں دشوار نہیں۔ رہے بچے جن کی عمر چھوٹی ہے وہ بھی اصلاح پذیر ہیں بڑی دقت بڑی عمر والوں کی ہے۔ ایک بیٹا ایک بیٹی بیاہے جا چکے تھے۔ سمجھا کہ دونوں اپنے اپنے گھر کے ہیں

---

۵۱ اپنے پیچھے یادگار نیک کام ۱۲ ۵۲ اے تمام جہانوں کے معبود ۱۲ ۵۳ ارادہ ۱۲ ۵۴ بہتری ۱۲ ۵۵ عورتوں کے پڑھانے ۱۲
۵۶ پوشیدہ ۱۲ ۵۷ شغل ۱۲ ۵۸ فہمیدہ کے معنی سمجھدار کے ہیں مراد یہ ہے کہ صرف نام ہی فہمیدہ نہ تھا بلکہ تھی بھی سمجھدار ۱۲

کسی پر میرا اختیار باقی نہیں اور ہو بھی تو جوان بیٹا جوان بیٹی، مار نہیں سکتا گھُرک نہیں سکتا، سمجھانا
اور وہ بھی اس عمر میں بڈھے طوطوں کا پڑھانا ہے۔ آخر وہ کہیں گے نہیں کہ بڑے تو، بیدین ہیں تو تم ہی نے
ہم کو ایسا اٹھایا۔ اور جب ہماری عادتیں راسخ اور خصلتیں طبیعت ہو گئیں تو اب ہم کو الٹا ترک کی تعلیم
کرتے ہو اور ہم کو ناحق ملزم بناتے ہو۔ یہ سوچنا تھا کہ نصوح کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور سمجھا کہ ان دونوں کی
اصلاح محال ہے۔ اس کو زیادہ تر افسوس اس بات کا تھا کہ خدا کے فضل سے دونوں کے آگے اولاد ہے
جس طرح میری بدی نے میری اولاد میں اثر کیا ان کی بدی اُن کی اولاد میں سرایت کرے گی۔ مگر پھر بھی
نصوح نے مصمم ارادہ کر لیا کہ انشاءاللہ اپنے مقدور بھر تو کوشش کروں گا، یا تو راہ راست ہی پر آئیں گے
یا جیتے جی چھوڑ دوں گا۔ جو خدا کا نہیں وہ میرا بھی نہیں۔ منجھلے بیٹے اور منجھلی بیٹی کی طرف سے بھی نصوح
کو خوب اطمینان نہ تھا اور جانتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی دقت کرنی پڑے گی۔ لیکن اس کا ارادہ ایسا مستحکم
تھا کہ کوئی مشکل اس کو روک نہیں سکتی تھی اور وہ مضطرب اور مستعجل اس قدر تھا کہ چاہتا تھا ہتھیلی پر سرسوں
جما لوں۔ ابھی اچھی طرح بدن میں اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہیں آئی تھی کہ اس نے بی بی سے کہا تھوڑا سا
پانی گرم کرا دو تو میں نہا لوں۔ بیوی جی۔ کیا غضب کرتے ہو۔ ہاتھ پاؤں میں ذرا دم تو آنے دو نہانے
کی ایسی کونسی ساعت ماری جاتی ہے۔ جب اصل خیر سے چلنے پھرنے لگو گے خاصی طرح حمام میں جا کر
غسل کرنا۔ میاں نہیں نماز پڑھنی چاہتا ہوں۔ علالت میں طرح طرح کی بے اختیاری ہوئی ہے جی قبول
نہیں کرتا کہ اسی حالت سے نیت باندھ لوں۔ بیوی جی کیا اچھے ہونے کے نفل مانے تھے؟ بی بی نے
جو نماز کی سنکر ایسا تعجب ظاہر کیا نصوح پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور جی میں کہنے لگا کہ اللہ اللہ مجھ میں اور نماز
میں اتنی دوری ہے کہ گھر والی بی بی سنکر تعجب کرتی ہے۔

عار دارد کفر از اسلام من
وائے برمن وائے بر انجام من

اور ایک [illegible] کھینچ کر بی بی سے کہا کہ اگر میں نفلیں پڑھنے والا ہوتا تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔ بی بی منت
نہیں، نیاز نہیں، تو پھر کیا جلدی ہے؟ نماز کہیں بھاگی نہیں جاتی اچھی طرح تندرست ہو جاؤ گے تو

[illegible] یہاں یہ معنی ہیں کہ بڑے ہو گئے ہیں ان کی اصلاح
۱ قاعدہ ہے کہ طوطے کا بچہ جو باتیں سکھاؤ سیکھ جاتا ہے اور بڑا ہو کر [illegible] ۲ [illegible] ۳ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

"بہتیری نمازیں پڑھ لینا"۔ اب نصوح وہ نصوح نہیں رہا تھا کہ بی بی کو ایسی بے تعلقی[1] کے ساتھ نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے سنتا اور اس کو ناگوار نہ ہوتا۔ غصہ تو آیا مگر پھر جی میں سمجھا کہ بی بی کا کچھ قصور نہیں۔ جس کا شوہر بے دین اس کے ایسے ہی خیالات ہونے چاہییں۔ تمام تر میری ہی خطا ہے اور ایک میری بد دینی نے سارے گھر کو تباہ کر رکھا ہے۔ بی بی سے اس وقت رد و کد کرنا مناسب نہ سمجھ کر اتنا ہی کہا کہ افسوس میری ناکارہ صحبت نے تم کو کس قدر گمراہ کر دیا کہ فرض خدا کو تم نے ایک سرسری[2] سا کام سمجھا۔ غرض بی بی کے منع کرتے کرتے نصوح نے غسل کر کے کپڑے بدل نماز پڑھی۔ آج نصوح کی یہ پہلی نماز تھی کہ اس کو داخل عبادت کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح ہاتھ باندھے ہوئے مؤدب کھڑا تھا جیسے کسی بادشاہ عالیجاہ کے روبرو کوئی خونی کھڑا ہوتا ہے۔ آنکھیں زمین میں لگی ہوئی تھیں، ہیبت سلطانی[3] اس پر ایسی چھا رہی تھی کہ نہ ہلتا تھا نہ جلتا تھا[4]۔ بس ایک بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا، عاجزی اور فروتنی[5] اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ حکم کے مطابق کھڑا تھا لیکن جھک جھک[6] جاتا اور گر گر پڑتا تھا[7]۔ غرض ایسی ایسی حرکتیں اس سے سرزد ہوتی تھیں کہ خواہ مخواہ دیکھنے والے کو رحم آئے۔ ہفتے عشرے تک علالت کا کسل[8] رہا۔ پھر تو خدا کے فضل سے نصوح بدستور توانا تندرست ہو گیا مگر بیماری کے بعد اس کی عادتیں اکثر بدل گئی تھیں۔ ہر وقت تو وہ کچھ سوچ میں رہتا تھا۔ بے ضرورت بکنا، بے تمیزی کے ساتھ ہنسنا، لایعنی باتوں میں مصروف ہونا اس نے مطلقاً چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ متانت[9]، تواضع[10]، وسعت اخلاق[11]، انکسار[12] یہ صفتیں بھی اس میں آ گئی تھیں۔ بیماری سے پہلے اس کی بد مزاجی اس درجے کی تھی کہ گھر والے اس کو ہوا[13] سمجھتے تھے۔ دروازے کے اندر اس نے قدم رکھا اور کیا چھوٹے کیا بڑے سب پر ایک سہم چڑھا۔ اگر بھولے سے کوئی چیز بے موقع پڑی رہ گئی اور اس نے دیکھ پائی سب پر ایک آفت ٹوٹ ماری۔ کھانے میں دال گل ہی تو ہے، ذرا نمک زیادہ ہو گیا، شوربا[14] نہ رہ گیا بس اسی روز جانو کہ گھر میں فاقہ ہوا۔ کتنے تو پیالے شہید ہوئے کتنی رکابیوں کا خون ہوا۔ سارے محلے میں خبر ہوئی کہ آج کھانا بگڑا۔ بچوں کو بات بات میں جھڑکی، بات بات میں گھرکی، یا اب نصوح کے سر پر شعور[15] بجا کچھ خبر نہیں۔ بلکہ فہمیدہ بچوں کو شوقی

---

[1] بے قدری ١٢ [2] آسان غیر ضروری ١٢ [3] بادشاہ کا خوف ١٢ [4] نہ ہلتا تھا نہ جلتا تھا ١٢ [5] عاجزی ١٢ [6] [illegible]
یہ نماز کا رکوع ١٢ [7] یہ نماز کا سجدہ ١٢ [8] تکان ١٢ [9] یہ مطلب کی ١٢ [10] نرمی ١٢ [11] خاکساری ١٢ [12] ہر ایک سے
خاطر داری کے ساتھ پیش آنا ١٢ [13] عاجزی ١٢ [14] ڈرنے کی چیز ١٢
[15] پھیکا ١٢ [16] مطلب یہ ہے کہ گستاخی عمل کرو ١٢

کرتے دیکھ خفا ہوتی اور کبھی کیسے ناہموار بچے ہیں، باپ کا تو یہ حال ہے اور یہ انھیں کے کان میں جاکر شور کرتے[1]
ہیں۔ ذرا ڈر نہیں دیکھو کمنی ہی کسر نکالے گی۔ شروع میں نصوح کا یہ انداز دیکھ کر گھر والوں کو بڑا کھٹکا
تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیماری سے اٹھے ہیں ضرور ہے کہ پہلے سے زیادہ نازک مزاج ہوگئے ہونگے۔ اس
بلا کا غصہ بڑھا ہے کہ کسی سے بولتے ہی نہیں۔ دیکھئے یہ قہر[2] کس پر ٹوٹتا ہے، کس کی شامت آتی ہے مگر
نصوح نے ایسا جلاب نہیں لیا تھا کہ اس نے خون میں ذرا سی گرمی بھی لگی رہنے دی ہو۔ لوگ بیماری سے
اٹھ کر چڑچڑے اور بدمزاج ہوجاتے ہیں۔ اور نصوح حلیم[3] اور بردبار[4]، نرم دل و خاکسار ہوکر اٹھا تھا
معاملات روزمرہ[5] میں اس کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ جو رکھدیا چاہے سے کھالیا، جو دیدیا خوشی سے
پہن لیا، نہ حجت نہ تکرار، نہ غل نہ غپاڑا[6]۔ نصوح کی عادت بدلی تو لوگوں کی مدارات[7] بھی اسکے ساتھ بدلی
جو پہلے ڈرتے تھے اب اسکا ادب ملحوظ رکھتے۔ جنکو وحشت و نفرت تھی اب اسکے ساتھ انس و محبت کرتے تھوڑے ہی دنوں میں
گھر شور و شغب سے پاک[8] اور لڑائی جھگڑے سے صاف ہوگیا۔ ابتداءً نصوح کو نماز وغیرہ کا اہتمام کرتے دیکھ کر گھر والوں کو اچنبھا
کیا تھا لیکن پھر تو بے کہے دوسروں پر خود بخود ایک اثر سا ہونے لگا اور نصوح اسیکا منتظر تھا کہ لوگ اس طرز جدید سے کسیقدر مانوس
اور خوگر ہولیں تو اپنا انتظام شروع کروں۔ نصوح کی جہاں اور عادتیں بدلی تھیں وہاں ایک یہ بھی تھی کہ وہ
خلوت پسند[9] ہوگیا تھا۔ تمام تمام دن اکیلا بالاخانے پر بیٹھا رہتا۔ بے بلائے اگر کوئی جاتا تو یہ بھی نہ تھا
کہ اس سے بات چیت نہ کرے۔ بعض کو خیال ہوتا تھا کہ شاید نیند بڑھ گئی ہے، کوئی یہ سمجھتا تھا کہ اترنے چڑھنے
کی توانائی نہیں آئی۔ مگر حمیدہ کو اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ کبھی نماز پڑھتے دیکھا کبھی چپ بیٹھے ہوئے۔ آخر
ایک روز پوچھا کہ اکیلے تنہا چپ چاپ بیٹھے ہوئے تمہارا جی نہیں گھبراتا؟ تھوڑی دیر کو نیچے ہی اتر
آیا کرو، بال بچوں کی باتوں میں دل بہلے۔ مجھ کو گھر کے کام دھندے سے فرصت نہیں ملتی۔ نصوح
میں تم سے اس بات کی شکایت کرنیوالا تھا کہ جب سے میں بیمار ہوکر اٹھا ہوں۔ مصرع

تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر ہوا۔

کیا تم کو میرے عادات میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا؟ حمیدہ راندن تفاوت، زمین آسمان کا فرق اور
پوچھنے کو تمہارے سر کی قسم کئی بار منھ تک بات آئی مگر تمہارا ڈھنگ دیکھ کر جرأت[10] نہ ہوئی کہ پوچھوں

---

[1] خاموش ۱۲ [2] غصہ ۱۲ [3] برداشت کرنیوالا ۱۲ [4] لفظی معنی بوجھ اٹھانے والا مراد ہے سخت بات کا سہار جانیوالا
[5] ہر روز ۱۲ [7] برتاؤ ۱۲ [6] غل غپاڑا ۱۲ [8] بل ملا ہوا ۱۲ [9] تنہائی کا پسند کرنے والا

[10] بہت اور دلیری ۱۲

نصوح۔ ڈھنگ کیسا؟ فہمیدہ۔ برا ماننے کی بات نہیں، مزاج تمہارا سدا کا تیز ہے۔ یوں ہی ہم سب لوگ تم سے ڈرتے رہتے ہیں جب سے بیمار ہو کر اٹھے ہو سب کو خوف تھا کہ ایک تو کریلا[۹۱] دوسرے نیم چڑھا پہلے ہی سے بلا کا غصہ ہے اب بیماری کے بعد کیا ٹھکانا ہے۔ ادھر تم کو دیکھا تو کسی کی طرف ملتفت[۹۲] نہ پایا سمجھے کہ ضرور طبیعت برہم اور مزاج نادرست ہے۔ پھر کس کی جرأت؟ کس کو اتنی ہمت کہ پوچھے اور دریافت کرے۔ نصوح۔ کیوں صاحب کبھی تم نے مجھ کو میرے مزاج کی خرابی پر متنبہ[۹۳] نہ کیا؟ فہمیدہ۔ تنبیہ کرنا تو درکنار بات کرنے کا تو یارا ہی[۹۴] نہ تھا۔ نصوح۔ لیکن ان دنوں تو میں کسی پر ناخوش نہیں ہوا۔ فہمیدہ۔ گھر بھر کو اس کا تعجب ہے۔ نصوح۔ آخر لوگ اس کا سبب کیا قرار دیتے ہیں۔ فہمیدہ۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ وبا میں کثرت سے لوگوں کو مرتے دیکھا، اپنے گھر میں تین موتیں ہو گئیں خود بیمار پڑے اور خدا کے گھر سے پھر کر آئے، دل میں ڈر بیٹھ گیا ہے۔ تمہارے بڑے صاحبزادے یہ تجویز کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نے جو اسہال[۹۵] بند کرنے کی دوا دی دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے بہر کیف سب کی یہی رائے ہے کہ علاج کرنا چاہیے۔ نصوح۔ نہ گرمی ہے نہ خلل دماغ ہے، خوف البتہ ہے۔ فہمیدہ۔ مرد ہو کر تم اتنا ڈر گئے۔ آخر ہم سب بھی تو اسی آفت میں تھے؟ نصوح۔ تم پر گزاس آفت میں تھیں فہمیدہ۔ یعنی یہ کہ میں نے ہیضہ نہیں کیا۔ لیکن تمہارا ہیضہ کرنا مجھ کو اپنے مرنے سے زیادہ شاق[۹۶] تھا نصوح۔ نہیں ہیضہ کرنے کی بات نہیں۔ بیماری اگرچہ ظاہر میں سخت تھی مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ شروع سے آخیر تک میرے ہوش و حواس سب درست تھے تمہاری ساری باتیں میں سنتا اور سمجھتا تھا ابتدائے علالت میں جو تم لوگوں نے ہیضہ امتلائی تجویز کیا، پھر صبح کو حکیم صاحب تشریف لائے اور میری کیفیت تم نے ان سے بیان کی، پھر ڈاکٹر آئے اور انھوں نے دوا پلائی مجھ کو سب خبر ہے جب تم لوگوں نے ڈاکٹر کے کہنے سے مجھ کو علیحدہ دالان میں لٹایا تو مجھ کو غنودگی سی آگئی اور میں نے اپنے تئیں دوسرے جہان میں دیکھا اس کے بعد نصوح نے خواب کا سارا ماجرا حرف بحرف بی بی سے بیان کیا مردوں کی نسبت عورتوں کے دل میں نرمی اور رقت[۹۷] تو زیادہ ہوتی ہی ہے جب کہ مذہبی تعلیم عورتوں میں جلد اثر کرتی ہے۔ فہمیدہ نے جو میاں کا خواب سنا اسقدر خوف اس پر طاری[۹۸] ہوا کہ قریب تھا کہ غش آجائے۔ نصوح اگرچہ تنہائی[۹۹] میں اپنے گناہوں پر تاسف[۱۰۰] کر کے ہر روز دو

۹۱ یہ کہاوت ہے کریلا اپنی ذات سے کڑوا دوسرے نیم چڑھا یعنی برا اور بھی کڑواہٹ آگئی ۱۲ ۹۲ متوجہ ۱۲ ۹۳ آگاہ ۱۲ ۹۴ محال ۱۲ ۹۵ دست ۱۲ ۹۶ ناگوار ۱۲ ۹۷ گداز ۱۲ ۹۸ چھا گیا ۱۲ ۹۹ اکیلے ۱۲ ۱۰۰ افسوس ۱۲

چار مرتبہ رو لیا کرتا تھا اور ظاہر میں نہیں بھی روتا تھا تو اندر سے اُس کا دل ہر وقت روتا رہتا تھا اب بی بی کی ہمدردی اور ہمدمی کا سہارا پا کر تو اتنا رویا اتنا رویا کہ گھگھی بندھ گئی۔ فہمیدہ پہلے ہی خوف زدہ ہو رہی تھی میاں کا رونا اُس کے حق میں اونگھتے کو ٹھیلے کا بہانہ ہوا اس نے بھی بلبلا کر رونا شروع کیا۔ پھر تو دونوں میاں بی بی ایسا روے کہ ساون بھادوں کا سماں بندھ گیا۔ آخر نصوح نے اپنے تئیں سنبھالا اور بی بی سے کہا کہ دنیا میں اگر کوئی چیز رونے کے قابل ہے تو میرے نزدیک گناہ اور خدا کی نافرمانی ہے اور بس کیوں کہ کوئی مصیبت، کوئی آفت گناہ سے بڑھ کر نہیں۔ دنیا کے نقصان پر رونا بے فائدہ دیدے کھونا ہے مگر گناہ پر رونا گویا داغ الزام کو دھونا ہے۔ رونا کفارۂ معصیت ہے۔ رونا گناہ گار کیلئے بہترین معذرت ہے۔ رونا رحمت کی دلیل اور مغفرت کا کفیل ہے۔ لیکن ہم کو اپنی آیندہ زندگی کا انتظام بھی کرنا ضرور ہے ندامت وہی سند ہے کہ افعال مابعد میں اسکا اثر ظاہر ہو۔ توبہ وہی پکی ہے کہ آدمی جو دل میں سوچے یا منھ سے کہے ویسا ہی کر دکھائے" فہمیدہ "لیکن اتنی عمر اس خرابی میں بسر کی اب نجات و مغفرت کی کیا اُمید ہو۔ میں تو جانتی ہوں کہ ہمارا مرض علاج سے درگذر گیا" نصوح "خدا کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کفر ہے۔ وہ بے نیاز بڑا غفور رحیم ہے۔ کچھ اُس کو ہماری عبادت کی پرواہ نہیں۔ اگر روئے زمین کے تمام آدمی اُس کی نافرمانی کریں تو اُس کی ابدی اور دائمی سلطنت میں ایک سر مو برابر بھی فرق نہیں آئیگا اور اسی طرح اگر تمام زمانہ فرشتہ سیرت ہو جائے اور سارے آدمی شبانہ روز مصروف عبادت ہیں تو اُس کی عظمت اور کبریائی میں ایک رائی کے دانے کی قدر بھی زیادتی اور افزونی نہ ہو گی۔ اگر خدا کو اپنی پرستش اور عبادت ہی کرانی منظور ہوتی تو وہ نافرمان گناہ گار سرکش متمرد انسان کی جگہ فرشتے پیدا کر سکتا تھا۔ یہ باتیں جو ہم پر فرض و واجب کی گئی ہیں ہماری ہی اصلاح ہماری ہی بہبود کے واسطے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اُس میں پرلے سرے کا رحم اور غایت درجے کا حلم ہے ملائکہ گناہ کرو، جہاں عجز و الحاح کیا منت و زاری سے پیش آئے بس پھر کچھ نہیں ؎

اگر چشم گیر و بکردار زشت
چو باز آمدی ماجرا در نوشت

۱ کہاوت ہے کہ اونگھتے کو ذرا جھٹکا دو تو وہ پیٹا کی نہ ہو تو لیٹ جائے ۱۲ ۲ ساون بھادوں وہ برسات کے مہینے ہیں جن میں اکثر پانی بہت برستا ہے ۱۲ ۳ جس سے گناہ چھوٹ جائیں ۱۲ ۴ ضامن ۱۲ ۵ شرمندگی ۱۲ ۶ توبہ کے بعد کے کام ۱۲ ۷ گذری ۱۲ ۸ ناامید ۱۲ ۹ جو کسی کی پرواہ نہ کرے سب کسی کا محتاج نہ ہو ۱۲ ۱۰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ۱۲ ۱۱ سدا سدا کو رہنے والی ۱۲ ۱۲ ہمیشہ ٹھہرنے والی ۱۲ ۱۳ بال برابر ۱۲ ۱۴ فرشتوں کی سی خصلت ۱۲ ۱۵ رات دن ۱۲ ۱۶ مشغول ۱۲ ۱۷ شان بڑائی ۱۲ ۱۸ دنیا درجہ ۱۲ ۱۹ خودسر ۱۲ ۲۰ بہتیری ۱۲ ۲۱ گڑگڑانا ۱۲ ۲۲ اگر کسی سے ہم کام بن نہ آئے جب بھی خدا کی طرف رجوع کرو بات کی گذری ہوئی ۱۲

وہ معبود جابر نہیں، سخت گیر نہیں، کینہ دار نہیں، مگر ہے کیا کہ غیور بڑا ہے۔ اس کی مطلق برداشت نہیں کہ کسی کو اس کا شریک خدائی گردانا جائے۔ فہمیدہ۔ کتنا ہی درگزر کیوں نہ ہو مگر اپنے گناہوں کی بھی کچھ انتہا ہے۔ ماں باپ کے جیسی اولاد کی مامتا ہوتی ہے ظاہر۔ مگر دیکھو کلیم کی حرکتوں سے میرا تمہارا دونوں کا جی آخر کھٹا ہو ہی گیا۔ کتنی برداشت، کہاں تک چشم پوشی؟ نصوح۔ خدا کی پاکیزہ اور کامل صفتوں کو آدمی کی ناقص و ناتمام عادتوں پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ تمام دنیا کے ماں باپوں کو جو اولاد کی محبت ہے وہ ایک تتمہ ہے اُس عنایت کے غایت اور لطف و شفقت بے منت کا جو خداوند کریم ہر حال میں اپنے بندوں پر فرماتا ہے۔ گناہ اور نافرمانی انسان کے خمیر میں ہے اگر بندوں کے گناہ پر اس کو نظر ہوتی تو ہر ہر متنفس کشتنی اور گردن زدنی تھا۔ دنیا کا ہے کو بستی۔ لیکن اللہ رے درگزر! گناہ بھی ہوتے ہیں اور رزق کا راتب جو سرکار سے بندھا ہے موقوف ہونا کیسا، کبھی ناغہ بھی تو نہیں ہوتا۔ سانس لینے کو ہوا تیار، پینے کو پانی موجود، آرام کرنے کو رات، کام کرنے کو دن، رہنے کو مکان، وہی چاند، وہی سورج، وہی سامان، وہی زمین، وہی آسمان، وہی برسات، وہی فواکہ و نباتات جملہ اعضا، ہاتھ پاؤں آنکھ کان، اپنی اپنی خدمت پر مستعد۔ نہ ماندگی نہ کسل۔ تکان پس جبکہ خدا ایسے ایسے گناہ اور ایسی ایسی نافرمانیوں پر بخشش سے نہیں چوکتا تو یہ بات اُس کی ذات ستودہ صفات سے بہت ہی مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ اُس کی درگاہ میں معذرت کیجائے اور نہ بخشے توبہ کیجائے اور قبول نہ کرے۔" اسیوقت میاں بی بی دونوں نے دعا کے واسطے ہاتھ پھیلا دیئے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے اور ایک دوسرے کے گناہوں کی مغفرت چاہی۔ اس کے بعد فہمیدہ تو مسرت و اطمینان کی سی باتیں کرنے لگی مگر نصوح کی افسردہ دلی بدستور باقی تھی۔ تب فہمیدہ نے پوچھا کہ جب توبہ کرنے سے گناہوں کا معاف ہو جانا یقینی ہے اور آئندہ کے واسطے ہم عہد کرتے ہیں کہ پھر ایسا نہ کریں گے تو کیا وجہ ہے کہ تم اداس ہو۔ میں دیکھتی ہوں تو تمہارے منھ پر ذرا بھی بحالی نہیں۔ نصوح۔ ایمان خوف و رجا کا نام ہے۔ توبہ کا قبول کیا جانا کچھ ہمارا استحقاق نہیں خدا ئے تعالیٰ

۱ غیرت مند ۱۲ ۲ تدبر قلیل ۱۲ ۳ بے انتہا ۱۲ ۴ بے احسان یعنی دیتا ہے اور احسان جتا کر شرمندہ نہیں کرتا ۵ سانس لینے والا مراد ہے ہر فرد بشر ۱۲ ۶ قتل کئے جانے کے قابل ۱۲ ۷ گردن مارنے کے قابل ۱۲ ۸ خدا کا معمول مقرر ۱۲ ۹ میوے ۱۲ ۱۰ پھل پھول۔ ترکاریاں ۱۲ ۱۱ جوڑ بند ۱۲ ۱۲ جس کی خوبیاں تعریف کے لائق ہیں ۱۲ ۱۳ عذر ۱۲ ۱۴ بعید از قیاس ۱۲ ۱۵ امید ۱۲

قبول کرے تو اس کی عنایت ہے اور قبول نہ کرے تو ہم کو نہ مقام گلہ ہے نہ محل شکایت ؎

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

آیندہ کے عہد پر بھی کیا بھروسا ہو سکتا ہے۔ وَ الانسان مخلوق ضعیف البنیان ہے۔ غفلت اُس کی طینت ہے اور نافرمانی اُس کی طبیعت۔ خدا ہی توفیق خیر دے تو عہد کا نباہ اور وعدے کا ایفا ممکن ہے ورنہ آدمی سے کیا ہو سکتا ہے ؎

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

اور میری افسردگی کی ایک وجہ اور ہے کہ کسی طرح اُس سے میرا قلب مطمئن نہیں ہوتا۔ فہمیدہ۔ وہ کیا؟ نصوح۔ وہ یہ ہے کہ میں تو بگڑا ہی تھا میں نے ان بچوں کو کیسا غارت کیا۔ میری دیکھا دیکھی یہ بھی گئے گزرے ہوئے۔ تم دیکھتی ہو کہ چھوٹے بڑے سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں کسی کو بھی دینداری سے مس نہیں کوئی بھی خدا پرستی کی طرف رغبت رکھتا ہے؟ اور رغبت ہو تو کہاں سے ہو نہ تو گھر میں دین و مذہب کا چرچا کہ خیر دوسروں کو دیکھ کر آدمی نصیحت پکڑے۔ نہ کوئی کہنے اور سمجھانے والا کہ نیک و بد کا امتیاز سکھا سکے بلکہ حق تو یہ ہے کہ میں ان کے ساتھ دشمنی کرتا رہا اور جانا کہ میں ان کی تباہی اور خرابی میں ہر طرح کی مدد کرتا رہا۔ افسوس ہے کہ میں نے ان کے حق میں کانٹے بوئے۔ ان کے ساتھ دشمنی کرتا رہا اور جانا کہ میں ان کی بہتری چاہتا ہوں۔ میں جو غور کرتا ہوں تو کھیل کود کی جتنی خراب عادتیں ہیں حقیقت میں ان کا بانی اور معلم میں ہوں۔ میں ہوں۔ میں نے ان کا جی بہلانے کو کھلونے اور کنکوے لے دیئے میں ان کو خوش کرنے کی نظر سے بازار ساتھ لے گیا میں نے ان کو دام دے دے کر بازاری سودوں کی چاٹ لگائی جانور پالنے ان کو میں نے سکھائے۔ میلے تماشے ان کو میں نے دکھائے۔ خوش وضعی، خوش لباسی کی لت ان کو میں نے ڈلوائی۔ میں خود عیب مجسم ایک برا نمونہ ان کے پیش نظر تھا جو جو کچھ یہ کرتے ہیں ماں کے پیٹ سے لیکر نہیں آئے۔ مجھ سے سیکھا، میری تقلید کی میں ہرگز اس نعمت کے لائق نہ تھا کہ مجھ کو بچوں کا باپ بنایا جائے میں کسی طرح اس عنایت کا شایاں نہ تھا۔ کہ مجھ کو ایک بھرے کنبے کی سرداری ملے۔ یہ

ف جس کی بنیاد کمزور ہو ۱۲ ف مٹی مراد ہے کہ غفلت اسکی جبلی خصلت ہے ۱۲ ف چھونا یعنی دینداری کسی کو چھو بھی گئی ہو ۱۲ ف یعنی ان کے حق میں کانٹوں کے ڈھیر لگائے ۱۲ ف سیدھا سادہ چھوڑ کر بہتر ہوتا اختیار کریں ۱۲ ف بنیاد ڈالنے والا ۱۲ ف سکھانیوالا ۱۲ ف سر تا پا عیب ۱۲ ف پیروی ۱۲ ف لائق اور سزاوار ۱۲

بھی میرے نصیبوں کی شامت اور اُن کی بد قسمتی تھی کہ ان کی پرداخت[۱] مجھ کو سپرد ہوئی۔ افسوس سن[۲] تمیز کو پہنچنے سے پہلے یتیم کیوں نہیں ہو گئے۔ شیر خوارگی[۳] ہی میں میرا سایہ نابود ان کے سر پر سے کیوں نہیں اُٹھا لیا گیا کہ کوئی دوسرا ان کی تربیت کا متکفل[۴] ہوتا جو اپنی خدمت کو مجھ سے بدرجہا بہتر[۵] انجام دیتا۔ غضب ہے کہ اشراف[۶] کے بچے کہلائیں اور پاجیوں کی سی عادتیں رکھیں۔ مجھ کو ان کی شکل زہر معلوم ہوتی ہے۔ صورت سیرت ظاہر باطن ایک سے ایک خراب، ایک سے ایک بدتر۔ ایک نابکار کو دیکھو کہ وہ ماش کے آٹے کی طرح ہر وقت اینٹھا ہی رہتا ہے۔ کبھی سینے پر نظر ہے، کبھی بازوؤں پر نگاہ ہے۔ آدم زاد ہو کر لقا[۷] کبوتر کا پٹھا بنا پھرتا ہے اتنا اکڑتا ہے اتنا اکڑتا ہے کہ گردن گدی میں جا لگی ہے۔ کپڑے ایسے چست کہ گویا بدن پر سیئے گئے ہیں۔ چھاتی پر انگرکھے کے بند ہیں، گھٹنوں تک پائجامے کی چوڑیاں پڑی ہیں۔ ایک ٹوپی برابر ٹوپی ہے کہ خود بخود گری پڑتی ہے۔ دوسرا ناہنجار[۸] صبح اُٹھا اور کبوتر کھول باپ دادا کا نام اچھالنے کو کوٹھے پر چڑھا۔ پہر سوا پہر دن چڑھے تک کوٹھے پر دھما چوکڑی مچائی۔ مارے باندھے مدرسے گیا، عصر کے بعد سے پھر کوٹھا ہے اور کنکوا ہے۔ شام ہوئی اور شطرنج بچھا۔ اتوار کو مدرسے سے چھٹی ملی تو بٹیریں لڑائیں۔ تیسرے نالائق بڑے میاں[۹] سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ محلہ نالاں، ہمسائے عاجز، اس کو مارا، اس کو چھیڑا، چاروں طرف سے ایک تراہ تراہ مچ رہی ہے۔ غرض کچھ اس طرح بے تر سے بچے ہیں ناہموار، آوارہ، بے ادب، بے تمیز، بے حیا، بے غیرت، بے ہنر، بد مزاج، بد زبان، بد وضع، کہ چند روز سے دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اُترتا ہے۔ ان حرکات و سکنات، نشست برخاست کوئی بھی تو بھلے مانسوں کی سی نہیں۔ گالی دینے میں ان کو باک[۱۰] نہیں، فحش[۱۱] بکتے ہیں، ان کو تامل نہیں۔ قسم ان کا تکیہ کلام[۱۲] ہے۔ نہ زبان کو روک ہے نہ منہ کو لگام ہے۔ ان کی چال ہی عجیب طرح کی اکھڑی اکھڑی ہے کہ بے تہذیبی[۱۳] ان کی رفتار سے ظاہر ہے نہیں لڑکیاں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان میں اس طرح کے عیوب نہ ہوں گے جو لڑکوں میں ہیں لیکن ساتھ ہی مجھ کو اس کا بھی یقین ہے کہ مہذبانہ زندگی تو کسی کی بھی نہیں۔ ان کو بھی اکثر گڑیوں میں مصروف پاتا ہوں یا کنبے میں کوئی تقریب[۱۴] ہونے والی ہوتی ہے تو کپڑوں کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ لڑکے گالیاں بہت بکتے ہیں تو لڑکیاں کوسنے کثرت سے دیا کرتی ہیں۔ قسم کھانے میں جیسے وہ بیباک ویسی ہی

---

۱ پرورش ۱۲ ۲ عمر ۱۲ ۳ دودھ پینے کی حالت ۱۲ ۴ سرپرستی تعلیم ۱۲ ۵ ذمہ دار ۱۲ ۶ لاف گپی ۱۲ ۷ ایک قسم کا کبوتر ہے جس کی گردن پیچھے کو مڑی رہتی ہے ۱۲ ۸ نابکار ۱۲ ۹ یہ کہاوت ہے ۱۲ ۱۰ خوف ۱۲ ۱۱ لچی بات ۱۲ ۱۲ جو الفاظ بے قصد ہر بات کے بعد منہ سے نکلیں جیسے کیا نام ہے جو ہو سو ۱۲ ۱۳ ناشائستگی ۱۲ ۱۴ شادی بیاہ وغیرہ ۱۲

بے دھڑک ہیں۔ پھر کیف کیا لڑکے کیا لڑکیاں میرے نزدیک تو دونوں کچھ ایک ہی طرح کے ہیں۔ ان سب کی یہ تباہ حالت دیکھ کر میں زہر کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہوں مگر پھر دیکھتا ہوں تو ان کا کچھ بھی قصور نہیں خطا اگر ہے تو میری ہے اور تمھاری۔ ان کے عیوب پر جھڑکنا اور ملامت کرنا کیسا ہم نے کبھی ان کو روکا ٹوکا تک بھی نہیں۔" فہمیدہ: "تم تو باہر کے اٹھنے بیٹھنے والے ٹھیرے، اس میں تو میرا ہی سراسر قصور ہے۔ بچے ابتداء میں ماؤں ہی سے زیادہ مانوس[۱] ہوتے اور ماؤں ہی کی خو بو پکڑتے ہیں۔ بلکہ تم جب کبھی ان کو نصیحت کرتے اور کسی بات پر گھرکتے تو میں الٹی ان کی حمایت لیتی تھی۔ ان سب کو میں نے خراب کیا اور اس کا الزام بالکل میری گردن پر ہے۔" نصوح: "بیشک تم نے بھی ان کی اصلاح میں کوشش نہیں کی لیکن پھر بھی میں باپ تھا تم سے ان کی پرورش متعلق تھی اور مجھ سے ان کی اصلاح و تہذیب۔" فہمیدہ: "ہاں میں نے ان کے بدنوں کو پالا اور ان کی روحوں کو تباہ اور ہلاک کیا۔ میری ہی بیہودہ محبت نے ان کی عادتیں بگاڑیں۔ میرے ہی نامعقول لاڈ پیار نے ان کے مزاجوں کو گندہ، ان کی طبیعتوں کو بے قابو بنایا۔" نصوح: "لیکن اگر میں اپنے کام پر آمادہ اور سرگرم ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ میں کہوں اور نہ سنیں، میں چاہوں اور نہ کریں۔ آخر میں ان کا بھلا تھا۔ میں ان پر ہر طرح کی قدرت رکھتا تھا اور نہ صرف ان پر بلکہ سارے گھر پر۔" فہمیدہ: "پھر بھی جس قدر ان کی برائیاں مجھ پر ظاہر ہوتی رہتی تھیں ان کا شاید دسواں حصہ بھی تم پر منکشف[۲] نہ ہوتا ہوگا۔ جان بوجھ کر میری عقل پر پردہ پڑ گیا، دیکھتے بھالتے میں اندھی بنی رہتی۔ اب جو خرابیاں ان کی میں جانتی ہوں تم کو معلوم نہیں۔ دیکھو لڑکیاں ہی ہیں کہ تم گڑیاں کھیلنے اور کپڑوں کا اہتمام کرنے کے سوائے ان کے کمالات سے محض بے خبر ہو۔ میں جانتی ہوں کہ ان کے مزاجوں میں کیا کیا خرابیاں ہیں، ان کی عادتوں میں کیسے کیسے بگاڑ ہیں۔" نصوح: "پھر آخر کیا کرنا ہوگا۔" فہمیدہ: "میرے گمان میں ان بچوں کی اصلاح تو اب ہمارے امکان سے خارج ہے۔" نصوح: "البتہ ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ہونے میں بھی کچھ شک نہیں۔" فہمیدہ: "دشوار تم ہی کہو آسمان میں تھگلی[۳] کا لگانا ممکن ہو اور ان کی اصلاح ممکن نہیں۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے مگر یہ درست ہونے والے نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کلیم ایک ایک بات کے سو سو جواب دینے کو موجود ہے، اور ایک کلیم ہی پر کیا الزام ہے، جتنے بڑے وتنے کڑے جتنے چھوٹے وتنے کھوٹے۔" نصوح: "تو کیا ان کو اسی گمراہی میں رہنے دیں کہ اور بدتر ہوں، ان کو

۱ ہلے ہوئے ۱۲ ۲ ظاہر ۱۲ ۳ پیوند ۱۲

باختیار خود چھوڑ دیں کہ پیٹ بھر کر خراب ہوں۔" فہمیدہ: "بڑے لوٹوں کا پڑھانا کچی لکڑی کا جھکانا تم سے ہو سکے تو لے اللہم۔ کیا خدانخواستہ میں مانع اور مزاحم ہوں؟ مگر میں ایسی ان ہونی کا بیڑا نہیں اٹھاتی۔ ایاز قدر خود بشناس۔ میں خود جانتی ہوں کہ بیٹیوں کی نظروں میں میرا کتنا وقر ہے۔ بیٹیاں کتنا میرا ادب لحاظ کرتی ہیں۔ رشتے میں ماں ضرور ہوں مگر اقتدار سے مجبور ہوں۔ کوئی میرے بس کا نہیں۔" نصوح: "لیکن تم خود کہتی تھیں کہ بچوں کی اصلاح تم پر فرض تھی اور جب تک مادری و فرزندی کا تعلق باقی ہے وہ فرض تمہاری گردن پر لدا ہے۔ میں نے ایک دن بڑے سویرے نہیں معلوم کسی بچے کو چاہا کہ باہر حکیم کو لیجا کر دکھا دوں۔ تم اسوقت اس کا منہ دھلانے کو اٹھیں۔ میں جلدی کرتا تھا اور تم کہتی تھیں کہ ذرا صبر کرو منہ دھلا دوں کرتہ بدلوا دوں اس حالت سے لیجاؤ گے تو حکیم صاحب کیا کہیں گے کہ گھر والی کیسی پھوہڑ ہے کہ بچوں کو ایسا ناصاف رکھتی ہے۔ بیشک وہ بات تمہاری بہت معقول تھی لیکن جب تمہارے بچے گندی روح اور ناپاک دل لیکر خدا کے حضور میں جائیں گے تو کیا تم پھوہڑ نہیں بنوگی؟ وہاں یہ معذوری اور مجبوری کچھ نہیں سنی جائے گی۔ علاوہ اس کے کیوں کر تمہاری محبت اقتضا کرتی ہے کہ تم اپنے فرزندوں کو مبتلائے مصیبت دیکھو اور ان کو اس مصیبت سے نکلنے کی کچھ تدبیر نہ کرو۔ اس واسطے کہ وہ مصیبت ان پر بہت دنوں سے ہے اور میرے تمہارے سب کے سب کیا مدت کے بیمار کو دوا نہیں دیتے؟ پرانے ناسور کا علاج نہیں کرتے؟ اولاد کی اصلاح ماں باپ پر فرض ہے۔ اگر اس فرض کو ہم نے غفلت اور بیوقوفی سے ابتک ادا نہیں کیا تو کیا ضرور ہے کہ آیندہ بھی معصیت ترک فرض میں گرفتار رہیں۔" فہمیدہ: "مجھ کو انکار نہیں مگر نہیں۔ نہ میں یہ کہتی ہوں کہ بچوں کی اصلاح ہم پر فرض نہ تھی یا اب نہیں ہے۔ بلکہ مجھ کو ان کی اصلاح سے یاس کلی ہے اور میں جانتی ہوں کہ ان کی اصلاح و تہذیب اور تادیب و تعلیم میں کوشش فضول ہے اور سعی عبث اور تدبیر بے سود اور محنت رائگاں۔ بھلا کہیں ٹھنڈے لوہے بھی پیٹنے سے ڈھیلے پڑے ہیں؟"

نصوح: "لیکن ہم پر اسقدر لازم ہے کہ کوشش کریں اور نتیجے کا مترتب ہونا اثر کا پیدا کر دینا ہمارا کام نہیں وہ خدا کے اختیار میں ہے۔ اور کون جانے کہ خدا چاہے اسی سعی میں برکت دے ہماری تدبیریں با تاثیر اور درست ہو جائیں تو کیا تم کو مسرت نہ ہوگی؟ کوشش میں ناکام رہنا اور مطلقاً کوشش نہ کرنا ان دو باتوں میں

۱؎ اٹکانے والے ۱۲ ۲؎ جو نہیں ہو سکتی یہ محاورہ ہے ۱۲ ۳؎ محمود غزنوی کا غلام تھا اس کے بہت منہ لگا ہوا تھا اپنی ذات کو نہیں بھولا۔ اسکا مقولہ ہے کہ اے ایاز اپنی قدر کو نگاہ رکھ ۱۲ ۴؎ عزت جو شروع سے پڑ گیا ہے ۱۲ ۵؎ خدا کی فرض کی ہوئی باتوں کو چھوڑ بیٹھنے کا گناہ ۱۲ ۶؎ بہر اس سے بھاگتی بچتی نہیں ۱۲ ۷؎ بالکل نا امیدی ۱۲ ۸؎ فائدہ ہے ۱۲

زمین آسمان کا فرق ہو۔ انجام دونوں کا ایک ہو مگر کوشش کرنا ہمارے لیے ایک وجہ براءت[1] ہو۔" فہمیدہ "اس بات کا فیصلہ میرے اور تمھارے درمیان میں ہونا ممکن نہیں اس واسطے کہ میری حالت اور ہے اور تمھاری حالت اور۔ اول تو بچوں پر تمھارا رعب داب ہے، تم سے پھر بھی ڈرتے ہیں، میرے ساتھ تو سب کے سب اس قدر گستاخ ہیں کہ بیٹیاں تو خیر مجھ کو برابر کی سہیلی ہی سمجھتی ہیں بیٹے تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کون بڑا ہے۔ اور کیا کہتی ہو۔ دوسرے تم کو اپنے بچوں کی یہ کیفیت خوبی معلوم نہیں اور میں ان کے رگ ریشے سے واقف ہوں۔" نصوح "یہ سب سچ ہے لیکن تمھاری باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اب ان کی اصلاح بڑا مشکل کام ہے۔" فہمیدہ "پھر تم نے بات کو بدلا۔ میں نے اپنے منہ سے مشکل ہرگز نہیں کہا۔ میں شروع سے ناممکن اور محال ہی کہے جاتی ہوں۔" نصوح "بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی دیر سے میں تمھارے ساتھ بک رہا ہوں اور تم نہیں سمجھتیں۔ کیوں صاحب ناممکن اور محال کیوں ہے؟" فہمیدہ "اگر تم کہو میں تمھاری خاطر سے مان لوں لیکن چونکہ تم میری رائے پوچھتے ہو تو میں بیشک ناممکن اور محال ہی سمجھتی ہوں اور وجہ یہ کہ ان کی عادتیں راسخ[2] ہوتے ہوتے طبیعت ہو گئی ہے۔ برابر کے بیٹے برابر کی بیٹیاں، مار ہم سکتے نہیں، گھرک ہم سکتے نہیں، جبر[3] ہم نہیں کر سکتے، بھلا پھر ان عادتوں کو جن کے وہ مدتوں سے خوگر ہو رہے ہیں کیوں کر چھڑا دیں گے؟" نصوح "تو تمھارا مطلب یہ ہے کہ کوئی تدبیر کارگر سمجھ میں نہیں آتی اور جو سمجھ میں آتی ہے وہ کارگر نہیں معلوم ہوتی۔" فہمیدہ "وہ ایک ہی بات ہے۔" نصوح "اس سے مجھ کو بھی انکار نہیں کہ معمولی تدبیریں اب محض بے سود ہیں، مادہ سخت ہے تو جلاب بھی کوئی بڑا ہی کڑا دینا ہوگا۔ جو کام پہلے ایک بات سے نکلتا اب جوتی لات سے بھی نکلنے کی امید نہیں۔" فہمیدہ "لیکن اگر بچوں کے ساتھ تم اس طرح کی سختی برتو گے تو تمام دنیا تھڑی تھڑی[4] کرے گی اور سختی سے بچوں کے دلوں میں بھی دونی ضد اور نفرت پیدا ہوگی۔" نصوح "اگر میں یہ سمجھوں کہ میں اپنے ذمہ کا ایک فرض ادا کرتا ہوں تو دنیا کے کہنے کی انشاء اللہ مجھ کو مطلق پروا نہ ہوگی۔ لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں سو کہیں لیکن سختی خود میرے نزدیک بھی نامناسب ہے، اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ بڑے لڑکے کسی طرح سختی کی برداشت نہیں کر سکتے اور اگر ان کے ساتھ خشونت[5] اور درشتی سے پیش آؤں گا تو بالکل الٹا اثر ہوگا۔ اور جب کہ میں

---

[1] بری الذمہ ہو جانے گا ۱۲ [2] جمی ہوئی پکی ۱۲ [3] زبردستی ۱۲ [4] یعنی تمھارے ظلم میں شہرہ کرے گی ۱۲ [5] دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی سختی ۱۲

خود اُن کی خرابی کا باعث ہوا ہوں تو سختی کا میں سزاوار ہوں نہ وہ۔" فہمیدہ: "بھلا پھر سختی کرو گے؟ نہیں اور نرمی سے کام نکلتا نہیں۔ اسی نرمی نے تو ان کو اس ہدڑتے[۵۱] تک پہنچایا۔ تو آخر یہی بات ہوئی کہ ہوتا ہوتا کچھ نہیں ناحق کا دردِ سر ہے۔" نصوح: "میں اس شعر پر عمل کروں گا؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است[۵۲] — چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کے محل پر سختی۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ انشاء اللہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوں گا۔ آخر آدمی کے بچے ہیں بات تو سمجھتے ہیں عقل رکھتے ہیں جب اُن ہی کے فائدے کی بات ہیں اُن سے کہوں گا تو کب تک نہیں سمجھیں گے۔ اور سختی تو بس اسی قدر میں عمل میں لاؤں گا کہ یہ بات بخوبی اُن کے ذہن نشین کر دوں گا کہ جو جیسا کرے گا میں اُس کا اور وہ میرا شریکِ رنج و راحت[۵۳] نہیں یہی کہوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ یہی کر دکھاؤں گا۔ مگر بے تمھاری مدد کے یہ ارادہ پورا نہیں ہو سکتا۔" فہمیدہ: "میں دل و جان سے مدد کرنے کو موجود ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم ان ہی کی بہتری کے واسطے کہتے اور کرتے ہو اپنی اولاد کا فائدہ ہوتے سہاتے اگر میں کوتاہی کروں تو ماں کا ہے کو ہوئی کوئی ڈائن[۵۴] ہوئی۔" نصوح: "تم میرے شریکِ حال ہو تو مجھ کو ہر طرح کی تقویت[۵۵] ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بچے بات بات میں تمھارا آسرا، تمھارا سہارا پکڑتے ہیں ہو میری بی بی مگر معاملاتِ خانہ داری میں میرے کل فیصلوں کی اپیل تمھارے یہاں ہوتی ہے۔ میں تم کو الزام نہیں دیتا اس واسطے کہ تم سے زیادہ میں خود ملزم ہوں لیکن بچوں میں سے جس کو تم نے زیادہ پیار کیا وہی زیادہ خوار ہوا۔ ہر چند میں نے کوشش کی کسی امرِ دینی کے واسطے نہیں بلکہ معمولی پڑھنے لکھنے کے واسطے مگر جب تک تمھاری تائید[۵۶] نہیں ہوئی ایک نہیں چلی۔" فہمیدہ: "لیکن اب وہ کیفیت نہیں ہے۔ جب تک چھوٹے تھے مجھ کو ماں سمجھتے تھے اور میں اُن کی فریاد لیتی تھی، حمایت کرتی تھی۔ اب ہر ایک اپنے دل کا بادشاہ ہے لڑکوں سے تو کچھ تعلق نہیں رہا۔ ہفتوں بات چیت کرنے کا اتفاق بھی نہیں ہوتا۔ پکارتی رہ جاتی ہوں منہ پھیر کر بھی نہیں دیکھتے۔ لڑکیاں البتہ کہاں جائیں اور کس کے پاس جائیں، گھر ہی میں گھُٹی کھیلا کرتی ہیں ہیں گھر کے کام دھندے میں لگی رہتی ہوں لیکن پھر بھی جہاں تک تمھارے نیک ارادے ہیں خدا اُس کو پورا کرے مجھ سے جو مدد مل سکتی ہے تم دیکھ لینا انشاء اللہ اپنے مقدور بھر اٹھا نہ رکھوں گی۔" نصوح: "بھلا چھوٹے

---

۵۱ حال۔ یہ لفظ خاص عورتوں کی بول چال میں آتا ہے ۱۲ ۵۲ سختی اور نرمی دونوں کو ملا کر کام لینا اچھا ہوتا ہے۔ جیسے جراح کہ فصد بھی کھولتا اور مرہم پٹی بھی کرتا ہے تو لوگوں کو اُس سے فائدہ پہنچتا ہے ۱۲ ۵۳ تکلیف آرام ۱۲ ۵۴ بلا، چڑیل۔ اپنے بچوں کو آپ کھا جاتی ہے ۱۲ ۵۵ مضبوطی۔ ڈھارس ۱۲ ۵۶ مدد ۱۲

چھوٹے بچوں کو تو سنبھال لو گی؟" فہمیدہ "ان کا درست کر لینا کیا مشکل ہے۔ یہ تو موم کی ناک ہیں، جدھر کو پھیر دو پھر گئے۔ بلکہ شاید ان کو منہ سے کہنے کی ضرورت نہ ہو۔ بچوں کا قاعدہ ہے کہ جیسا بڑوں کو کرتے دیکھتے ہیں خواہ مخواہ اس کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی حمیدہ نے مجھ کو رلا رلا دیا ہے کیا تو اس کی چھ برس کی بساط[۱] مگر ماشاء اللہ[۲] میرے منہ میں خاک[۳] منہ سے اتار کر بڑے بوڑھوں کی سی باتیں کرتی ہے۔" نصوح "کیا ہوا تھا؟"

فہمیدہ اور منجھلی بیٹی حمیدہ کی گفتگو

فہمیدہ "تم کو جواب چند روز سے نماز پڑھتے دیکھتی ہے تو پرسوں مجھ سے پوچھنے لگی کہ اماں جان دن میں کئی مرتبہ ابا جان ہاتھ منہ دھو کر یہ کیا کیا کرتے ہیں؟ پہلے دیر تک بڑے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں چپکے چپکے کچھ باتیں کرتے جاتے ہیں۔ پھر جھکتے ہیں پھر منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔" میں "بیٹی نماز پڑھتے ہیں۔" حمیدہ "اماں جان نماز کیا؟" نماز کو اس استعجاب[۴] کے ساتھ پوچھا یہ پہلی چٹکی تھی کہ اس نے میرے دل میں لی۔ میں "بیٹیا! خدا کی عبادت کو نماز کہتے ہیں۔" حمیدہ "اماں جان۔ خدا کیا چیز ہے اور عبادت اس کی کون ہے؟" اس کا بھولے پن سے یہ پوچھنا تھا کہ خدا کیا چیز ہے اور عبادت اس کی کون ہے کہ میرے بدن کے رونگٹے[۵] کھڑے ہو گئے۔ میں "کیوں؟ کیا تم خدا کو نہیں جانتیں؟" حمیدہ "میں سب لوگوں کو خدا کی قسم کھاتے تو سنتی ہوں۔ اور جب کبھی اماں جان تم مجھ پر یا اور کسی پر خفا ہوتی ہو تو کہتی ہو خدا کی مار، اور مجھ سے خدا سمجھے، شاید خدا ہوا[۶] کو کہتے ہیں۔ مگر ہوا ہوتی تو اس کی قسم نہ کھاتے۔" میں "حمیدہ توبہ کرو توبہ خدا ہوا نہیں خداوہ ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے وہی روٹی دیتا ہے وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے، وہی پالتا ہے۔" حمیدہ "کیا اماں جان تم کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔" میں "ہاں مجھ کو بھی۔" حمیدہ "اور ابا جان کو بھی؟" میں "ہاں تمہارے ابا جان کو بھی۔" حمیدہ "اور نتی بوا کو بھی؟" میں "ہاں نتی بوا کو بھی۔" حمیدہ "اماں جان کیا ہر روز ہمارے گھر میں کھانا نہیں پکتا؟" میں "کیوں نہیں پکتا۔" حمیدہ "پھر تم تو کہتی ہو کہ خدا سب کو کھانے کو دیتا ہے۔" میں "اللہ میاں پانی برساتے ہیں۔ اللہ میاں غلے میوے اور ترکاریاں ہم لوگوں کے واسطے زمین میں اگاتے ہیں۔ وہی ہم سب لوگ کھاتے ہیں۔" حمیدہ "نتی بوا کو تو اماں جان تم دودھ پلاتی ہو۔" میں "دودھ بھی

۱؎ عمر سے مراد ہے ۱۲ ۲؎ جو خدا اچھا ہے نظر بد سے بچنے کیلئے ماشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں ۱۲ ۳؎ یہ بھی ماشاء اللہ کیطرح نظر بد سے بچنے کا ٹوٹکا سمجھو ۱۲ ۴؎ تعجب ۱۲ ۵؎ ڈر کے مارے ۱۲ ۶؎ جس چیز سے بچوں کو ڈراتے ہیں اسکو ہوا کہتے ہیں ۱۲

اللہ میاں اُتارتے ہیں۔ تمھاری ہی دفعہ اسی دودھ کے پیچھے برسوں مصیبت اُٹھائی۔ چھٹی[1] تک اناڑوں[2]
دودھ تھا۔ چھٹی نہا کر اُٹھی کہ یکایک جاڑا چڑھا۔ بخار آیا تو کس شدت کا کہ الاماں[3]۔ تمام بدن سے آنچ نکلتی تھی
وہ پہر بھر کا بخار آتا اور دودھ کا تاؤ[4] کھا جانا۔ پھر بہتیری سیتل پھانکی، زیرہ پیا، حکیم کا علاج کیا،
تمھارے دادا جان خدا جنت نصیب کرے ہر روز صبح کو طشتری[5] لکھ دیا کرتے تھے۔ مگر دودھ کچھ ایسی
گھڑی کا سوکھا تھا کہ پھر نہ اُترا پر نہ اُترا۔ جب دیکھا کہ بچی بھوک کے مارے پھڑکی چلی جاتی ہے ناچار انا رکھی
اور وہ عذاب اُٹھائے کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ خدا نے زندگی بخشی تھی کہ تم پل گئیں۔ حمیدہ: تو اللہ
میاں بڑے اچھے ہیں۔ ہم سب کو کھانے کو دیتے ہیں۔ ہماری ننھی بوا کے واسطے دودھ اُتارتے ہیں لیکن
اماجان اللہ میاں سے ہمارا کچھ رشتہ ناطہ ہے کہ اتنے سلوک کرتے ہیں۔ ماں: رشتہ ناطہ یہ کہ ہم اُن کے
بندے ہیں۔ مرد اُن کے غلام ہیں، عورتیں اُن کی لونڈیاں ہیں۔ حمیدہ: لونڈی غلاموں کے ساتھ تو اتنا
سلوک کہ کوئی اپنے بچوں کے ساتھ بھی نہیں کرتا! لیکن لونڈی غلام تو اپنے مالک کی خدمت کرتے ہیں
ٹہل کرتے ہیں۔ ہم اللہ میاں کا کون سا کام کرتے ہیں؟ ماں: یہی نماز جو تم نے اپنے باپ
کو پڑھتے دیکھی اور جس کو عبادت کہتے ہیں۔ حمیدہ: ہاں اب میں سمجھی کہ نماز اللہ میاں کا کام ہے تو سبھی
کو نماز پڑھنی چاہیے؟ کیونکہ لونڈی غلام سب ہیں۔ اللہ میاں کی دی ہوئی روٹی سب کھاتے ہیں۔ ماں:
بیشک خدا کی عبادت سب پر فرض ہے۔ حمیدہ: اماجان تم تو نماز نہیں پڑھتیں۔ کیا تم اللہ میاں کی لونڈی
نہیں ہو اور کیا تم اُس کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتیں؟ حمیدہ نے جو سادہ دلی اور بھولے پن سے یہ الزام
دیا مجھ کو اس قدر شرم آئی کہ زمین پھٹ گئی ہوتی تو میں سما جاتی۔ میں: میں لونڈی بیشک ہوں اور
خدا ہی کی دی ہوئی روٹی کھاتی ہوں لیکن کیا بعضی لونڈیاں نکمی اور کام چور اور نمک حرام اور بے غیرت
نہیں ہوتیں۔ ویسی ہی اللہ میاں کی ایک لونڈی میں ہوں۔ حمیدہ: ابا جان بھی تو اب بیماری سے اُٹھ کر
نماز پڑھنے لگے ہیں۔ کیا اس سے پہلے وہ خدا کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتے تھے؟ یہ سن کر نصوح کی
آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ ماں: وہ بھی بُرا کرتے تھے۔ حمیدہ: اچھی اماں جان۔ اللہ میاں
خفا ہوں گے؟ ماں: خفا ہونے کی تو بات ہی ہے۔ حمیدہ: ایسا نہ ہو روٹی بند کر دیں۔ تو پھر ہم کہاں سے

---

۱ بچے کے پیدا ہونے کے چھٹے دن زچہ غسل کرتی، بچے کا مونڈن ہوتا، اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ اس شادی کو چھٹی کہتے ہیں ۱۲ ۲ ڈھیروں ۱۲ ۳ خدا اپنی پناہ میں رکھے اور آگے کو امن دے ۱۲ ۴ حد سے زیادہ گرم ہو جانا ۱۲ ۵ چینی کی طشتری پر قرآن کی آیتیں اور دعائیں لکھ کر طشتری کو دھو کے پی لینے سے دودھ بڑھتا ہے ۱۲

کھائیں گے۔ اور اگر ننی بوا کا دودھ سوکھ جائے گا تو ہماری ننی روئے گی۔ یہ کہکر حمیدہ رونے لگی میں
نے اٹھاکر گلے سے لگالیا اور پیار کیا لیکن جسقدر میں اُس کو تسلی دیتی تھی وہ اور دونی روتی تھی۔ مجھ
سے بھی ضبط نہ ہوسکا اور مجھ کو روتے دیکھ کر وہ اور بھی بیتاب ہوگئی۔ آخر بڑی بڑی مشکلوں سے
میں نے اُس کو سنبھالا اور کہا کہ حمیدہ تم ڈرو مت اللہ میاں کا یہ دستور نہیں ہے کہ جو لونڈی غلام
کام نہ کریں اُن کا کھانا بند کردیں۔ حمیدہ۔ سچ؟ میں۔ ہاں ہاں تم گھبراؤ مت۔ حمیدہ۔ اچھی اماں
جان ننی کو پلا کر دیکھو دودھ ہے یا نہیں۔ میں۔ بیٹی۔ ننی کو سونے دو اور دودھ سے اطمینان رکھو
دودھ خدا کا دیا ہوا بہت۔ حمیدہ۔ ہمارے گھر میں تو لونڈی غلام نہیں نوکر چاکر ہیں۔ مگر کام نہیں کرتے
تو تنخواہ کاٹ لیجاتی ہو۔ ابا جان جرمانہ کردیا کرتے ہیں۔ گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اللہ میاں اپنے لونڈی
غلاموں پر بھی خفا نہیں ہوتے تو ان کا کام تو اور بھی جی لگا کر کرنا چاہیئے۔ کیا کام نہ کرنا اور کھانا بے
غیرتی نہیں ہو؟ میں بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حمیدہ اماجان میں نے تو آج تک نماز نہیں پڑھی اور
نہ مجھ کو پڑھنی آتی ہو۔ اور تم تو دن رات میں دو ہی مرتبہ کھانا کھاتی ہو۔ میں نہیں معلوم کتنی دفعہ کھاتی
ہوں۔ مجھ پر اللہ میاں ضرور خفا ہوئے ہوں گے، یہ کہکر پھر حمیدہ روئی اور ڈر کے مارے دوڑ کر مجھ سے
لپٹ گئی اور پھر میں نے سمجھایا کہ حمیدہ ڈرو مت اللہ میاں تم سے ناخوش نہیں ہیں۔ ابھی تم بچی ہو تم کو
نماز معاف ہو۔ حمیدہ، کھانا تو مجھ کو بھی سب کے برابر بلکہ سب سے اچھا اور زیادہ ملتا ہے۔ میں۔ ہاں ملتا ہے
اور یہ بھی خدا کی مہربانی ہے کہ تم کو کام معاف کر رکھا ہے۔ حمیدہ۔ پھر اللہ میاں مجھ کو کیوں کھانا دیتے ہیں
میں۔ اسواسطے کہ جب بڑی ہو جاؤ تو اس کے بدلے کا بہت سا کام کرو۔ حمیدہ۔ لیکن کیا اب میں کام
نہیں کرسکتی؟ دیکھو تم کو پان بنا دیتی ہوں، ابا جان کو پانی پلا دیا کرتی ہوں، ننی بوا کو بہلا لیتی ہوں۔ کیوں
اماں جان کرتی ہوں نا؟ میں۔ ہاں بوا تم تو میرے بہت کام کرتی ہو، پنکھا جھل دیتی ہو، دھاگہ بٹ دیتی ہو
سوئی میں دھاگہ پرو دیتی ہو، جو چیز مجھ کو درکار ہوتی ہے لے آتی ہو۔ حمیدہ تو کیا میں اللہ میاں کا
کوئی چھوٹا سا کام بھی نہیں کرسکتی، کیا نماز پڑھنا بڑا مشکل کام ہے؟ میں تو دیکھتی ہوں ابا جان ہاتھ منہ دھو
ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ کیا اتنا مجھ سے نہیں ہوسکتا؟ میں۔ اس کے سوائے کچھ پڑھنا بھی ہوتا ہے
جس کو تم کہتی تھیں کہ چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے ہیں۔ حمیدہ۔ وہ کیا باتیں ہیں۔ میں خدا کی تعریف
اور اُس کے احسانوں کا شکریہ۔ اپنے گناہوں کا اقرار اور ان کی معافی کی درخواست۔ اس کے رحم کی

تمنا اس کے فضل کی آرزو بس یہی نماز ہے۔ حمیدہ: یہ سب باتیں کس طرح کہتے ہیں، نا جیسے ہم لوگ
آپس میں گفتگو کرتے ہیں؟ میں: اور کیا۔ حمیدہ: مگر ابا جان تو کچھ اور ہی طرح کی بولی بولنے لگتے ہیں
میں: وہ عربی زبان ہے۔ حمیدہ: وہ تو میری سمجھ میں نہیں آتی اماں جان تم جانتی ہو؟ میں: نہیں
میں بھی نہیں جانتی۔ حمیدہ: تو کیا خدا سے عربی ہی زبان میں باتیں کرنی ہوتی ہیں؟ میں: وہ سبھی وہ سب کی
بولی سمجھتا ہے بلکہ وہ دلوں ارادوں اور طبیعتوں کے منصوبوں سے واقف ہے۔ حمیدہ: یہ کیوں کر؟ میں: اس واسطے کہ وہ
ہر وقت ہر جگہ موجود ہے کوئی چیز کوئی بات اس سے مخفی[1] نہیں۔ سب کو دیکھتا ہے سب کی سنتا ہے۔ اگلے پچھلے کل حالات
اس کو معلوم ہیں۔ حمیدہ: (گھبرا کر) اللہ میاں یہاں ہمارے گھر میں بھی بیٹھے ہیں؟ میں: گھر میں کیا ہمارے پاس بیٹھے ہیں مگر ہم
ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ سن کر حمیدہ نے جلدی اوڑھنی اوڑھ لی اور سنبھل کر مودب[2] ہو بیٹھی اور مجھ سے بھی آہستہ سے کہا اماں جان سر ڈھک لو۔
اس کے بعد حمیدہ پر کچھ ایسی ہیبت[3] غالب آئی کہ میری گود میں تھوڑی دیر تک چپ چاپ ہی آخر آنکھ لگی سو گئی میری ٹانگیں سن ہونے لگیں
تو میں آہستہ سے چارپائی پر لٹا کر بیدارا[4] کو پاس بٹھا دیا کہ دیکھو ہاتھ رکھے رہیو ایسا نہ ہو کہ لڑکی سوتے سوتے
ڈر کر چونک پڑے۔ اور میں یہاں چلی آئی۔ مجھ کو حمیدہ کی باتوں سے ایسا ڈر لگا کہ اندر سے کلیجہ تھر تھر
کانپا جاتا تھا۔ نصوح: کیوں لڑکی اس میں کیا بات تھی؟ فہمیدہ: میں کہتی تھی کہ ایسی چھوٹی سی لڑکی
اور ایسی باتیں۔ کچھ اس کو ہو تو نہیں گیا؟ نصوح: مذہب میں بڑی خوبی اور عمدگی تو یہی ہے کہ وہ ایسی
باتوں کی تعلیم کرتا ہے جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ مسائل[5] دینی آدمیوں کے بنائے ہوئے معمے[6] اور لوگوں
کی گھڑی ہوئی پہیلیاں نہیں ہیں کہ ان کے حل کرنے اور بوجھنے کو بڑا غور و خوض درکار ہو بلکہ اس
حکیم برحق کے باندھے ہوئے اصول اور ٹھیرائے ہوئے ضابطے[7] ہیں اور اصول بھی کیسے سلیس اور آسان
ضابطے سہل اور بدیہی[9]۔ نہیں معلوم انسان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے ہیں کہ اتنی موٹی بات اس کی
سمجھ میں نہیں آتی کہ زمین آسمان چاند سورج ستارے۔ انواع و اقسام کے حیوانات، رنگ رنگ
کے نباتات، ساری دنیا، تمام زمانہ، اتنا بڑا کارخانہ[10] جس میں کا ایک پتہ اٹھا کر دیکھو تو ہزار صنعتوں سے
بھرا ہوا ہے آخر خود بخود تو نہیں ہو گیا۔ ضرور کوئی اس کا بنانے والا ہے۔ اور پھر اس نے جو انسان کو ایک
خاص صفت عقل عطا کی ہے کچھ تو اس تخصیص[11] کا مطلب ہے۔ مگر ہے کیا انسان اس تے کو اپنے ذہن میں

---

[1] پوشیدہ ۱۲ [2] باادب ۱۲ [3] ڈر ۱۲ [4] گھر کی ماما کا نام ۱۲ [5] دین کے مسئلے ۱۲ [6] چیستان ۱۲ [7] قاعدے ۱۲
[8] دستور ۱۲ [9] ظاہر باتیں جن کو ہر شخص مانتا ہے ۱۲ [10] کارخانہ ۱۲ [11] یعنی انسان کو جو عقل دی ہے اور دوسری
مخلوقات کو نہ دی تو عقل کی وجہ سے انسان پر کوئی خاص ذمہ داری بھی ضرور ہوگی ۱۲

آنے ہی نہیں دیتا ورنہ ساری خدائی خدا کی گواہی دے رہی ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار[1]
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

حمیدہ نے کوئی بات اچنبھے[2] کی نہیں کہی۔ اچنبھے کی بات تو یہ ہو کہ ہم میں نادان بچوں کے برابر بھی عقل نہیں۔ ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔ زمین میں گڑ جانے کا مقام ہے۔ بلکہ حمیدہ کی باتوں کو میں ایک فالِ نیک اپنی کامیابی کی سمجھتا ہوں افسوس ہے کہ تم اس کو میرے پاس نہ لے آئیں۔ اس کی ہر ہر بات لوحِ دل[3] پر کندہ کرنے کے لائق ہے اور یہ باتیں اس نے کیا کہیں خدا نے اس کے منہ سے کہلوائیں۔ بیٹی کیا ہے، سچ پوچھو تو ہمارے لئے ہدایت کا فرشتہ ہے۔ اور بچے جو معصوم[4] کہلاتے ہیں اسی سبب سے کہ ان کے دل لوثِ[5] دنیا سے پاک اور سیاہی[6] گناہ سے صاف ہوتے ہیں۔ الحمدللہ کہ ایک سے تو اطمینان ہوا۔ اب یہ بتاؤ کہ اوروں کے واسطے کیا انتظام کرنا ہوگا؟ فہمیدہ: تم ہی کوئی تدبیر سوچو۔ نصوح: میں نے تو یہ سوچا ہے کہ لڑکیوں کو تم سنبھالو اور لڑکوں کو میں سمجھ لوں گا۔ فہمیدہ: بھلا میں بھی تو سمجھوں کیوں کر سمجھو گے کہ وہی تدبیریں میں بھی کروں۔ نصوح: میں پہلے چھوٹوں سے شروع کروں گا۔ امید ہے کہ جلد راہ پر آ جائیں۔ بڑوں کا مجھ کو بڑا کھٹکا ہے، یہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ یہ نیا ڈھنگ دیکھ کر ان کے کان کھڑے[7] ہوں گے مگر نہیں معلوم کس سے کیا معاملہ پیش آئے۔ تم اتنا کرو کہ ایک تو میرا تمہارا دونوں کا کام ایک ساتھ شروع ہو۔ جب اندر باہر دونوں جگہ ایک ہی بات کا چرچا ہوگا تو کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ دیکھو خاص کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں اور اولاد اولاد سب برابر ان سے کچھ تعرض[8] نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ تمھاری ادا سے یہ بات پیدا ہو کہ اس معاملے میں ہم دونوں کو ایک اہتمام خاص ہے کیونکہ ذرا سا ضعف[9] بھی ظاہر ہوگا تو تمام تر انتظام درہم برہم[10] ہو جائے گا۔ فہمیدہ: انشاء اللہ اس کے خلاف نہ ہوگا۔

نصوح اور چھوٹے بیٹے سلیم کی گفتگو

آج تو میاں بی بی میں یہ قول و قرار ہوا۔ اگلے دن چھوٹا بیٹا سلیم ابھی سو کر نہیں اٹھا تھا کہ بیدارا نے آ جگایا کہ صاحب زادے اٹھیے بالا خانہ پر میاں بلاتے ہیں۔ سلیم کی عمر اس وقت کچھ کم دس برس کی تھی

[1] ہرے درختوں کے پتے عقلمند کی نگاہ میں ہرے پتے نہیں، بلکہ خدا کے پہچاننے کیلئے ایک ایک پتا ایک دفتر کا حکم رکھتا ہے [2] تعجب ۱۲ [3] دل کی تختی پر کھودنے کے لائق ۱۲ [4] بے گناہ ۱۲ [5] یعنی دنیا کی محبت سے نفرت ۱۲ [6] سیاہی [7] یا تو جب کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو کان کھڑے کر لیتا ہے مطلب یہ ہے کہ حیران ہوں گے تعجب کریں گے ۱۲ [8] روک ٹوک [9] کمزوری [10] تہ و بالا ۱۲

سلیم نے جو طلب کی خبر سنی گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور جلدی سے ہاتھ منھ دھو ماں سے آ کر پوچھنے لگا اماں جان تم کو معلوم ہے ابا جان نے کیوں بلایا ہے؟ ماں "بھائی مجھ کو تو کچھ خبر نہیں۔" بیٹا "کچھ خفا تو نہیں ہیں؟" ماں "ابھی تو کوٹھے پر سے بھی نہیں اترے۔" سلیم "بیدارا تجھ کو کچھ معلوم ہے؟" بیدارا "میاں میں اوپر لوٹا لینے گئی تھی میاں اکیلے بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے میں آنے لگی تو میاں نے آپ کا نام لیا اور کہا کہ ان کو بھیج دیجیو۔" سلیم "صورت سے کچھ غصہ تو نہیں معلوم ہوتا تھا؟" بیدارا "نہیں تو۔" سلیم "تو اماں جان ذرا تم بھی میرے ساتھ چلو۔" ماں "میری گود میں کی سوتی ہے۔ تم اتنا ڈرتے کیوں ہو جاتے کیوں نہیں؟ کچھ پوچھیں گے۔ ہاں جو کچھ پوچھیں گے تم اس کا معقول جواب دینا۔" غرض سلیم ڈرتا ڈرتا اوپر گیا اور سلام کر کے الگ جا کھڑا ہوا۔ باپ نے پیار سے بلا کر پاس بٹھا لیا اور پوچھا "کیوں صاحب ابھی مدرسے نہیں گئے؟" بیٹا "جی بس اب جاتا ہوں۔ ابھی کوئی گھنٹہ بھر کی دیر ہے۔" باپ "تم اپنے بھائی[۱] کے ساتھ مدرسے جاتے ہو یا الگ؟" بیٹا "کبھی کبھی بھائی جان کے ساتھ چلا جاتا ہوں ورنہ اکثر اکیلا جاتا ہوں۔" باپ "کیوں؟" بیٹا "اگلے مہینے میں امتحان ہونے والا ہے۔ چھوٹے بھائی جان اسی کے واسطے تیاری کر رہے ہیں۔ صبح سویرے اٹھ کر کسی ہم جماعت[۲] کے یہاں چلے جاتے ہیں۔ وہاں ان کو دیر ہو جاتی ہے تو پھر گھر بھی نہیں آتے میں جاتا ہوں تو ان کو مدرسے میں پاتا ہوں۔" باپ "کیا اپنے گھر میں جگہ نہیں ہے کہ دوسروں کے یہاں جاتے ہیں۔" بیٹا "جگہ تو ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ یہاں بڑے بھائی جان[۳] کے پاس ہر وقت گنجفہ اور شطرنج ہوا کرتا ہے اطمینان کے ساتھ پڑھنا نہیں ہو سکتا۔" باپ "تم بھی شطرنج کھیلنی جانتے ہو؟" بیٹا "مہرے پہچانتا ہوں چالیں جانتا ہوں مگر کبھی خود کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔" باپ "مگر زیادہ دنوں تک دیکھتے دیکھتے یقین ہے کہ تم بھی کھیلنے لگو گے۔" بیٹا "شاید مجھ کو عمر بھر بھی شطرنج کھیلنی نہ آئے گی۔" باپ "کیوں کیا ایسی مشکل ہے؟" بیٹا "مشکل ہو یا نہ ہو میرا جی ہی نہیں لگتا۔" باپ "سبب؟" بیٹا "میں پسند ہی نہیں کرتا۔" باپ "چونکہ مشکل ہے اکثر مبتدی گھبرایا کرتے ہیں مجھ کو یقین ہے کہ گنجفے میں تمہاری طبیعت خوب لگتی ہوگی۔ وہ بہ نسبت شطرنج کے بہت آسان ہے۔" بیٹا "میں شطرنج کی نسبت گنجفے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔" باپ "شطرنج میں طبیعت پر زور پڑتا ہے اور گنجفے میں حافظہ[۴] پر۔" بیٹا "میری ناپسندیدگی کا کچھ خاص کر یہی سبب نہیں ہے بلکہ مجھ کو سارے کھیل برے معلوم ہوتے ہیں۔" باپ "تمہاری اس بات سے مجھ کو تعجب ہوتا ہے۔ اور میں تم سے تمہاری ناپسندیدگی کا اصلی سبب سننا چاہتا ہوں کیونکہ شاید

۱؎ مراد ہے منجھلے بھائی علیم ۱۲ ۲؎ جتنے لڑکے مدرسے کی ایک جماعت میں پڑھتے ہیں ایک دوسرے کے ہم جماعت کہلاتے ہیں ۱۲
۳؎ کلیم ۱۲ ۴؎ یادداشت ۱۲

اب سے پانچ یا چھ مہینے پہلے جن دنوں میں باہر کے مکان میں بیٹھا کرتا تھا میں نے خود تم کو ہر طرح کے کھیلوں میں نہایت شوق کے ساتھ شریک ہوتے دیکھا تھا۔ بیٹا: آپ درست فرماتے ہیں میں ہمیشہ کھیل کے پیچھے دیوانہ بنا رہتا تھا مگر اب تو مجھ کو ایک دلی نفرت سی ہو گئی۔ باپ: آخر اس کا کوئی سبب خاص ہوگا۔ بیٹا: آپ نے اکثر چار لڑکوں کو کتابیں بغل میں دابے اندر گلی میں آتے جاتے دیکھا ہوگا۔ باپ: وہی گورے گورے چار لڑکے جو ایک ساتھ رہتے ہیں، پھٹی[۱] جوتیاں پہنے، منڈے ہوئے سر، اونچے پائجامے، نیچی چولیاں[۲]۔ بیٹا: ہاں جناب وہی چار لڑکے۔ باپ: پھر؟ بیٹا: آپ نے ان کو کسی قسم کی شرارت[۳] کرتے بھی دیکھا ہے؟ باپ: کبھی نہیں۔ بیٹا: جناب کچھ عجیب عادت ان لڑکوں کی ہے۔ راہ میں چلتے ہیں تو گردن نیچی کیے ہوئے، پاؤں سے بڑا مل جائے، جان پہچان ہو یا نہ ہو اُن کو سلام کر لینا ضرور۔ کئی برس سے اس محلے میں رہتے ہیں مگر کانوں کان خبر نہیں۔ محلے میں کوڑیوں[۴] لڑکے بھرے پڑے ہیں لیکن ان کو کسی سے کچھ واسطہ نہیں۔ آپس میں اوپر تلے کے چاروں بھائی[۵] ہیں۔ نہ کبھی لڑتے نہ جھگڑتے، نہ گالی بکتے، نہ قسم کھاتے، نہ جھوٹ بولتے، نہ کسی کو چھیڑتے، نہ کسی پر آوازہ کستے۔ ہمارے ہی مدرسے میں پڑھتے ہیں، وہاں بھی ان کا یہی حال ہے۔ کبھی کسی نے ان کی جھوٹی شکایت بھی تو نہیں کی۔ ڈیڑھ بجے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوا کرتی ہے۔ اور لڑکے تو کھیل کود میں لگ جاتے ہیں، یہ چاروں بھائی ایک پاس کی مسجد میں نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں۔ باپ: بھلا پھر؟ بیٹا: منجھلا لڑکا میرا ہم جماعت ہے۔ ایک دن میرا آموختہ[۶] یاد نہ تھا۔ مولوی صاحب نہایت ناخوش ہوئے اور اس کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا کہ کمبخت گھر سے گھر ملا ہوا ہے، اس کے پاس جا کر یاد کر لیا کر۔ میں نے جو پوچھا کیوں صاحب یاد کرا دیا کرو گے تو کہا بسر و چشم[۷]۔ غرض میں اگلے دن ان کے گھر گیا، آواز دی۔ انھوں نے مجھ کو اندر بلایا۔ دیکھا کہ ایک بہت بوڑھی سی عورت تخت پر جا نماز بچھائے قبلہ رو[۸] بیٹھی ہوئی کچھ پڑھ رہی ہیں۔ وہ ان لڑکوں کی نانی ہیں، لوگ ان کو حضرت بی کہتے ہیں۔ میں سیدھا سامنے دالان میں اپنے ہم جماعت کے پاس جا بیٹھا۔ جب حضرت بی اپنے پڑھنے سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا! گو تم نے مجھ کو سلام نہیں کیا لیکن ضرور ہے کہ میں تم کو دعا دوں۔ جیتے رہو، عمر دراز، خدا نیک ہدایت دے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میں شرم[۹] کے مارے زمین میں گڑ گیا اور فوراً میں نے اٹھ کر نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا۔ تب حضرت بی نے فرمایا

۱؎ جوتی کی ایڑی کو اندر کی طرف چڑھا لینے سے جوتی پھٹی ہو جاتی ہے ۱۲ ۲؎ انگرکھے کا اوپر کا حصہ گریبان سے بند تک سینے کی جگہ تک چولی ہے ۱۲ ۳؎ دنگا ۱۲ ۴؎ کی ایک کوڑی بیسیوں ۱۲ ۵؎ کا ایک ساتھ جن ۱۲ ۶؎ پچھلا پڑھا ہوا ۱۲ ۷؎ سر سے اور آنکھوں سے یعنی خوشی سے ۱۲

۸؎ قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے ۱۲

کہ بیٹا برا مت ماننا یہ بھلے مانسوں کا دستور ہے کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہے اُسکو سلام کر لیا کرتے ہیں اور میں تمکو نہ ٹوکتی لیکن چونکہ تم میرے بچوں کیساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہو اس سبب سے مجھ کو جتا دینا ضرور تھا۔ اس کے بعد حضرت بی نے مجھکو مٹھائی دی اور باصرار[1] کرکے کھلائی۔ مدتوں میں اُن کے گھر جاتا رہا۔ حضرت بی مجھکو بھی اپنے نواسوں کیطرح چاہنے اور پیار کرنے لگیں اور ہمیشہ مجھ کو نصیحت کیا کرتی تھیں۔ تبھی سے میرا دل تمام کھیل کی باتوں سے کھٹا[2] ہو گیا۔ باپ۔ بیٹا تو تم نے اچھا اختصار کیا۔ اجی اچھی طرح جی کھول کر بے تکلف سب باتیں مجھ کو سناؤ کیا کیا تم سے حضرت بی نے کہا۔ رُک رُک کر اور چبا چبا کر باتیں کرنے سے میری طبیعت الجھتی ہے۔ ہاں تو پھر کیا ہوا؟ بیٹا "ہر روز آنے جانے سے میں ان لوگوں کے ساتھ خوب بے تکلف ہو گیا مگر حضرت بی نے بس پہلے ہی دن سلام نہ کرنے پر تو ٹوکا تھا پھر کوئی گرفت[3] نہیں کی۔ باوجودیکہ میں شوخی بھی کرتا تاہم وہ خفا نہ ہوتی تھیں۔ ایکدن مجھ سے اور ایک ہمسایہ کے لڑکے سے باہر گلی میں کھیلتے کھیلتے عین انھیں کے دروازے پر لڑائی ہو پڑی۔ سخت کلامی کے بعد گالی گلوج کی نوبت پہنچی پھر مار کٹائی ہونے لگی۔ لڑکا مجھ سے تھا کمزور، اڑنگے[4] پر چڑھا کر جوں ایک ہتھی دیتا ہوں چاروں شانے[5] چت چھم تو میں اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور بیچارے کو ایسے گھسے دیئے کہ یاد ہی کئے ہوں گے اور لوگ چھڑا نہ دیتے تو میں اُس کو ادھ موا[6] کر ہی چکا تھا۔ راستے سے دو چار آدمیوں نے مجھ کو اُس پر سے اُتارا اور ایک نے میری پیٹھ بھی ٹھوکی کہ شاباش پٹھے[7] شاباش۔ لیکن وہ لڑکا ایسا چیمڑ[8] تھا کہ پھر خم ٹھونک[9] کر سامنے آ کھڑا ہوا میں چاہتا تھا کہ پھر گتھ جاؤں[10] اتنے میں اندر سے اُسی میرے ہم جماعت نے آواز دی۔ ادھر لوگوں نے کہا کہ میاں جانے بھی دو یہ تمھاری جوڑ[11] کا نہیں ہے۔ غرض میں اندر چلا گیا میرے ہم جماعت نے پوچھا کیوں جی کس سے لڑ رہے تھے۔ میں نے کہا میاں یہی کنجڑے والا مصالی کمزور مار کھانے کی نشانی۔ لیکن خدا کی قسم میں نے بھی آج اُس کو ایسا رگڑا ہے کہ یاد ہی تو کریگا۔ اُس وقت تک غصہ اور طیش تو فرو ہوا ہی نہ تھا نہیں معلوم کیا کیا میں نے بکا[12] کہ سب گھر والوں نے سُن کر آنکھیں نیچی کر لیں اور بڑی دیر تک سرنگوں[13] بیٹھے رہے۔ آخر حضرت بی بولیں کہ سلیم بڑے افسوس کی بات ہے کہ تو ایسا پیارا لڑکا اور گن تیرے ایسے خراب! اس منہ سے ایسی

[1] ضد ۱۲ [2] کھٹی چیز کا کھانا ناگوار ہوتا ہے مراد یہ ہے کہ جی بھر گیا ۱۲ [3] پکڑ۔ یعنی میری کوئی خطا نہیں پکڑی ۱۲ [4] پہلو پر اُٹھا لینے کو اڑنگا کہتے ہیں ۱۲ [5] دونوں مونڈھے دونوں کولھے ملا کر چاروں شانے چت کہلاتے ہیں ۱۲ [6] نیم مردہ ۱۲ [7] جوان کو پٹھا کہتے ہیں ۱۲ [8] بے حیا تکرار کرنیوالا ۱۲ [9] ایک بازو کو دوسرے ہاتھ سے ٹھوکنا ۱۲ [10] لپٹ جاؤں ۱۲ [11] برابر کا ۱۲ [12] ان لفظوں سے مراد ہے کہ سلیم نے اس لڑکے کی شان میں بیجا الفاظ کہے جو لکھے نہیں گئے ۱۲ [13] سر جھکا کے ۱۲

باتیں آج کئی کئی دن سے میں تجھ کو سمجھانے والی تھی مگر اس وقت جو میں نے تیری گفتگو سنی مجھ کو یقین ہو گیا کہ تجھ کو سمجھانا بے سود[1] ہے بڑا رنج تو مجھ کو اسی بات کا ہے کہ تو ہاتھ سے گیا گذرا[2] ہوا۔ دوسرا کھٹکا یہ ہے کہ تو میرے لڑکوں کے پاس آتا جاتا ہے اگر خدانخواستہ تیری خو بو کا ایک شمہ انھوں نے اختیار کیا تو میری طرف سے یہ جیتے جی مر گئے۔ ملنا جلنا تو بڑی بات ہے اب یہ محلہ مجھ کو چھوڑنا پڑا۔ اتنی بے حیائی! ایسی بدزبانی! اول تو لڑنا اور پھر گلی کوچے میں اور اس پر ایسی موٹی موٹی گالیاں! میں: جناب خدا کی قسم ہرگز میں نے پہل نہیں کی۔ وہ سر چڑھ کر مجھ سے لڑا۔ حضرت بی: بس اپنی قسموں کا بند کرو میں قسم اور گالی دونوں کو برا سمجھتی ہوں۔ جس کو بے موقع محل خدا کا نام لینے میں باک نہیں اس کو کسی بات کے بک دینے میں تامل نہیں۔ میں: گالی بھی پہلے اس نے مجھ کو دی۔ حضرت بی: تم نے کیوں گالی کھانے کی بات کی؟ میں: یہی تو عرض کرتا ہوں کہ میرا مطلق قصور نہ تھا۔ حضرت بی: کیا ایسے بیہودہ لڑکوں سے ملاقات رکھنا تمھارا قصور نہیں ہے؟ میں: جناب آپ کو معلوم نہیں وہ لڑکا راہ چلتوں کے سر ہوتا ہے۔ حضرت بی: ایک[3] شد دو شد دروغ[4] گویم بروئے تو۔ میرے لڑکوں کے کوئی بھی سر نہیں ہوتا۔ میں: ان سے تو سرے سے جان پہچان ہی نہیں۔ حضرت بی: اور تم سے ہوئی۔ میں: یہ کیوں کر کہوں کہ نہیں ہے۔ حضرت بی: تو وہی تمھارا قصور اور اس کی یہ سزا ہو کہ تم نے بازار میں گالیاں کھائیں۔ میں: لیکن میں نے بھی خوب ہی بدلا لیا۔ حضرت بی: یہی تو تمھاری خرابی کے لچھن ہیں اور تم اسکو بدلا سمجھتے ہو۔ اگر ایک شخص تمھارے ساتھ کچھ برائی کرے تو اسکو لوگ برا کہیں گے یا نہیں کہیں گے۔ میں: ضرور کہیں گے۔ حضرت بی: اور جب تم اسکے ساتھ برائی کرو تو کیا تم زیادہ بدتر نہ کہلاؤ گے۔ گالیاں بکنا ایک ذلیل[5] بات ہے اسنے بکیں تو جھک مارا اور تم نے زیادہ بکیں تو جھک مارا۔ سلیم وہ تم ایسے ہیں اور اس کنجڑے کے چھوکرے میں کچھ فرق سمجھتے ہو؟ یہ سن کر مجھ کو ندامت شروع ہوئی اور میں نے کہا کہ واقع میں اس وقت تو مجھ میں اور اس میں کچھ فرق نہ تھا۔ حضرت بی: لیکن وہ ایک بازاری آدمی کا بیٹا ہے اور تم ایک بڑے عزت دار کے لڑکے ہو۔ تمھارے دادا کا شہر میں وہ شہرہ ہے کہ ان کے نام کی لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ ان ہی کے پوتے تم ہو۔ جھوٹ بولنے پر دلیر، قسم کھانے میں بیباک، فحش بکنے میں بے دھڑک۔ سلیم! کوئی شخص دین ہو یا دنیا کسی جگہ اس وجہ سے عزت نہیں پا سکتا کہ اس کے باپ دادا عزت دار تھے اصل میں عزت آدمی کے کردار[6] کی ہے۔ کیا تم کہہ سکتے

۱ بے فائدہ ۱۲ ۲ ادبار ۱۲ ۳ ایک جھوٹ تو تھا ہی دوسرا اور ہوا ۱۲ ۴ جھوٹ بھی بولوں تو تمہارے روبرو ۱۲ ۵ بڑی ۱۲ ۶ کرتوت۔ عمل ۱۲

ہوکر یہ عادتیں جو تم نے سیکھی ہیں عزت حاصل کرنے کی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ سنکر مجھ کو اسقدر شرمندگی ہوئی کہ میں رونے لگا اور حضرت بی بھی آبدیدہ ہوئیں اور مجھ کو پاس بٹھا کر پیار کیا اور کہا کہ بیٹا میں تمھارے ہی فائدے کیلئے کہتی ہوں۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ لیکن چند روز بعد تم کو ان عادتوں کا چھوڑنا بہت مشکل ہو جائیگا۔ میں نے اسیوقت توبہ کی اور کہا کہ اگر اب سے آپ مجھ کو قسم کھاتے یا فحش بکتے یا جھوٹ بولتے یا بازاری لڑکوں میں کھیلتے سنیں تو مجھ کو اپنے گھر میں نہ آنے دیجیگا“ باپ ”کیا بس اسیدن سے تم کو کھیلنے سے نفرت ہوگئی؟“ بیٹا: ”جناب نہیں۔ مہینوں میں حضرت بی کے یہاں جاتا رہا اور ہر روز نصیحت کی دو چار باتیں وہ مجھ سے کہا کرتی تھیں۔ ایک روز انھوں نے مجھ سے میرے وقت کا حساب پوچھا میں نے سونا اور کھانا اور کھیلنا اور تھوڑی دیر لکھنا پڑھنا بہتیرے کام گنوائے مگر انھوں نے سنکر ایک ایسی آہ کھینچی کہ آج تک اس کی چوٹ میں اپنے دل میں پاتا ہوں اور کہا کہ سلیم۔ آٹھ پہر میں خدا کا ایک کام بھی نہیں۔ خدا نے تم کو آدمی بنایا۔ کیا ممکن نہ تھا کہ وہ تم کو بلی کتا بنا دیتا۔ پھر آدمی بھی بنایا تو ایسے خاندان کا جو عزت اور خوش حال ہے۔ ہو سکتا تھا کہ تم مزدور یا لکڑہارے کے گھر پیدا ہوتے اور ایسی ہی چھوٹی ہی سی عمر میں تم کو پیٹ پورا کرنے کے واسطے محنت کرنی پڑتی اور پھر بھی سوائے چبینے کے اور کچھ نہ پاتے اور وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں۔ ایک لنگوٹی تم باندھے پھرتے۔ نہ پاؤں میں جوتی، نہ سر پر ٹوپی، نہ گلے میں انگرکھا، جہاں جاتے دُر دُر، جس کے پاس کھڑے ہوتے چھٹ چھپٹ۔ پھر صورت تمکو ایسی پاکیزہ دی کہ جو دیکھے پیار کرے۔ کیا تم کو کالا بھجٹا، کانڑا، لنگڑا، کوڑھی۔ بنا دینا اس کو مشکل تھا؟ جس خدا کے تم پر اتنے سلوک اور اتنے احسان ہیں ستم ہے کہ دن رات میں ایک دفعہ بھی اس کے آگے سر نہ جھکاؤ۔ غضب ہے کہ ایک لمحہ بھی اس کو یاد نہ کرو۔ تب حضرت بی نے مجھ کو نماز سکھائی اور اس کے معنے سمجھائے اور اسی طرح انھوں مجھ کو ہزارہا نصیحتیں کیں کہ بر زبان یاد نہیں رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ کئی مہینے سے ان کے گھر میرا جانا چھوٹ گیا“ یہ کہہ کر سلیم کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ باپ ”کیوں تم نے کس لئے انکے یہاں کا جانا ترک کیا؟ کیا ان کے نواسوں سے لڑائی ہوگئی؟“ بیٹا ”جناب انکے نواسے مجھ کو اپنے بھائیوں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں اگر میں ان سے لڑتا تو دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی نالائق نہ تھا“ باپ ”پھر کیا خود حضرت بی تم سے ناخوش

---

۵۱ آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۱۲ ۵۲ چبینے دانہ وغیرہ جو چبا کے کھائے جاتے ہیں ۱۲ ۵۳ دُر دُر دور کا مخفف ہے ۱۲ ۵۴ چھٹ پھٹکا پیسہ نکالا ہے ۱۲ ۵۵ بھٹی کی طرح کا سیاہ ۱۲ ۵۶ ظلم ۱۲ ۵۷ چھوڑ دیا ۱۲

ہو گئیں؟" بیٹا: "استغفراللہ[۸۹]۔ وہ تو اس قدر بے کی نیک ہیں کہ غصہ ان کو چھو ہی نہیں گیا۔" باپ: "تو کیا تم آپ سے بیٹھ رہے ہو؟" بیٹا: "میں تو ہزار روز وہاں جانے کے واسطے تڑپتا ہوں۔" باپ: "تو کیا یہاں تم کو کسی نے منع کیا؟" بیٹا: "نہیں کسی نے منع بھی نہیں کیا۔" باپ: "پھر کیا سبب ہوا؟" بیٹا: "اگر آپ مجھ کو اس کا سبب بیان کرنے سے معاف رکھتے تو بہتر تھا۔" باپ: "یہ نہیں ضرور ہے کہ میں تمہارے نہ جانے کا سبب معلوم کروں۔" بیٹا: "اس میں ایک شخص کی شکایت ہوگی اور حضرت بی نے مجھ کو غیبت[۹۰] اور چغلی سے ممانعت کی ہے۔" باپ: "لیکن کیا وہاں نہ جانے سے تمہارا نقصان نہیں ہے؟" بیٹا: "بے جناب نقصان سا نقصان ہے۔ مگر میرے اختیار کی بات نہیں۔" باپ: "تو میں تم کو اپنے منصب پدری[۹۱] کی رو سے حکم دیتا ہوں کہ تم سارا حال پوست کندہ[۹۲] بیان کرو۔" بیٹا: "جناب آپ پوچھتے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت بی نے ایک مرتبہ مجھ کو بتاکید کہا تھا کہ تم اپنے سر کے بال منڈوا ڈالو اگرچہ مجھ کو بال بہت عزیز تھے اور میں ان کی خدمت بھی بہت کچھ کرتا تھا لیکن چونکہ مجھ کو یقین تھا کہ حضرت بی جو بات کہتی ہیں ضرور میری منفعت کے واسطے کہتی ہیں میں نے کہا بہت خوب۔ حضرت بی نے اور کچھ سبب بیان نہیں کیا مگر اتنا کہا کہ بالوں کی نگہداشت[۹۳] میں تمہارا بہت سا وقت صرف ہوتا ہے اور وقت ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو ایسی فضول باتوں میں صرف کیا جائے اور تم کو بڑے بال رکھنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگلے دن جو حجام بڑے بھائی جان کا خط[۹۴] بنانے آیا میں نے اس سے کہا کہ خلیفہ[۹۵] میرے بال بھی مونڈ دینا۔ بالوں کا مونڈنا سن کر بڑے بھائی جان اس قدر خفا ہوئے کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔ مجھ کو جو چاہتے کہہ لیتے حضرت بی اور ان کے نواسوں کو بہت ہی برا بھلا کہا۔" یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے۔" باپ: "تمہارے بڑے بھائی سے اور حضرت بی سے کیا واسطہ اور ان کو تمہارے افعال میں [illegible] ہوتے کیا دخل؟" بیٹا: "جناب نہیں معلوم ان کو کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ میں ان کے گھر آتا جاتا ہوں وہ ایک مرتبہ مجھ سے پہلے بھی کہا تھا کہ تو ان مردہ شو[۹۶]۔ قل اعوذیوں[۹۷] کے ساتھ اکثر رہتا ہے کیا تو بھی ملانا اور مسجد کا ٹکڑ گدا[۹۸] بنے گا؟ آج ان بالوں پر کہنے لگے کہ دیکھا آخر ان نابکاروں کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ آپ اچھے خاصے سر کو چھلا ہوا کسیرو بنانے چلے ہیں کہ دیکھتے ہی ہتھیلی کھجلائے چانٹا مارنے کو

[۸۹] اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ میں خدا سے معافی مانگتا مگر مراد یہ ہے کہ اگر میری کسی بات سے آپ نے حضرت بی کا قصور سمجھا تو وہ غلطی ہے خدا معاف کرے ۱۲ [۹۰] کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہنا ۱۲ [۹۱] یعنی باپ ہونے کے حق سے ۱۲ [۹۲] صاف صاف۔ لفظی معنی اوپر کی چھال یا کھال نکلی ہوئی ۱۲ [۹۳] خدمت۔ حفاظت ۱۲ [۹۴] ڈاڑھی مونچھ کی اصلاح کو خط بنانا بولتے ہیں ۱۲ [۹۵] حجاموں کو عموماً عزت کی راہ سے خلیفہ کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں خلیفہ استاد کا جانشین ۱۲ [۹۶] مردوں کے نہلانے والے ۱۲ [۹۷] قل اعوذ سے قرآن کی دو سورتوں کو اکثر پڑھتے ہیں آفتوں سے بچنے کے لیے بڑی مفید ہیں سلیم نے حقارت کی راہ سے قل اعوذیئے کہا ۱۲ [۹۸] روٹی ٹکڑوں کیلئے بھیک مانگتا مولوی لوگ اکثر دعوتیں کھاتے رہتے ہیں سلیم نے ان کو ٹکڑ گدا بتا دیا ۱۲

جی چاہے۔ ایسے اکیلے سر منڈانے سے کیا ہوتا ہے ڈھیلا ڈھالا کرتا پہن، گھٹنوں تک کا پائجامہ بنا پنج آیت[۵۱]
کے واسطے دو چار سورتیں یاد کر۔ اور جو چاہے کہ فقط انگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہو تو سر منڈا
کر، بیاہ شادی کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو بچا ہاتھ ہور گھسنا تو ملنے کا ہی نہیں" باپ "تم نے کچھ جواب
نہیں دیا؟" بیٹا "جناب اول تو بڑے بھائی کو جواب دینا خلافِ شیوۂ ادب تھا۔ اور اگر دیتا تو مجھ کو جیتا
بھی نہ چھوڑتے۔ جب تک میں سامنے سے ٹل نہیں گیا انھوں نے زبان بند نہیں کی اور ناحق حضرت بی اور
ان کے نواسوں کی شان میں بڑی بڑی باتیں کہیں۔ غرض۔ ڈر کے مارے پھر میں نے بال منڈوانے کا نام
نہیں لیا اور تبھی سے مجھ کو ایک حجاب[۵۲] سا پیدا ہوا کہ کئی بار مجھ سے کہہ چکی ہیں اپنے دل میں کیا کہتی ہوں
گی کہ کیسا خود سر[۵۳] لڑکا ہے۔ لیکن پھر انھوں نے تذکرہ نہیں کیا۔ معلوم نہیں بھول گئیں یا کہنے سے کچھ فائدہ
نہ دیکھ کر چپ ہو رہیں لیکن ابھی تک میں نے جانا نہیں چھوڑا اگرچہ میرا جانا دخل بے غیرتی تھا۔ جب انھوں نے
مجھ کو نماز سکھائی اور نماز کی تاکید کی تو میں نے ایک دن گھر میں نماز پڑھنی چاہی۔ بڑے بھائی جان اور ان کے
یار دوست برابر ہنسائے جاتے تھے اور میں نہیں ہنستا تھا۔ تو جا نماز الٹ الٹ دیتے۔ سجدے میں جاتا
تو اوپر پیٹھ بیٹھ جاتے۔ ایسی حالت میں ممکن نہ تھا کہ میں نماز پڑھ سکوں اور حضرت بی سے پوچھنے کا مجھ سے
عہد لے چکی تھیں۔ میں نے سوچا کہ جاؤں گا تو نماز کو پوچھیں گی۔ کیا کہوں گا۔ بالوں کی شرمندگی اور نماز
کی ندامت، غرض اعمال کی شامت کہ میں نے جانا چھوڑ دیا۔ اب ماں گئے مجھ کو تین ساڑھے تین مہینے ہو گئے
میری نااہلی[۵۴] کو دیکھئے کہ تبھی سے وہ میرے ہم جماعت بیمار پڑے ہیں، میں اُن کی عیادت[۵۵] کو بھی نہیں
جا سکا" باپ "لیکن تم نے اپنی مجبوری کا حال مجھ پر کیوں نہیں ظاہر کیا؟" بیٹا "اس خوف سے کہ غیبت ہوگی"
باپ "تم نے اپنے بڑے بھائی کے روبرو[۵۶] کہا ہوتا" بیٹا "اتنی مجال نہ مجھ میں کبھی تھی نہ اب ہے۔ کیونکہ میں
جانتا ہوں کہ میں ہر وقت آپ کے پاس سے تو رہا۔ جب اکیلا پائیں گے مجھ کو ٹھیک[۵۷] بنائیں گے" باپ
"تم کو خوف ہی تھا یا تم کو بڑے بھائی نے کبھی مارا بھی تھا؟" بیٹا "اس کی گنتی نہیں بتا سکتا ہوں اور نہ بڑے
بھائی جان بتا سکتے ہیں" باپ "وہ کس بات پر؟" بیٹا "میں تو ہمیشہ اُن کے مارنے کو ناحق بے جا لڑکی۔
بے قصور، بے خطا ہی سمجھا" باپ "تم نے اپنی ماں سے بھی کبھی تذکرہ نہ کیا؟" بیٹا "وہ ... سے پرپائی کا

---

۵۱ مرنے کا تیجا ہوتا ہو تو کم سے کم پانچ آیتیں پڑھکر ثواب پہنچاتے ہیں ۱۲ ۵۲ پردہ مراد ہے شرم ۱۲ ۵۳ مزاجی ہیکڑی
نہ ماننے اپنی ہی جی میں آئے سو کرے ۱۲ ۵۴ نالائقی ۱۲ ۵۵ بیمار پرسی ۱۲ ۵۶ منھ در منھ ۱۲ ۵۷ مراد ۵۸ رکوع کے
سنائیں گے ۱۲

عرض کرنے کی مانع تھی وہی والدہ سے کہنے کو بھی روکتی تھی۔ دوسرے میں دیکھتا ہوں کہ گھر میں نماز روزے کا مطلق چرچا نہیں یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہوں اور جسطرح بڑے بھائی جان ناخوش ہوتے ہیں اور لوگ بھی ناراض ہوں"۔ باپ۔" تو یہ چند مہینے تمہارے نہایت ہی بری طرح گذرے"۔ بیٹا۔" کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ ایک حضرت بی کی خدمت سے محروم رہنے کا صدمہ۔ دوسرا اپنی مجبوری کا رنج میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ [۱] سنگ باش و برادر خود مباش سو مجھ کو ہر روز اسکی تصدیق ہوتی ہو اور سب سے بڑھکر تو اس بات کا قلق [۲] تھا کہ میں اپنے گھر میں سب چھوٹے بڑوں کی عادتوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ اور اپنے جی میں سوچا کرتا ہوں کہ جس گھر میں مجھ کو رہنا ہو اُس سے مجھ کو وحشت ہوتی ہے تو میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا"۔ باپ۔" لیکن اب تم کو حضرت بی کے گھر جانا ملیگا؟" بیٹا۔" سبحان اللہ۔ اس سے بڑھ کر کوئی خوشی کی بات نہیں لیکن جب تک میں سر کے بال نہ منڈوالوں اور نماز نہ پڑھوں میں اُن کو منھ نہیں دکھا سکتا"۔ باپ۔" اور اگر یہ بھی ہو"۔ بیٹا۔" تو پھر یہ بھی ہو کہ ہمارے گھر بھر کی عادتیں بھی ویسی ہی ہو جائیں"۔ باپ۔" بھلا اگر دونوں ہوں"۔ بیٹا۔" تو پھر مجھ کو اور کچھ درکار نہیں"۔ باپ۔" اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے اس تمام گھر پر ایک بربادی اور تباہی چھا رہی ہے اور سارا خاندان گناہ اور بے دینی کی آفت میں مبتلا ہے [۳] آئے کا آوا خراب۔ کنبے کا کنبہ گمراہ تعجب ہے کہ اب تک کوئی عذاب الٰہی ہم پر نازل نہیں ہوا۔ حیرت ہے کہ [۴] قہر خدا ہم پر کیوں نہیں ٹوٹ پڑا۔ اور خدا کا الزام اور تم سب کا الاہنا تمام تر مجھ پر ہے۔ میں تم لوگوں کے جسموں کی تو پرداخت پرورش کرتا رہا لیکن تمہاری روحوں کو میں نے ہلاک اور تمہاری جانوں کو بیٹھے تلف کیا۔ کتنے خون میری گردن پر ہیں اور کتنے وبال میرے سر پر! مصرع

[۵] ببین کہ سر انجام من چہ خواہد بود

سلیم آج تم خوش ہو کہ تمہاری آرزو بر آئی اور تمہارا مطلب خدا نے پورا کیا شوق سے اپنا سر منڈواؤ اور نماز پڑھو۔ اور حضرت بی کی خدمت میں جاؤ۔ آج سے حضرت بی میری دینی ماں اور اُن کے نواسے میرے بیٹے اور میں تو تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اور حضرت بی کا شکریہ ادا کروں گا کہ انھوں نے جستہ للہ [۶] تمہارے ساتھ سلوک کیا۔ تمہارے ساتھ یہ کہ تم کو نیک صلاح دی اور میرے ساتھ یہ کہ جو کام وہ انھوں نے کیا۔ آج کے بعد سے انشاء اللہ تم اس گھر کو حضرت بی کے گھر کی طرح دیکھو گے

کا یہ اثر ہوا کہ

[۱] اس کے نقلی

معاف کرے ۱۲

نقلی ہو ۱۲ [۲] رنج ۱۲ [۳] جس بھٹی میں برتن پکائے جاتے ہیں ۱۲ [۴] خدا کا غضب ۱۲ [۵] میں حیران ہوں کہ میرا انجام کیا ہوگا ۱۲ [۶] خدا کے واسطے ۱۲

راہ سے ضعیفہ

عورتوں کو اکثر

کوئی تفرقہ تم میں اور اُن کے نواسوں میں باقی نہ رہے گا۔ سلیم! تمھاری آج کی گفتگو سنکر میرا جی بہت ہی خوش ہوا اور تم مجھ کو ساری اولاد میں سب سے زیادہ عزیز ہوگے۔ تم کو میں دوسروں کیلئے نمونہ اور مثال بناؤں گا اور اُن کو جو تم سے بڑے ہیں تمھاری تقلید پر مجبور کروں گا۔

فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

ادھر تو نصوح اور سلیم دونوں باپ بیٹوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر اتنی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں خاصی ایک جھوڑ ہو گئی۔ نعیمہ اس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی۔ پانچ مہینے کا پہلوٹی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی۔ نانی کی چہیتی۔ ماں کی لاڈو۔ مزاج کچھ قدرتی تیز۔ باپ کے لاڈ اور پیار سے وہی کہاوت ہو گئی کریلا اور نیم چڑھا اور بھی چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں گزر ہونے لگا تھا۔ گھونگھٹ کے ساتھ منہ کھلا اور منہ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اب چھ چھ مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی مگر رسی جلی پر بل نہ گیا۔ باوجودیکہ اُجڑی ہوئی میکے میں پڑی تھی مزاجیں وہی طنطنہ تھا کوا پتے ہی میں آگری۔ بان تھی۔ کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا سو بیاہے سے ان کو بھی دھتکار بتائی۔ بیٹا جنے پیچھے تو اور بھی کھل کھیلی۔ مردوں تک کا لحاظ اٹھا دیا۔ فہمیدہ نے میاں کے ڈر سے بیٹیوں کا بیڑا اٹھانے تو اٹھا لیا تھا لیکن نعیمہ کے تیور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی میں اس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑوں گی تو پھر اس مونڈ کری بھی بس نہیں کرے گی۔ سو سو منصوبے ذہن میں باندھتی تھی مگر نعیمہ کی شکل نظر پڑی اور سب غلط ہو گئے۔ ہاں تو موقع اور محل ہی سوچتی رہی۔ نعیمہ نے خود ہی ابتدا کی۔ بڑے سویرے بچہ حمیدہ کو دے خود ہاتھ منہ دھونے میں مصروف تھی۔ جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت نکلا جاتا ہے بچے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ بچہ کس اکل کھری ماں کا تھا۔ چھٹانا تھا کہ بلبلا اٹھا۔ آواز سنکر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ بچہ اکیلا پڑا رو رہا ہے حمیدہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ دوڑ پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دو ہتڑ ماری کہ حمیدہ رکوع سے پہلے سجدہ میں جا گری۔

اس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے دوسرے قطعے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی تو دیکھا کہ حمیدہ چبوترے پر پائی کا

فرق ۱۲ پیروی ۱۲ وہ بچہ جو سب سے پہلے پیدا ہو ۱۲ کہاوت ہے ۱۲ یعنی نازک مزاجی بیکڑی تو عادت ۱۲ تنک مزاج ۱۲ بھڑک گیا ۱۲ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر جو تھپڑ مارا جائے ۱۲ رکوع کے معنی ہیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے کھڑے جھک جانا نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے اور سجدہ پیچھے ۱۲

لوٹا لیے ہوئے سر جھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے خون کی تلّی[۵۱] جاری ہے گھبرا کر پوچھا کہ ابھی ..... تو میں تمہیں نماز پڑھتی کو چھوڑ گئی تھی۔ اتنی ہی دیر میں یہ کیا ہوا۔ دیکھوں کہیں نکسیر تو نہیں پھوٹی۔ حمیدہ بیچار نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا تھا کہ نعیمہ خود بول اُٹھی کہ "کہ لے بی۔ ہوا کیا خدا کی ذرا کر لڑکے کو دے کر میں منہ دھونے چلی گئی۔ اس نکمّی سے اتنا نہ ہو سکا کہ لڑکے کو لے رہے۔ آخر میں کہیں کنوئیں میں گرنے تو نہیں چلی گئی تھی۔ لڑکے کو بلکتا ہوا لیٹا، نیت باندھ نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی ہیں جو آئی تو یوں ہی ہولے[۵۲] سے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ آپ دھڑام[۵۳] سے گر پڑی۔ کہیں تخت کی کیل لگ لگا گئی ہو گی۔" ماں "اچھا تم نے ہولے سے ہاتھ رکھا تھا کہ نگوڑی لڑکی کے فصد کے برابر خون نکلا کیسے دنیا میں لہو سفید[۵۴] ہو گئے ہیں۔" نعیمہ "لہو سفید نہ ہو گئے ہوتے تو کیا یوں بھانجے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی؟" ماں "لیکن اس نے بے سبب نہیں چھوڑا اس کی نماز چلی جا رہی تھی۔" نعیمہ "بلا سے، صدقے سے، نماز کو جانے دیا ہوتا۔ نماز پیاری تھی یا بھانجا؟" ماں "وہ لڑکی ڈر خدا کے غضب سے۔ کیا کفر بکتی ہے اس حالت کو تو پہونچ چکی اور پھر بھی تو درست نہ ہوئی" نعیمہ "خدا نہ کرے میری کونسی حالت تم نے بُری دیکھی؟" ماں "اس سے بدتر حالت اور کیا ہو گی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا" نعیمہ "وہ نہم جلا[۵۵] گھر ہی ایسا دیکھ کر دیا ہو تو کوئی کیا کرے" ماں "بیٹی سچ ہے۔ میں تو تیری ایسی ہی دشمن تھی۔ مائیں بیٹیوں کو اسی واسطے بیاہا کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اجڑی ہوئی ان کے گھٹنے لگی بیٹھی رہیں۔" نعیمہ "کیا جانیں۔ ہم کو تو آنکھیں میچ کر کوئیں میں دھکیل دیا تھا سو پڑے ڈبکیاں[۵۶] کھا رہے ہیں۔" ماں "خیر بیٹی۔ اللہ رکھے تمہارے آگے بھی اولاد ہے۔ اب تم سمجھ بوجھ کر ان کی شادی بیاہ کرنا۔" نعیمہ "کریں ہی گے نہ کریں گے تو کیا تمہارے بھروسے پر بیٹھے رہیں گے؟" ماں "میں کیا کہتی ہوں کہ میرے بھروسے بیٹھی رہنا۔ بڑا بھروسا خدا کا۔" نعیمہ "کیسا خدا کا بھروسا اپنے دم قدم کا۔" ماں "یہ دوسری دفعہ ہے کہ تو شان خدا میں بے ادبی کر چکی ہے اب کی تو نے اس طرح کی بات منہ سے نکالی اور بے تامّل میں تڑ سے[۵۷] طمانچہ تیرے منہ پر کھینچ ماروں گی۔" نعیمہ "سچ کہنا۔ بڑی بیچاری مارنے والیں۔ مارو اپنی چہیتی کو مارو اپنی لاڈو کو۔" ماں "کیسی چہیتی؟ کیسی لاڈو؟ قربان کی تھی وہ اولاد جو خدا کو نہ مانے۔" نعیمہ "یہ کب سے؟" ماں "جب سے خدا نے ہدایت دی۔" نعیمہ "چلو خیر

---

۵۱ اُبھار ۱۲ ۵۲ آہستہ سے ۱۲ ۵۳ گرنے کی آواز ۱۲ ۵۴ محبت کے باقی نہ رہنے کو یوں تعبیر کرتے ہیں کیونکہ خون کی رنگت گرمی کی وجہ سے ہوتی ہے گرمی گئی اور خون کا پانی ہوا تو مطلب یہ ہوا کہ دلوں میں محبت کی گرمی نہیں رہی ۱۲ ۵۵ سنا ہو یعنی اس کے جسم کو لگے آگ ۱۲ ۵۶ غوطے ۱۲ ۵۷ طمانچے کی آواز ۱۲

جب ہم بھی تمھاری عمر کو پہنچیں گے تو بہتیرا خدا کا ادب کر لیں گے۔" ماں: "آپ کو خیر سے غیب دانی[1] میں بھی دخل ہے کہ ہمارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے۔" نعیمہ: "اب تم میرے مرنے کی فال نکالو۔" ماں: "نہ کوئی کسی کی فال سے مرتا اور نہ کوئی کسی کی فال سے جیتا۔ جس کی جتنی خدا نے لکھ دی۔" نعیمہ: "ورنہ تم مجھ کو کاہے کو جینے دیتیں؟" ماں: "اختیار رکھتی ہوتی تو تجھ کو آدمی ہی نہ بنا لیتی۔" نعیمہ: "تو ج کیا میں حیوان ہوں؟" ماں: "جو خدا کو نہیں جانتا وہ حیوان سے بدتر ہے۔" نعیمہ: "اب تو ایک حمیدہ تمھارے نزدیک انسان ہے، باقی سب گدھے ہیں۔" ماں: "حمیدہ کا تجھ کو جلاپا پڑ گیا۔ تو اس کی جوتی کی برابری تو کرے۔" نعیمہ: "خدا کی شان۔ یہ اٹھک بیٹھک کرنے سے حمیدہ کو ایسے بھاگ لگ گئے۔" فہمیدہ دو مرتبہ بیٹی کو منع کر ہی چکی تھی اور سمجھا دیا تھا کہ اگر پھر دین کی باتوں میں بے ادبانہ کلام کرے گی تو میں بے تامل منھ پر طمانچہ کھینچ ماروں گی۔ اس مرتبہ جو نعیمہ نے نماز کو اٹھک بیٹھک کہا تو حرارت[2] دینداری نے فہمیدہ کو بے اختیار کر دیا اور اس نے واقع میں جیسا کہا تھا نعیمہ کے منھ پر ایک طمانچہ ایسے زور سے مارا کہ منھ ہی تو پھر گیا۔ طمانچہ کا لگنا تھا کہ نعیمہ نے ایک آفت توڑ ماری۔ سب سے پہلے تو اس نے دے دھواں دھوں[3] دے دھواں دھوں اپنے بے زبان معصوم بچے کو پیٹ ڈالا۔ اگر لوگ اس کی گود سے بچے کو نہ چھین لیں تو وہ لڑکے کا خون[4] ہی کر چکی تھی۔ اس نے عجب عجب فیل[5] مچائے۔ گھٹنوں تو پٹخنیاں کھایا کی۔ کپڑوں کا ایک تار باقی نہ رکھا۔ نہیں معلوم اسکا سر تھا یا لوہے کا گولہ تھا کہ ہزاروں تو دوہتھڑ اس پر پڑے۔ آدھے سے زیادہ بال کھسوٹ ڈالے۔ سینکڑوں ٹکریں دیواروں میں ماریں۔ حیرت ہے کہ وہ سر بچا تو کیونکر بچا۔ اس کے پاکھنڈ[6] دیکھ کر سارا گھر تھرا[7] گیا اور لوگ ڈرنے لگے کہ ایسا نہ ہو تھانے والے غل سن کر اندر گھس آئیں۔ بارے بمشکل پکڑ پکڑا کر کوٹھری کے اندر دھکیل اوپر سے کنڈی لگا دی۔ نیچے گھر میں اتنا غل ہوا مگر بالا خانہ کچھ ایسا الگ[8] تھا کہ نصوح کو مطلق خبر نہیں ہوئی۔ جب علیم باپ سے باتیں کر کے نیچے اتر آیا تو فہمیدہ اوپر گئی۔ اس وقت غیظ[9] و غضب اور رنج و تعب کے آثار اس کے چہرے سے نمودار[10] تو تھے ہی دور ہی سے نصوح نے پوچھا خیریت تو ہے؟ فہمیدہ: "اللہ تعالیٰ خیریت ہی رکھے۔ کیوں تم نے کیا سمجھ کر پوچھا؟" نصوح: "تمھارے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں[11]، ہونٹ خشک ہیں، سر سے پاؤں تک کھڑی کانپ رہی ہو۔ آخر یہ سب باتیں بے سبب تو نہیں ہیں۔" فہمیدہ نے نعیمہ کی اور اپنی تمام سرگذشت[12]

لہ غیب یعنی ان دیکھی بات کو جاننا ۱۲ ؎۲ دین کیلئے جو گرمی دل میں ہو اور غصہ آجائے ۱۲ ؎۳ بچے کو مارنے کی آواز ۱۲ ؎۴ جان سے مارنے کی آواز ۱۲ ؎۵ جان سے مار چکی تھی ۱۲ ؎۶ فیل فساد ۱۲ ؎۷ کانپ اٹھا ۱۲ ؎۸ غصہ ۱۲ ؎۹ مکان ۱۲ ؎۱۰ ظاہر ۱۲ ؎۱۱ چہرے کے زرد ہو جانے کو ہوائیاں اڑنا کہتے ہیں ۱۲ ؎۱۲ جو حقیقت گذری تھی ۱۲

بیان کی نصوح یہ ماجرا سن کر دم بخود ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کے قریب دونوں میاں بی بی چپ سناٹے
میں بیٹھے رہ گئے۔ آخر فہمیدہ نے کہا پھر اب کیا صلاح ہے؟ نصوح: صلاح یہی ہے کہ جو ہونی ہو سو ہو
اب نرمی سے اور لیت ولعل نہیں کرنی چاہیئے۔ معاذ اللہ ایسا بُرا عقیدہ! بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی اہل اسلام
کے خاندان کی لڑکی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اُس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ مجھ کو تو اُس کے ساتھ
کھانا حرام ہے۔ بڑی خیریت گزری کہ میں وہاں نہیں تھا ورنہ میرے روبرو ایسا کلمہ اُس کے منہ سے نکلا ہوتا تو
شاید میں تلوار کھینچ مارتا ایسی اولاد کے ہونے سے نہ ہونا اچھا۔ بہتر ہوگا کہ ابھی پالکی منگا کر اُس کی سسرال پہنچا
فہمیدہ: بھلا کیسی باتیں کرتے ہو۔ بے مطلب بے تقریب بھیجی۔ میں تو ایک تو پہلے ہی سے اس نے اپنی عزت
کو خاک میں ملا رکھا ہے، رہی سہی اور بھی غارت ہو۔ مجھ کو کیا خبر تھی ورنہ تمہاری عیادت کی تقریب سے
عورت مرد سارا محلہ سیانہ آیا تھا اور اس کے لیجانے کیلئے منتیں کرتے تھے۔ نصوح: جو کمبخت عورت خدا
کی عزت و حرمت نہ رکھے وہ دنیا میں ہر طرح کی بے عزتی اور بے حرمتی کی سزاوار ہے۔ جب اُس کو خدا کا پاس ادب
نہیں مجھ کو ہرگز ہرگز اُسکا پاس محبت نہیں۔ فہمیدہ: میں کہتی ہوں شاید اب بھی یہ درست ہو جائے
نصوح: تو یہ تو یہ۔ اُس کے دل میں مطلق نور ایمان نہیں۔ وہ تو سرے سے خدا ہی کی قائل نہیں۔ پھر کیا
درستی کی امید؟ فہمیدہ: سسرال بھیجنا تو ٹھیک نہیں۔ نصوح: پھر مجھ سے کیا صلاح پوچھتی ہو۔ جو تمہارے
جی میں آئے سو کرو۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اُسکے ایسے خیالات ہوں اور میں اُس کو اپنے گھر میں رہنے دوں اور
جو شخص خدا ہی کو نہیں مانتا وہ کیوں اُس روزی میں شریک ہو جو ہم کو خدا تعالے اپنی مہربانی اور عنایت
سے دیتا ہے۔ فہمیدہ: لیکن خدا تعالیٰ اپنا رزق کسی سے دریغ نہیں رکھتا بُرے بھلے سب اُسکے یہاں
سے روزی پاتے ہیں۔ نصوح: میں اُس کے رزق کا انسداد نہیں کرتا لیکن میں اپنی کمائی میں منکرِ خدا
کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔ فہمیدہ: ایسی سختی سے گھر میں کوئی کاہے کو رہنے لگا؟ نصوح: میں اُس گھر
کی فکر میں ہوں جہاں مجھ کو ہمیشہ رہنا ہے۔ دنیا کا گھر چند روزہ گھر ہے۔ آج اجڑا تو اور کل اجڑا تو،
ایک نہ ایک دن اجڑیگا ضرور۔ کیا میرے آباد کرنے سے آباد رہ سکتا ہے؟ فہمیدہ: ہاں لیکن ایک مرنے
پیچھے اجڑتا اور ایک جیتے جی اجڑنا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ نصوح: لیکن تم دل کی ایسی کچی تھیں تو
تمنے ہانڈی کیوں بھری۔ اور تمہارا یہ حال ہے تو واقع میں خاندان کی اصلاح ہو نہیں سکتی۔ فہمیدہ: کیا اولاد

۱؎ ضدی طلائکہ میں ۱۲ ۲؎ بیمار پرسی ۱۲ ۳؎ خوشامدیں ۱۲ ۴؎ انسداد ۱۲ ۵؎ یعنی روزی دینے میں مضائقہ نہیں کرتا ۱۲ ۶؎
بندی ۱۲ ۷؎ ہاں جگہیں کی تھی ۱۲

کے واسطے جی نہیں کڑھتا؟ میں نے ان کو اسی دن کے واسطے پالا تھا کہ یہ بڑے ہو کر مجھ سے چھوٹ جائیں؟
بیشک مجھ سے اتنا صبر نہیں ہو سکتا۔" اتنا کہہ کر فہمیدہ کا جی بھر آیا[۱] اور وہ رونے لگی۔ نصوح: "میں
نہیں کہتا کہ تمہارا جی نہیں کڑھتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھ کو تمہاری برابر ان کی محبت ہے۔ لیکن
میں نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ تم ان کو چھوڑ دو۔" فہمیدہ: "کیوں؟ ابھی تم نے نعیمہ کو سسرال بھیج دینے کے
لیے نہیں کہا؟" نصوح: "کیا نعیمہ کبھی سسرال نہیں گئی۔ اور سسرال بھیج دینا اور چھوڑ دینا ایک ہی بات
ہے؟" فہمیدہ: "لیکن ایک ہنسی خوشی جانا جس طرح دنیا جہان کی بیٹیاں میکے سے جایا کرتی ہیں اور ایک
لڑ کر جانا۔ اور لڑائی بھی ایسی لڑائی کہ عمر بھر ایسی نہیں ہوئی۔ مجھ کو یاد نہیں کہ میں نے نعیمہ کو کبھی ہاتھ بھی
لگایا ہو۔ جواب اس سے زیادہ سخت سخت اس نے دیئے۔ مگر جب وہ جواب دیتی تھی میں ہنس دیا کرتی تھی
اس مرتبہ مجھ کو معلوم نہیں کچھ ایسی آپے سے باہر ہو گئی کہ چھوٹتے[۲] ہی تھپڑ کھینچ مارا۔ اتنا بھی مجھ کو خیال نہ رہا
کہ یہ بیاہی ہوئی صاحب اولاد ہے۔ نصوح: "اگر تم نے اس کو تھپڑ نہ مارا ہوتا تو میں تم سے پوچھتا کہ تم کیسی
دیندار تھیں کہ ایک شخص نے جس کے دفع کرنے[۳] پر تم کو قدرت حاصل تھی تمہارے منہ پر خدا کی شان میں بے
ادبی کی، استخفاف[۴] و استہزاء[۵] کیا تھا اس کا نام پاک لیا، اور مطلق تم کو برا نہ لگا۔" فہمیدہ: "برا لگتا تو میں
مارتی ہی کیوں؟" نصوح: "بیشک تمنے مارا تو بہت بجا کیا لیکن اب اس پر افسوس کرنا اپنے تئیں ملزم بنانا ہے۔" فہمیدہ: "لیکن
لڑکی تو ہاتھ سے جاتی ہے؟" نصوح: "یہ حالت تمہارے لیئے ایک امتحان کی حالت ہے۔ ایمان اور اولاد دو چیزیں ہیں اور سخت افسوس کی
بات ہے کہ ان دونوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ اس واسطے کہ ہماری اولاد دین کی عدو اور ایمان کی دشمن ہے اگر اولاد کا تحفظ
کریں تو دین ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر ایمان کا حفظ[۶] کریں تو یہ چھوٹتی ہے پس تم کو اختیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہو لو۔" فہمیدہ: "میں ایمان لوں گی
میں ایمان لوں گی جو عاقبت میں میرے کام آئے گا۔" نصوح: "جزاک اللہ[۷]۔ صد آفرین ہے تمہاری فہم[۸] پر۔ بیشک
ایمان بڑی چیز ہے۔" فہمیدہ: "رہی اولاد۔ کیا کروں چھاتی پر پتھر[۹] رکھوں گی۔ مجھ کو کیا خبر تھی کہ اس پیٹ
کمبخت میں یوں آگ لگے گی اور اس ناشاد کوکھ[۱۰] میں ایسے کیڑے پڑیں گے۔" فہمیدہ یہ کہہ کر بڑی درد و حسرت
کے ساتھ روئی کہ اس کو دیکھ کر نصوح بھی بے قرار ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد نصوح بولا کہ دل مضبوط رکھو اور
اللہ کو یاد کرو۔ جب تمہاری نیت بخیر ہے تو سب انشاء اللہ بہتر ہی بہتر ہوگا۔ وہ بڑا قادر مطلق ہے جو چاہے

---

[۱] یعنی اس کو رقت ہوئی وہ رونے لگی ۱۲ [۲] یعنی بلا انتظار۔ بے تامل ۱۲ [۳] دور کرنے ہٹانے ۱۲ [۴] حقارت کیساتھ
[۵] ہنسی اور ٹھٹھے کے طور پر ۱۲ [۶] خبرداری کریں۔ بچائیں۔ سنبھالیں ۱۲ [۷] خدا تم کو اس کا بدلہ دے ۱۲ [۸] سمجھ ۱۲
[۹] چھاتی پر پتھر رکھنا۔ مصیبت کو برداشت کرنا صبر کرنا ۱۲ [۱۰] کوسنا ہے کہ خوش نہ رہے ۱۲

تو دم کے دم میں ہماری ساری اولاد کو ولی[1] کر دے۔ دعا کرو کہ اللہ ان کو نیک راہ دکھائے۔ فہمیدہ:
رواں رواں دعا کر رہا ہے، اللہ ہی قبول کرے اور اسی سے لو[2] لگی ہے۔" نصوح: "بھلا نعیمہ کوٹھری
کے اندر کیا کر رہی تھی؟" فہمیدہ: "رو رہی تھی۔ اور کیا کر رہی تھی۔ میں چلتے ہوئے کہہ آئی تھی کہ کواڑ
کھول کر اس کو پانی، انا پلا دینا۔" نصوح: "اور کھانا؟" فہمیدہ: "کیا خوب! ابھی دو دن نہ چار دن ابھی سے
کھانا؟" نصوح: "یہ تو بڑی خرابی کی بات ہے۔" فہمیدہ: "اور کیا۔ بڑا رونا تو کھانے ہی کا ہے۔ وہ مجھے چاہے
مہینوں نہ پوچھتی مگر کھانا کھا لیتی تو کچھ اندیشہ کی بات نہ تھی۔ ادھر اس کو تکلیف ہو گی ادھر بچہ دودھ کو
پھڑکے گا۔" نصوح: "تم اپنا دودھ پلا دینا۔" فہمیدہ: "میں تو اس کو سو دفعہ پلاؤں مگر اللہ رکھے سیانا بچہ
ہے۔ ماں کی گود پہچانتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن کا بچہ ماں کی پرچھائیں[3] دیکھنے لگتا ہے۔ اب تو سوتے کو
ایک دفعہ پلا آئی ہوں۔ جاگتے میں پیئے تو جانوں کہ پیا۔" نصوح: "کھانا کھلانے کی تدبیر ضرور کرنی چاہئے
میں جا کر کہوں؟" فہمیدہ: "نہ خدا کے لئے تم اترنا ہی مت۔" نصوح: "میں آہستگی سے سمجھا دوں گا۔" فہمیدہ:
مردوں کی آہستگی کا اعتبار نہیں اور پھر تمہاری آہستگی کہ ابھی باتوں ہی باتوں میں تلوار کھینچنے لگے تھے۔"
نصوح: "میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ کسی طرح کی سختی نہیں کروں گا۔" فہمیدہ: "پھر بھی کیا ہوا
تمہارا دخل دینا مناسب نہیں۔ آخر ایک آدمی گھر میں بھی ایسا ہونا چاہئے کہ چھوٹے بڑے سب اس کا لحاظ کریں
اور فرض کیا کہ تم گئے اور رنج اس کا تازہ ہے۔ اس نے نہ مانا تو پھر بڑی دشواری پڑے گی اور اس کو یہ شرم
دامنگیر[4] ہو گی کہ دیکھو باپ تک مجھ کو سمجھا کر ہار گئے اور میں نے کسی کا کہنا نہ مانا۔ اب جو من جاؤں گی تو باپ
جی میں کیا کہیں گے۔" نصوح: "اچھا تو ایک تدبیر کرو اس کی سہیلیوں میں سے کوئی سمجھدار ہے اس کو بلا
بھیجو، وہ سمجھا بجھا کر اس کو راضی کرے گی۔" فہمیدہ: "ہاں یہ ایک معقول تدبیر ہے۔ میں اپنی بھانجی صالحہ
کو بلاتی ہوں۔ وہ تو ہم عمر ہیں اور دونوں کی ملی بھگت[5] بھی بہت ہے۔" نصوح: "بس تمہارے
انتخاب[6] پر میرا صاد[7] ہے۔ تمہاری بہن کے گھر نماز روزے کا بھی خوب چرچا رہا کرتا ہے۔ جمعے کے جمعے وعظ[8] ہوتا ہے
صالحہ کے خیالات ضرور دیندارانہ خیالات ہوں گے۔" فہمیدہ: "اللہ اکبر[9] ان کے گھر کی دینداری ضرب المثل[10]
ہے۔ ہماری بہن اللہ رکھے اتنی بڑی نمازن ہیں کہ انھوں نے اپنے ہوش میں تو کسی وقت کی نماز قضا کی نہیں

---

۱ خدا کے دوست یعنی اس کے مقبول بندے ۱۲ ۲ اصل جی سید ۱۲ ۳ سایہ ۱۲ ۴ مشتمل ۱۲ ۵ لفظی معنی دامن پکڑنے والی
مطلب یہ ہے کہ اس بات کی شرم اس کو من جانے سے روکے گی ۱۲ ۶ یعنی دونوں میں میل جول ۱۲ ۷ یعنی جو تم نے صالحہ کو چنا اختیار کیا ۱۲ ۸ صاد
منظور یعنی صحیح کا نشان یعنی اس کو صحیح سمجھتا ہوں ۱۲ ۹ نصیحت کے طور پر مولوی لوگ جو بیان کیا کرتے ہیں ۱۲ ۱۰ اللہ سب سے بڑا ہے کسی کی بڑائی کرنی ہوتی تو
یہ جملہ کہہ لیا کرتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ بڑی بڑائی خدا کی ہے ۱۲ ۱۱ لوگ ان کی دینداری کی مثال دیتے ہیں ۱۲

اتنا تو بال بچوں کا بکھیڑا اُن کے ساتھ ہے اور خدا کی مرضی گھر میں سدا تنگی رہتی ہے۔ سب کام کاج بیچاری کو اپنے ہی ہاتھوں کرنا پڑتا ہے۔ لیکن پنجوقتی نماز اور فمی بشوق کی منزل کیا امکان کہ قضا ہو۔ نصوح۔ سبحان اللہ وہی لوگ بڑے خوش قسمت ہیں دنیا کے فقیر، دین کے امیر۔ فہمیدہ۔ اور لطف یہ کہ ہر وقت ہنستا ہنستا منہ کبھی عسرت کی شکایت یا تنگدستی کا گلہ ہم نے تو اُن کے منہ سے سنا نہیں۔ اور چھوٹے بڑے سب مستغنی اور سیر چشم۔ ہم کو اتنا تو خدا نے دے رکھا ہے لیکن میں سچ کہتی ہوں کہیں شادی بیاہ میں کسی بیوی کو اپنے سے بہتر زیور، یا کپڑا پہنے دیکھتی ہوں تو ضرور میرا جی کڑھتا ہے۔ اور بچوں کا بھی یہی حال ہے کوئی چیز کسی کے پاس ذرا دیکھ پائیں جب تک ویسی ہی موجود نہ ہو جائے میری جان کھا جائیں۔ لیکن ہماری بہن کے دل میں کبھی ایسا خیال ہی نہیں آیا۔ اگر مجھ پر اُن کو حسد ہوتا تو موقع تھا لیکن میرے اور میرے بچوں کے زیور اور کپڑے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی ہیں اور ہر چیز پر کہے جاتی ہیں ماشاء اللہ چشم بد دور اللہ زیادہ دے اللہ نصیب کرے۔ سمجھے ہیں کہ دنیا کی نعمت اُن کے سامنے رکھ دو آنکھ اُٹھا کر بھی تو نہیں دیکھتے نصوح۔ سچ ہے اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔ تونگری بدلست نہ بمال۔ دنیا کے مال و حشمت کی اُن کی نظروں میں وقعت ہی نہیں پھر حسد کیوں کریں؟ فہمیدہ۔ اور مجھ سے اور میرے بچوں سے اس قدر محبت کرتی ہیں کہ ڈولی سے اُترتی ہیں تو اوپر تلے بلائیں لیے جاتی ہیں۔ بلکہ مجھ کو اُن کے بچوں سے ذرا بھی اُنس نہیں۔ نصوح۔ اُن کی یہ محبت اور ہمدردی خدا پرستی کی وجہ سے ہے اور کچھ تمہاری تخصیص نہیں سب کے ساتھ اُن کی یہی کیفیت ہوگی۔ فہمیدہ۔ بچوں کو کچھ ایسا سدھار رکھا ہے کہ کبھی آپس میں لڑتے ہی نہیں۔ ہمارے بچے ہیں کہ ایکدم کو ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ نصوح۔ یہ اُن کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ اور اُن کے اپنے عمدہ نمونے کا اثر ہے۔ مگر تم اُن کو اکثر مہمان بلا کر اپنے یہاں رکھا کرو کہ ہمارے گھر پر بھی اُن کا پرتو پڑے فہمیدہ۔ ہماری بہن غیرت مند بڑی ہیں۔ میں نے کئی بار اُن سے کہا تو یہی جواب دیا کہ میرے ساتھ بکھیڑا بہت ہے۔ تمہاری سسرال والے نہیں معلوم دل میں کیا سمجھیں کیا کہیں۔ اس سے میرا آنا نہیں ہو سکتا۔ خدا کرے کہ تم بیٹے بیٹیوں کی شادیاں کرو، بیاہ کرو، تو دیکھو بے بلائے پہنچتی ہوں یا نہیں۔

---

۹۱ سورہ فاتحہ سے چل کر سورہ مائدہ پھر سورہ یونس پھر سورہ بنی اسرائیل پھر سورہ شعرا پھر سورہ الصافات پھر سورہ ق یوں سات دن میں قرآن ختم کیا جائے تو فمی بشوق کی منزل کہلاتی ہے ۱۲ ۹۲ اللہ پاک ہے کسی کی تعریف کرنی ہو تو سبحان اللہ کہہ لیا کرتے ہیں ۱۲ ۹۳ خوش و خرم ۱۲ ۹۴ تنگی ۱۲ ۹۵ بے پردہ ۱۲ ۹۶ ندیدہ کی ضد ۱۲ ۹۷ سچ ہوتا ہے ۱۲ ۹۸ حیران کریں دق کریں ۱۲ ۹۹ وہ بہتر کو خوش حال دیکھ کر جل جاتا ۱۲ ۱۰۰ مارے خوشی کے باغ کی طرح کھلی پڑتی ہیں ۱۲ ۱۰۱ اصل امیری تو دل کی امیری ہے ۱۲ ۱۰۲ امیری کمال سے ہوتی ہے نہ مال سے ۱۲ ۱۰۳ ساز و سامان نوکر چاکر وغیرہ ۱۲ ۱۰۴ سایہ ۱۲

نصوح: "کوئی سامان ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُن کو فکر معاش سے فارغ البالی[1] ہو" فہمیدہ: "وہ ہمارے بہنوئی صاحب کچھ اسکی پیروی نہیں کرتے جب کبھی آنسے اسکا مذکور آیا بس ایک چلتی سی بات یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ جتنا ہم کو اب ملتا ہے دُنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہے۔ کون دردِ سر مول لے۔" نصوح: "گھر میں تکلیف رہا کرتی ہوگی؟" فہمیدہ: "تکلیف تو ہونی چاہیے۔ بیس روپے مہینے کی نوکری۔ اور بہنوئی کی سی احتیاط۔ اللہ رکھے اتنا بڑا کنبہ۔ مگر جیسا میں نے تم سے کہا جب سنا اُن کو شکر گزاری ہی کرتے سنا اور کچھ خدا نے برکت بھی ایسی ہی دی ہے کہ کپڑا لتا، گہنا پاتا، سامان ظاہر حیثیت کے موافق کچھ بُرا نہیں۔ کسی کے قرضدار نہیں۔ نیوتے[2] بیوہار کے کھرے کہ اگر کسی نے اُن کے گھر ایک روپیہ دیا ہوگا تو اُنھوں نے دو ضرور دیئے ہوں گے۔ غرض کنبے اور برادری میں بھی کسی سے شرمندہ نہیں۔" نصوح: "بڑی ہی اچھی زندگی ہے۔" فہمیدہ: "اس میں شک نہیں کیسی ہی مصیبت ہو میں نے اُن کو مضطر[3] اور بیقرار نہیں دیکھا۔ ہر بات میں اللہ پر توکل، خدا پر بھروسا۔" نصوح: "مجھکو حیرت ہے کہ تم دونوں سگی بہنیں اور عادتوں میں اتنا تفاوت[4]!" فہمیدہ: "ماں کے گھر تک تو میرا بھی یہی حال تھا۔ اُنھوں نے ہم دونوں کو یکساں سکھایا، برابر پڑھایا۔ مگر برامت ماننا میں تمھارے پلے بندھی۔ تمھارے گھر میں اگرچہ دیکھا تو دین کا کچھ تذکرہ نہ پایا رفتہ رفتہ نماز وغیرہ کی سب عادتیں چھوٹ گئیں۔ ہماری ماں اللہ جنت نصیب کرے بڑی ہی دیندار تھیں جب دلہن کو رخصت کرتے ہیں تو دستور ہے کہ بیٹی کی ماں بیٹے کی ماں سے کہا کرتی ہے کہ میں تمھاری خدمت کو یہ لونڈی دیتی ہوں ہماری ماں نے مجھ کو اب تک یاد ہے رخصت کرتے وقت اماجان سے یہ کہا تھا کہ دیکھو بوا میری لڑکی نے آج تک نماز قضا نہیں کی اب میں اس کو تمھارے سپرد کرتی ہوں اتنا خیال رکھنا کہ اس کی نماز قضا نہ ہو ورنہ میں بری الذمہ[5] ہوں۔ اسکا وبال اب یا پر ہوگا یا تمھاری گردن پر جب میں نئی نئی بیاہ کر آئی تو شرم کے مارے اُٹھتی ہی نہ تھی، چلتی پھرتی میں نہ تھی۔ تمام کنبے کی عورتیں ایکدم کو مجھ سے الگ نہ ہوتی تھیں کہ میں تنہائی پاکر دو رکعت نماز پڑھ لیتی۔ اور باوجودیکہ میری اماں نے چلتے چلتے اماجان[6] سے کہدیا تھا مگر انھوں نے بھی کچھ خیال نہ کیا بس اُسیدن سے میری نماز جاتی شروع ہوئی۔ دو چار دن دل کو افسوس رہا۔ ہوتے ہوتے عادت چھوٹ گئی۔ اور ایسی شامت کی مار آئی کہ پھر مجھکو نماز نہ پڑھنے کا رنج بھی نہیں ہوتا تھا غرض دنیا

---

[1] بے فکری ۱۲ [2] شادی بیاہ میں جو دوست آشنا رشتہ دار ایک دوسرے کی مدد کریں نقد سے یا زیور سے یا کپڑے سے اُس کو نیوتہ کہتے ہیں ۱۲ [3] لین دین ۱۲ [4] مضطر اور بیقرار ہم معنی ہیں ۱۲ [5] فرق ۱۲ [6] یعنی میرے ذمے الزام نہیں ۱۲ [7] نصوح کی ماں مراد ہے ۱۲

کی چند روزہ شرم نے مجھ کو پکی بے دین بنا دیا اور میری وہی کہاوت ہوئی کہ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم[۱]۔ لیکن چونکہ نماز کی خوبی بچپن سے ذہن میں بیٹھ چکی تھی اب بھی اتنا تھا کہ جب دن سر دھو[۲] یا دو چار وقت کی ضرور پڑھ لیا کرتی تھی۔ یا کوئی بال بچہ بیمار ہوا تو نماز پڑھنے لگی، خدا نے اس تردد کو رفع کر دیا پھر چھوڑ دی۔ اب البتہ میں نے مصمم[۳] عہد کر لیا ہے کہ برابر نماز پڑھوں گی۔ خدا میرے قول کو پورا کرے۔"

نصوح: "آمین ثم آمین۔" اس کے بعد فہمیدہ نے نیچے اتر فوراً صالحہ کے واسطے ڈولی بھیجی اور لونڈیوں سے کہہ دیا کہ کہار سواری لے کر آئیں تو چپکے سے پہلے مجھ کو خبر کر دینا۔

نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو

نصوح نے نماز عصر سے فارغ ہو کر منجھلے بیٹے علیم کو پچھوایا کہ دیکھو مدرسے سے آئے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ابھی آئے ہیں اور کپڑے اتار رہے ہیں تو کہلا بھیجا کہ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر ذرا کی ذرا میرے پاس ہو جائیں۔ تھوڑی دیر میں علیم مدرسے کا لباس اتار کتابیں ٹھکانے سے رکھ باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی باپ نے کہا آؤ صاحب۔ آج کل تو میں نے سنا ہے تم کو بہت ہی محنت کرنی پڑتی ہے۔" بیٹا: "امتحان ششماہی[۴] قریب ہے۔ اسی کے واسطے کچھ تیاری کر رہا ہوں۔ دن تھوڑے سے رہ گئے اور کتابیں دیکھنے کو بہت باقی ہیں۔ ہر چند ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو گھر پر کتابیں دیکھا کروں مگر نہیں بن پڑتا۔ لوگ جو بھائی جان کے پاس آ کر بیٹھتے ہیں ایسی اودھم[۵] مچاتے ہیں کہ طبیعت اچاٹ[۶] ہوئی چلی جاتی ہے۔" باپ: "پھر تم کچھ اسکا انسداد نہیں کرتے؟" بیٹا: "اسکا انسداد میرے اختیار سے خارج ہے اور رات رائگاں[۷] جاتی ہے۔ دن کو البتہ میں نے مکان کا رہنا چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی اور اپنے کسی ہم جماعت کے یہاں چلا گیا۔" باپ: "اور بڑے امتحان کے واسطے بھی تم کچھ تیاری کر رہے ہو؟" بیٹا: "ابھی اس کے بہت دن پڑے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر دیکھا جائیگا۔" باپ: "کیا اسکا کوئی وقت مقرر ہے؟" بیٹا: "جناب ہاں بڑے دن کی تعطیل کے قریب ہوا کرتا ہے۔" باپ: "نہیں نہیں۔ تم میری مراد کو نہیں سمجھے۔ میں حساب آخرت کو بڑا امتحان کہتا ہوں کیا وہ بڑا امتحان نہیں ہے؟" علیم باپ کا منہ دیکھنے لگا تو پھر باپ نے کہا کیا تم حساب آخرت کو بڑا امتحان نہیں سمجھتے یا تم کو اس میں کچھ کلام ہے

---

۱ نصیب ۱۲ ۲ عورتیں اپنے نہانے کو سر دھونا کہا کرتی ہیں ۱۲ ۳ پکا ۱۲ ۴ چھ ماہی ۱۲ ۵ غل شور ۱۲ ۶ اچٹنے سے نکلا ہے یعنی بیزار شدہ ۱۲ ۷ ضائع بیکار ۱۲

علیم: کیوں نہیں۔ سچ پوچھیے تو سب سے بڑا سخت امتحان وہی ہے" باپ: "تو جب میں تمہارے ان دنیاوی چھوٹے چھوٹے امتحانوں کی خبر رکھتا ہوں تو کیا اس بڑے سخت امتحان کی نسبت میں نے تم سے پوچھا تو کچھ بیجا کیا" بیٹا: "جناب میں تو نہیں کہتا کہ آپ نے بیجا کیا ایسا کہنا میرے نزدیک گستاخی اور گناہ دونوں ہیں" باپ: "اچھا تو میں سننا چاہتا ہوں کہ تم اس بڑے سخت امتحان کے واسطے کیا تیاری کر رہے ہو" بیٹا: "جناب سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس امتحان کے واسطے مطلق تیاری نہیں کی" باپ: "کیا یہ غفلت نہیں ہے؟" بیٹا: "جناب غفلت بھی پرلے درجے کی غفلت ہے" باپ: "لیکن جب تم ایسے دانشمند ہو کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے امتحانوں کیلئے مہینوں اور برسوں پہلے سے تیاری کرتے ہو تو اس سخت امتحان سے غافل رہنا بڑے تعجب کی بات ہے" بیٹا: "شامت نفس" باپ: "لیکن تمہاری غفلت کا کچھ اور بھی سبب ضرور ہوگا" بیٹا: "سبب یہی ہے۔ میری سہل انگاری[۴۱]" باپ: "تم جواب دیتے ہو لیکن صرف لفظوں کو پھیر پھار کر میں تم سے غفلت کا سبب پوچھتا ہوں اور تمنے کہا سہل انگاری اور سہل انگاری اور غفلت ایک چیز ہے تو گویا تمنے غفلت کو غفلت کا سبب کہا" بیٹا: "شاید گھر میں دینداری کا چرچا نہ ہونے سے میری غفلت کو ترقی ہوئی ہو" باپ: "بیشک یہی سبب ہے تمہاری غفلت کا۔ اور میں نے تم سے کھود کھود کر اسلیئے دریافت کیا کہ تمہاری غفلت میری بے پروائی کیوجہ سے ہو تو اسکا الزام مجھ پر ہے۔ اور ضرور ہے کہ میں تمہارے روبرو اسکا اقرار کروں اور تم چھوٹے ہو کر مجھ کو ملامت کرو" بیٹا: "نہیں جناب وقصور سراسر میرا ہے مجھکو خدا نے اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل دی تھی کہ مجھکو ایک نہ ایکدن مرنا ہے اور مجھے پیدا کرنے سے صرف یہی غرض نہیں ہونی چاہیئے کہ میں جانوروں کیطرح کھانے اور پانی سے اپنا پیٹ بھر کر سو رہا کروں" باپ: "تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہاری دینی معلومات بھی کم درجے کی نہیں ہے۔ لیکن نہ تو دین کے مسائل[۴۲] میں نے تمکو خود سکھائے نہ ان کے سیکھنے کی کبھی تاکید کی۔ مدرسے میں تاریخ[۴۳]۔ جغرافیہ[۴۴] و ہندسہ[۴۵] و ریاضی[۴۶] کے سوائے کوئی دوسری چیز پڑھاتے نہیں۔ پھر تم نے دینی معلومات حاصل کی تو کہاں سے کی؟" بیٹا: "اس میں شک نہیں کہ میں نے چھوٹی سی عمر میں قرآن پڑھا تھا لیکن وہ دوسرے ملک[۴۷] کی زبان میں ہے۔ طوطے کی طرح اول سے آخر تک پڑھ گیا مطلق سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا لکھا ہے اور کیا اسکا مطلب ہے۔ پھر مکتب میں گیا تو وہاں بھی کوئی دین کی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ قصے کہانی ان میں بھی اکثر بری بری باتیں۔ یہاں تک کہ جن دنوں میں بہار دانش پڑھتا تھا ایک پادری صاحب چاندنی چوک میں سر بزار وعظ کہا کرتے تھے

---

[۴۱] غفلت، بے پروائی ۱۲ [۴۲] مسئلے یعنی باتیں۔ احکام ۱۲ [۴۳] جن کتابوں میں پچھلے لوگوں خاص کر بادشاہوں کے حالات ہوں تاریخ کی کتابیں کہلاتی ہیں ۱۲ [۴۴] روئے زمین کے حالات ۱۲ [۴۵] حساب ۱۲ [۴۶] وہ علم جس کو جاننے سے سڑکوں اور نہروں کا نکالنا مکانوں کا بنانا اور اسی قسم کی اور بہت باتیں آ جاتی ہیں ۱۲ [۴۷] یعنی ملک عرب ۱۲

مکتب سے آتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر میں بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پادری صاحب کے ساتھ کتابوں کا بھی ایک بڑا بھاری ذخیرہ[۱] رہتا تھا اور اکثر لوگوں کو اس میں سے کتابیں دیا کرتے تھے۔ ہمارے مکتب کے کئی لڑکے بھی کتابیں لائے تھے۔ انھوں نے کتاب کی جلد تو اکھاڑ لی اور ورقوں کو یا تو پھاڑ کر پھینک دیا یا پٹھے[۲] بنا لیے۔ کتابوں کی عمدہ عمدہ جلدیں دیکھ کر مجھ کو بھی لالچ آیا اور میں[۳] نے کہا چلو ہم بھی پادری صاحب سے کتابیں مانگیں۔ مکتب سے اٹھ کر میں سیدھا پادری صاحب کے پاس چلا گیا۔ بہت سے لوگ اُن کو گھیرے ہوئے تھے۔ اُن میں ہمارے مکتب کے بھی دو چار لڑکے تھے۔ لوگ اُن کے ساتھ کچھ مذہبی بحث کر رہے تھے۔ اُس کو میں نے خوب نہیں سمجھا مگر ایک بات تھی کہ اکیلے پادری صاحب ایک طرف تھے اور ہندو مسلمان سینکڑوں آدمی ایک طرف۔ لوگ انکو بہت سخت سخت باتیں بھی کہتے تھے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور لڑ پڑتا مگر پادری صاحب کی پیشانی پر چین[۴] بھی تو نہیں آتی تھی۔ سخت بات سن کر الٹے مسکرا دیتے تھے لڑکے ایک شیطان[۵] ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک تو کھڑے سنتے رہے۔ چلنے لگے تو اُن میں سے ایک نے کہا تُو تُو[۶] ہے تُو تُو ہے۔ اُس کی یہ بات سب لوگوں کو ناگوار ہوئی اور دو چار آدمیوں نے اُس کو مارنے کے لیے تھپڑ بھی اٹھائے۔ پادری صاحب نے روکا اور منع کیا کہ کہ خبردار اس سے کچھ مت بولو۔ تُو تُو موتی کو بھی کہتے ہیں[۷] شاید اُس نے یہ سمجھ کر کہا ہو تو اس کو انعام دینا چاہیے۔ پادری صاحب کی اس بات نے مجھ پر کیا شاید سب لوگوں کے دل پر بڑا ہی اثر کیا۔ اور جب شام ہوئی لوگ رخصت ہوئے تو کئی آدمی آپس میں کہتے جاتے تھے کہ بھائی اس شخص کا عقیدہ چاہے کیسا ہی ہو لیکن حلم اور بردباری، یہ صفت تو اس میں اولیاء اللہ[۸] کی سی ہے۔" غرض پادری صاحب تو وعظ میں مصروف تھے اور میں اپنی تاک میں تھا کہ ذرا بھیڑ کم ہو یا پادری صاحب کا سلسلۂ سخن[۹] منقطع ہو تو کتاب مانگوں۔ لیکن نہیں معلوم پادری صاحب کو میرے قیافے[۱۰] سے یا کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں کچھ اُن سے کہنا چاہتا ہوں۔ آپ ہی پوچھا کہ صاحبزادے تم کچھ مجھ سے کہو گے۔ میں نے کہا کہ آپ سب لوگوں کو کتابیں دیتے ہیں ایک کتاب مجھ کو بھی دیجیے۔" پادری صاحب۔ بہت خوب اس الماری میں سے تم ایک کتاب پسند کر لو۔ میں نے سنہری جلد کی ایک بڑی موٹی سی کتاب چھانٹی تو پادری صاحب نے کہا کہ مجھ کو اس کے دینے میں تو کچھ عذر نہیں لیکن تم اس کو پڑھ بھی سکو گے؟ کون سی کتاب تم پڑھتے ہو؟ میں نے کہا بہار دانش پادری صاحب: بھلا تمھارا آج کا

---

[۱] یعنی بہت سی کتابیں جمع کی ہوئی اُن کے ساتھ رہتی ہیں ۱۲ [۲] موٹی سی وصلی ۱۲ [۳] یعنی اپنے جی میں ۱۲ [۴] پیشانی میں شکن پڑنا خفگی کی تمہید ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اُن کو غصہ نہیں آتا تھا ۱۲ [۵] شریر ۱۲ [۶] مراد ہے مسخرہ ۱۲ [۷] یعنی عربی زبان میں ۱۲ [۸] اللہ کے مقبول بندے ۱۲ [۹] یعنی اس بات کی لڑی ٹوٹے اور ذرا چپ کریں ۱۲ [۱۰] چہرے کی وضع ۱۲

سبق میں بھی سُنوں گا۔ میں نے جزدان[۵۱] میں سے کتاب نکال پڑھنا شروع کیا۔ اُس دن کا سبق کمبخت ایسا فحش اور بیہودہ تھا کہ لوگوں کے مجمع میں مجھ کو اسکا پڑھنا دشوار تھا۔ بمشکل کوئی دو تین سطریں میں نے پڑھی ہونگی پادری صاحب نے فرمایا۔ بیشک تم نے جو کتاب پسند کی ہے اُس کو بخوبی پڑھ سکو گے اور وہ کتاب میں تمکو خوشی سے دیتا ہوں لیکن میں افسوس کرتا ہوں کہ کیوں میں نے تم کو ایسی کتاب پڑھنے کو کہا جس کے پڑھنے سے تم اور سننے سے میں اور یہ سب صاحب جو کھڑے ہوئے ہیں خدا کے گنہگار ہوئے خدا ہم سب کی خطا کو معاف کرے۔ اور تم چاہے میری دوسری بات مانو یا نہ مانو لیکن اس کتاب کو تو ضرور چھوڑ دو کہ اسکا مطلب تمھارے مذہب کے بھی بالکل خلاف ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا تمھارے حق میں بہت بہتر ہے۔ یہ کتاب جو تم پڑھتے ہو تم کو گناہ اور بُرائی سکھاتی اور بداخلاقی[۵۲] اور بیحیائی کی خراب راہ دکھاتی ہے۔ باوجودیکہ لوگ پادری صاحب کی ہر ہر بات کو کاٹتے تھے۔ مگر اس کو سب نے تسلیم کیا۔ پادری صاحب جو کتاب میں مانگ کر لایا اُس کا نام تو مجھ کو معلوم نہیں مگر سلیس[۵۳] اردو میں کسی خدا پرست اور پارسا[۵۴] آدمی کے حالات تھے گرچہ فی الواقع میں اُس کتاب کو جلد ہی کے لالچ سے لایا تھا لیکن میں نے کہا کہ لاؤ دیکھوں تو اس میں لکھا ہے کیا۔ چنانچہ میں نے اُس کو دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں میں اُس کو پڑھتا جاتا تھا میرا دل اُسمیں لگتا تھا اور اُس کی باتیں مجھ کو بھلی معلوم ہوتی جاتی تھیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا طرز[۵۵] زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہے اور میں روئے زمین پہ بدترین مخلوقات ہوں۔ اکثر اوقات مجھ کو اپنی حالت پر رونا آتا تھا اور گھر والوں کا وتیرہ دیکھ دیکھ کر مجھ کو ایک وحشت ہوتی تھی۔ یا تو میری کیفیت تھی کہ مصیبت مند لوگوں کو دیکھ کر ہنسا کرتا تھا یا اُس کتاب کی برکت سے دوسروں کی تکلیف کو میں اپنی تکلیف سمجھنے لگا۔ مکتب اپنے بہاروانش دونوں کو میں نے اُسیدن سلام[۵۶] کیا تھا جس روز کہ پادری صاحب نے مجھ کو نصیحت کی گھر میں اکیلا پڑا ہوا دن بھر اُسی کتاب کو دیکھا کرتا تھا۔ مکتب کے لڑکے چند بار[۵۷] مجھ کو بلانے آئے مگر میں نہ گیا آخر تو میاں جی[۵۸] صاحب تشریف لائے اور میں نے جی مضبوط کر کے اُن سے صاف کہدیا کہ مجھ کو پڑھنا منظور نہیں۔ آپ اُن دنوں کہیں تشریف لیگئے تھے۔ ایک روز نصیبوں کی شامت میں نہیں معلوم کہاں چلا گیا میری غیبت[۵۹] میں وہ کتاب کہیں بھائی جان کی نظر پڑ گئی اور شب برات[۶۰] کے کوئی چار پانچ دن باقی تھے کہ

۵۱ کتابوں کے رکھنے کا تھیلا ۱۲ ۵۲ یعنی بُری عادتیں اختیار کر لینے کی ۱۲ ۵۳ صاف آسان ۱۲ ۵۴ درویش نیک ۱۲ ۵۵ طور طریقہ ۱۲ ۵۶ مراد یہ ہے کہ چھوڑ دیا جیسے کوئی سلام کر کے رخصت ہو ۱۲ ۵۷ کئی دفعہ ۱۲ ۵۸ مکتب کے اُستاد ۱۲ ۵۹ بیٹھ پیچھے ۱۲ ۶۰ مسلمانوں کا مشہور تہوار جس میں آتشبازی چھوٹتی ہے یہ رمضان سے دو ہفتے پہلے ۱۲

بھائی جان کو پٹاخوں[1] کے واسطے ردی[2] درکار تھی کہ بے تامل کتاب کو چیر پھاڑ برابر کر دیا۔ میں نے آکر دیکھا
بہتیرا اُسے سمیٹا[3] کیا ہوتا تھا۔ دوڑا ہوا چوک گیا کہ پادری صاحب ہوں تو وہ سہ را نسخہ[4] لاؤں مگر معلوم ہوا کہ صاحب
آگرے چلے گئے ہیں کفِ افسوس[5] مل کر رہ گیا۔ بھائی صاحب کے دوستوں سے شکایت کی تو انھوں نے
کہا میاں شکر کرو کہ وہ کتاب پھٹ گئی نہیں تو تم کرستان ہی ہو گئے ہوتے۔ یہ جواب سنکر تو مجھ کو
ایک نئی حیرت پیدا ہوئی کہ اگر کرستان ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جنکا حال میں نے اس کتاب میں پڑھا
تو اِن کو بُرا سمجھنا کیا معنے۔ خیر چندے یہ خیالات رہے۔ اُس کے بعد تو میں مدرسے میں داخل ہوا اور دوسری
طرف متوجہ ہو گیا۔ اگر آپکے نزدیک میرے خیالات دین و مذہب سے کچھ علاقہ رکھتے ہیں تو یہ صرف اُس
کتاب کا اثر ہے ورنہ دین کا کوئی رسالہ بھی مجھ کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا" باپ[6] "اہل اسلام اور عیسائیوں
کے معتقدات میں کچھ اختلاف ہو پھر بھی جسقدر کہ عیسائیوں کا مذہب اسلام سے ملتا ہوا ہے اتنا کوئی دوسرا مذہب نہیں
ملتا قرآن میں کئی جگہ عیسائیوں اور اُن کے بزرگان دین قسیسوں[7] اور راہبوں[8] کی تعریف آئی ہے عیسائیوں کی نرم
دلی اور خاکساری[9] کی مدح کی ہے۔ انکی انجیل[10] کلام الٰہی ہے عیسائیوں کے ساتھ مواکلت[11] درست۔ مناکحت[12] روا۔ غرض
اسقدر مغایرت کہ اہل اسلام عیسائیوں کے ساتھ برتتے ہیں میں اسکو ٹھیک نہیں سمجھتا یہ اس ملک کے ہندوؤں کے اختلاط[13] کا
اثر ہے۔ افسوس ہے ہم مسلمانوں پر کہ ایسا عمدہ اور پاکیزہ اور مکمل اور بدیہی[14] مذہب رکھکر مطلقاً اُسکی قدر نہیں کرتے پادریوں کا سا
اہتمام تو کہاں نصیب ہوتا تھا اتنی بھی توفیق نہیں کہ اپنی اولاد کے دین مذہب کی تو خبر رکھیں۔ اولاد تو اولاد بہتیرے اپنے
ہی مذہب کا ٹھکانا نہیں۔ نام کے مسلمان اور عمل تو دیکھو تو بدتر از شیطان ہیں کسی دوسرے کو کیا الزام دوں کہ میں آپ
سب سے بدتر کمتر ہوں کیا یہ کچھ تھوڑی بات ہے کہ تمھاری اتنی عمر ہونے آئی اور بہتیرا ہی کچھ لکھا پڑھا بھی
مگر دین کی ایک ہی کتاب تمھاری نظر سے گزری وہ بھی عیسائیوں کی اور اتفاقیہ طور پر۔ خیر بہرکیف اِس
وقت جو ضرورت مجھ کو درپیش ہے مجھ کو یقین ہے کہ تمھارا اُس کتاب کا دیکھ لینا بھی اُس میں بہت کام آئے گا۔
ہمدردی کی جیسی کچھ تاکید ہے تم نے اُس کتاب میں دیکھا ہو گا" بیٹا "اگر وہ مذہبی کتاب تھی تو میں جانتا ہوں
کہ خاکساری و ہمدردی شرط عیسائیت ہے" باپ "شرط عیسائیت کیسی بلکہ شرط انسانیت ہے۔

---

[1] ایک قسم کی آتشبازی۔ کارتوس کی طرح کاغذ میں بارود بند کی ہوئی بارود کو آگ لگانے سے پٹاخا آواز دیتا ہے ۱۲ [2] بیکار کاغذ ۱۲
[3] جو کچھ بچایا۔ خستہ ہوا ۱۲ [4] نقل یعنی ویسی ہی دوسری کتاب ۱۲ [5] یعنی افسوس کے مارے بہتیرے ہاتھ ملے ۱۲ [6] عقیدے
مذہبی خیالات ۱۲ [7] عیسائیوں کے مولوی ۱۲ [8] عیسائی درویش تارک الدنیا ۱۲ [9] عاجزی و فروتنی ۱۲ [10] عیسائیوں کی
آسمانی کتاب کا نام ہے ۱۲ [11] ساتھ کھانا ۱۲ [12] آپس میں شادی بیاہ کرنا ۱۲ [13] میل جول ۱۲ [14] ظاہر جس کو بے دلیل
سمجھ میں آئے ۱۲

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت[1] کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں[2]

لیکن میں تم سے سننا چاہتا ہوں کہ تم اس فرض کی تعمیل کہاں تک کرتے ہو؟" بیٹا: "جناب شاید اگر میں اس کو پورا پورا کہہ سکوں تو مدرسے کا جو لڑکا مجھ سے کچھ پوچھنا یا پڑھنا چاہتا ہے میں اُس میں مطلق دریغ نہیں کرتا گو میرا ذاتی حرج بھی ہوتا ہو۔ امتحان سالانہ میں مجھ کو نقد روپے ملے تھے میں نے ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ محلے میں چند آدمی ہیں جن کو میں محتاج سمجھتا ہوں وقتاً فوقتاً اُن کو اُس میں سے دیتا رہا بلکہ ایک مرتبہ میں ایک وقت[3] میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔" باپ: "وہ کیا؟" بیٹا: "ایک مرتبہ عید کو ایک بڑی بھاری ٹوپی مجھ کو اماں جان نے بنا دی تھی وہی ٹوپی اوڑھے ہوئے میں خالہ جان کے یہاں جاتا تھا۔ میاں مسکین کے کوچے میں پہنچا تو بہت سے چپراسی پیادے ایک گھر کو گھیرے ہوئے تھے اور بہت سے تماشائی بھی وہاں جمع تھے۔ یہ دیکھ کر میں بھی لوگوں میں جا گھسا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت غریب بوڑھی سی عورت ہے، چھوٹے چھوٹے کئی بچے ہیں، سرکاری پیادے اُس کے میاں کو پکڑنے کے لیے جاتے ہیں اس واسطے کہ اُس نے کسی بنیئے کے یہاں سے اُدھار کھایا تھا اور بنیئے نے اُس پر ڈگری جاری کرائی تھی۔ وہ مرد کہتا تھا قرضہ واجب ہے، مگر میں کیا کروں اس وقت بالکل تہی دست[4] ہوں ہر چند اُس بے چارے نے بنیئے کی اور سرکاری پیادوں کی بہتیری خوشامد کی مگر نہ بنیا مانتا تھا نہ پیادے باز آتے تھے اور پکڑے لیے جاتے تھے۔ لوگ جو وہاں کھڑے تھے انھوں نے بنیئے کو کہا لالہ جی اتنا تم نے اتنے دنوں صبر کیا اس پانچ روز اور صبر کر جاؤ تو بنیا بولا اچھی کہی، میاں جی اچھی کہی، پہلے کل تاؤ[5] آئے اور پرسوں[6] کی ٹال مٹول، پچھواں ہوئے ابھی تو کہاں سا... کی ابھی اتروائے لیتا ہوں وہ شخص جو یہ داد کرتا چاہے تھا غریب تو تھا لیکن غیرت مند تھا۔ بنیئے نے جو غیرت[7] آمیز لفظ کہا تو اس کا منہ سرخ ہو گیا اور گھر میں سے تلوار نکال لایا، چاہتا تھا کہ بنیئے کا سر الگ کر دے کہ اُس کی بیوی اُس کے پیروں سے لپٹ گئی اور رو کر کہنے لگی کہ خدا کے لیے کیا غضب کرتے ہو! اگر تمھارا یہی قصد ہے تو پہلے مجھ کو اور بچوں کا ساتھ صفا[8] کرو۔ کیوں کہ تمھارے بعد ہمارا تو کہیں بھی ٹھکانا نہیں۔ ماں کو روتا دیکھ بچے اس طرح ڈاڑھیں[9] مار مار کر روئے کہ میرا دل ہل گیا اور دوڑ کر سب باپ کو لپٹ گئے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر پیادوں کو بھی

---

۱ بندگی، عبادت ۱۲ ۲ فرشتے ۱۲ ۳ مشکل ۱۲ ۴ خالی ہاتھ، مفلس ۱۲ ۵ مراد ہے اُن کے نام لکھا ہوا قرضہ ۱۲
۶ روزہ ۱۲ ۷ خدانخواستہ ۱۲ ۸ غیرت ۱۲ ۹ مارے غصے کے ۱۲ ۱۰ پکار کر رونے کو ڈاڑھیں مارنا
کہتے ہیں ۱۲

بھی ٹھنڈے[1] ہوئے اور تلوار کو میان کر کھونٹی سے لٹکا دیا اور بی بی سے کہا اچھا تو نیک بخت مجھ کو اس بھرتی سے بچنے کی کوئی تدبیر بتا۔ بی بی نے کہا۔ بلا سے جو چیز گھر میں ہو اُس کو دے کر کسی طرح اپنا پنڈا چھڑاؤ[2]۔ تم کسی طرح رہ جاؤ تو پھر جیسی ہوگی دیکھی جائے گی۔ توا چلی۔ پانی پینے کا کٹورا نہیں معلوم کن وقتوں کی ہلکی پھلکی بے قلعی دو پتیلیاں بس یہی اُس گھر کی کائنات[3] تھی۔ چاندی کی دو دو چوڑیاں لیکن ایسی پتلی جیسے تار اُس نیک بخت عورت کے ہاتھ میں تھیں۔ یہ سب سامان خانصاحب نے باہر لا کر اُن بنیئے کے روبرو رکھ دیا اول تو بنیا اُن چیزوں کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا تھا۔ لوگوں نے بہت کچھ کہا سنا یہاں تک کہ اُن سرکاری پیادوں کو بھی رحم آیا، اُنہوں نے بھی بنئے کو سمجھایا۔ بارے خدا خدا کر کے وہ اسباب پر رضامند ہوا کہ پانچ روپئے اصل اور دو روپئے سود ساتوں کے ساتوں دیدیں تو فارغ خطی[4] لکھدے۔ لیکن خان صاحب کا کل اثاثہ[5] چار ساڑھے چار سے زیادہ کا نہ تھا۔ تب پھر گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ڈھائی روپئے کی کسر[6] ہے تو بی بی نے کہا اب کوئی چیز بھی میرے پاس نہیں۔ اس لڑکی کے کانوں میں چاندی کی بالیاں ہیں دیکھو جو اِن کو ملا کر پوری پڑے۔ وہ لڑکی کوئی چھ برس کی تھی یوں سمجھو جتنی ہماری حمیدہ ماں جو لگی اُس کی بالیاں اُتارنے تو وہ لڑکی اس حسرت[7] کے ساتھ روئی کہ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے دل میں کہا کہ الٰہی اسوقت مجھ سے کچھ بھی اِس کی مدد نہیں ہو سکتی! فوراً خیال آیا کہ ایک روپیہ اور کوئی دو آنے کے پیسے تو نقد میرے پاس ہیں دیکھوں ٹوپی بک جائے تو شاید خانصاحب کا سارا قرضہ[8] چک جائے بازار تو قریب تھا ہی فوراً میں گلی کے باہر نکل آیا۔ وہاں تو سر کو لپیٹ لیا اور ٹوپی ہاتھ میں لے ایک گوٹے والے کو دکھائی اُس نے چھ کی آنکی[9] ہم نے بھی جھٹ ہی کہا لا یا سے چھ ہی سہی۔ غرض چھ وہ اور ایک میرے پاس نقد تھا ہی، ساتوں روپیہ لے میں نے چپکے سے اُس عورت کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ تب تک پیادے خانصاحب کو گرفتار کر کے لیجا چکے تھے اور گھر میں رونا پیٹنا مچ رہا تھا۔ دفعۃً[10] روپے سات روپیے ہاتھ میں دیکھ اُس عورت پر ایک شادی مرگ[11] کی سی کیفیت طاری ہو گئی[12] اور اُس خوشی میں اُس نے کچھ نہیں سوچا کہ یہ روپیہ کیسا ہے اور کس نے دیا ہے۔ فوراً اپنے ہمسایہ کو روپئے دیکر دوڑایا اور خود بچوں سمیت دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ بات کی بات میں خانصاحب چھوٹ آئے تو بچوں کو کیسی خوشی کہ کودے اُچھلیں

---

[1] غصہ دھیما پڑا ۱۲ [2] بچنا ۱۲ [3] موجودات ۱۲ [4] کاغذ جس میں لکھا ہوتا ہے کہ اب ہمارا لینا کچھ باقی نہیں ۱۲
[5] سامان ۱۲ [6] کمی ۱۲ [7] افسوس ۱۲ [8] تمام و کمال ادا ہو جانے ۱۲ [9] یعنی ٹوپی کو چھ روپیہ کا بتایا ۱۲ [10]
یکایک ۱۲ [11] دفعۃً بہت خوشی پہنچنے سے مرجانا ۱۲ [12] چھا گئی ۱۲

کبھی باپ کے کندھے پر اور کبھی ماں کی گود میں اور کبھی ایک پر ایک۔ اب اُس عورت کو میرا خیال آیا اور بچوں سے
بولی کم بختو! کیا اودھم[1] مچائی ہو (اور میری طرف اشارہ کر کے کہا) دعا دو اس اللہ کے بندے کی جان و مال کو
جس نے آج باپ کی اور تم سب کی جانیں رکھ لیں۔ نہیں ٹکڑا بھی مانگا نہ ملتا۔ کوئی چچا یا ماموں بیٹھا تھا کہ
اُس کو تمہارا درد ہوتا اور اس مصیبت کے وقت تمہاری دستگیری[2] کرتا؟ صرف ایک باپ کے دم کا سہارا
ہے کہ اللہ رکھے اُس کے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں تو محنت سے مزدوری سے خدا کا شکر ہے روکھی سوکھی روز کے
روز دو وقت نہیں تو ایک ہی وقت ملے تو جاتی ہے۔ ہمارے حق میں تو یہ لڑکا کیا ہے رحمت کا فرشتہ ہے۔
نہ جان نہ پہچان، نہ رشتہ نہ ناتا، اور اس اللہ کے بندے نے بھر مٹھی روپے دیکر آج ہم سب کو نئے سر سے زندہ
کیا وہ بچے جس شکر گزاری کی نظر سے مجھ کو دیکھتے تھے اُس کی مسرت[3] اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں
روپیہ خرچ کرنے کے بعد مجھ کو عمر بھر ایسی خوشی نصیب نہیں ہوئی جیسی کہ اُس دن تھی۔ مگر دونوں میاں بی بی کے
ذہن میں اُس وقت تک بات نہیں آئی تھی کہ میں نے روپیہ اُن کو دیدیا۔ وہ سمجھے تھے کہ قرض کے طور پر دیا ہے
میں تو کھسکنے[4] کو تھا مگر وہ عورت زبردستی مجھ کو اپنے گھر میں لے گئی اور ٹوٹی سی ایک چوکی پڑی تھی میں ہر چند
منع کرتا رہا جلدی سے اُس کو اپنے ڈوپٹے سے جھاڑ مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میاں سے بولی۔ نوج[5] کوئی
تم جیسا بیخبر ہو، کھڑے کیا ہو۔ جاؤ ایک گلوری[6] بازار سے میاں کے لئے بنوا لاؤ۔ میں نہیں نہیں میں پان نہیں
کھاتا تکلیف مت کرو۔ عورت۔ بیٹا۔ تمہاری خدمت میں اور ہم کو تکلیف! جی چاہتا ہے کہ آنکھیں تمہارے
تلووں میں بچھا دوں۔ قربان اس پیاری پیاری صورت کے۔ نثار[7] اس بھولی بھولی شکل کے۔ بیٹا تم یہ بتاؤ
کہ تم ہو کون؟ میں۔ میری خالہ میاں صابر بخش کی سرائے میں رہتی ہیں۔ عورت۔ پھر بیٹا یہ اپنا روپیہ تم ہم سے
کب لو گے؟ ہم اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹیں گے اور تمہارا قرضہ سب سے پہلے ادا کریں گے مگر کام ان دنوں
مندا[8] ہے۔ دینگے تو ہم جس طرح بن پڑے گا وہی مہینے میں۔ مگر جہاں تم نے اتنی مہربانی کی ہے واللہ اتنا سلوک
اور کرو کہ دو روپیہ مہینہ قسط کا سے لیا کرو۔ میں۔ آپ روپے کے ادا کرنے کا کچھ فکر نہ کیجئے میں نے لینے کی نیت
نہیں دیا۔ یہ سن کر تمام خاندان کا خاندان اتنا خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور میں اُن میں اس
وقت[9] کیسا تھا بیٹھا ہوا تھا جیسے خوش دل اور شکر گزار رعایا میں[10] کوئی بادشاہ۔ یا حلقۂ[11] مریدان ارادتمند میں

[1] غل شور ۱۲ [2] لفظی معنی ہاتھ پکڑنا مراد ہے مدد کرنا ۱۲ [3] خوشی ۱۲ [4] چپکے چل دینا ۱۲ [5] عورتوں کی بولی ہے شاید نہ
ہو جیسا کا نوج بن گیا ہو ۱۲ [6] پان کا بیڑا ۱۲ [7] قربان ۱۲ [8] عربی میں اس کا ٹھیک ترجمہ کاسد یعنی کام چلتا نہیں ۱۲ [9]
عزت ۱۲ [10] گھیرا جیسے شاگرد استاد کے پاس گھیرا باندھ کر بیٹھتے ہیں ۱۲ [11] اگر یہ بد شغل خلاف سے خدا کی راہ کی تعلیم پائے تو نذید مرید اصحاب
[12] عقیدتمند ۱۲

کوئی پیر و مرشد۔ اُس عورت کے مُنھ سے مارے خوشی اور شکر گزاری کے بات نہیں نکلتی تھی۔ بار بار میری بلائیں لیتی تھی اور میرے ہاتھوں کو چومتی اور آنکھوں کو لگاتی تھی۔ اُس کی بلاؤں میں رومال سر پر سے کھسک گیا تو اُسنے دیکھا کہ میرے سر پر ٹوپی نہیں۔ پوچھا تو مجھ کو کہنا پڑا کہ وہی ٹوپی بیچ کر میں نے روپیہ دیا۔ پھر تو اُسکا یہ حال تھا کہ بچھی[۵۱] جاتی تھی۔ سات روپے کی بھی کچھ حقیقت تھی مگر اُسنے مجھکو سینکڑوں ہزاروں ہی دعائیں دی ہوں گی۔ اُس نے جو اتنی احسانمندی[۵۲] ظاہر کی میں اُلٹا اُسکا ممنون ہوا جسقدر وہ خوشآمد کرتی تھی میں شرمندہ ہوتا تھا اور وہ جتنا عاجزی سے پیش آتی تھی میں زمین[۵۳] میں گڑا جاتا تھا۔ غرض میں وہاں سے رخصت ہوا تو ٹوپی نہ ہونے کی وجہ سے سیدھا گھر لوٹ آیا۔ عین گلی میں بھائی جان سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے میری ہیئت کذائی[۵۴] دیکھ کر تعجب کیا اور پوچھا کہ ایں۔ کیا ٹوپی کے بدلے چنے لے کھائے۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا اس واسطے کہ مجھ کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ شام کو بھائی جان سے اور اماں جان سے تکرار ہوئی۔ بھائی جان کچھ روپے مانگتے تھے اور اماں جان کہتی تھیں بیٹا ان فضول خرچیوں سے گھر کے دن چلے گا[۵۵]؟ لو پرسوں میں نے تم کو چار روپے دیئے تم نے چاروں کے چاروں برابر کئے۔ ناخن بھر چیز تم گھر میں لائے ہو تو بتا دو۔ اتنا چٹورپن، ایسا اسراف[۵۶]! بھائی جان نے کہا میں چٹورا نہیں ہوں چٹورے تمھارے منجھلے صاحبزادے ہیں جن کو تم بڑا مولوی سمجھتی ہو کہ سر کی ٹوپی تک بیچ کر کھا گئے۔ اماں جان نے مجھ کو بلا کر پوچھا۔ میں نے کہا کہ اگر بیچ کر کھا جانا ثابت ہو جائے تو چور کی سزا وہ میری سزا۔ اماں جان: پھر کیا کہیں کھو دی؟ میں: کھوئی بھی نہیں۔ اماں جان: بھائی تو تو عجب تماشے کا لڑکا ہے۔ بیچی نہیں، کھوئی نہیں۔ پھر ٹوپی گئی تو کہاں گئی۔ میں: اگر آپ کو میری بات کا اعتبار ہو تو بس سمجھ لیجیئے کہیں بے کہیں بیجا طور پر صرف نہیں کیا۔ اماں جان: اگر یہی تمھارے لچھن ہیں تو تم نے پڑھ لکھ کر ڈبو دیا۔ میں اُس وقت عجیب مشکل میں مبتلا تھا۔ ظاہر کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور بے ظاہر کیے بن نہیں پڑتی تھی گویم مشکل[۵۷] وگرنہ گویم مشکل۔ مگر مجھ کو یقین تھا کہ جب میرا معاملہ پاک صاف ہے تو گو بالفعل بھائی جان کے کہنے اور میرے چپ رہنے سے اماں جان کو ایک بدگمانی سی ہو گئی ہے لیکن کبھی نہ کبھی خود بخود اُنکے دل کا خدشہ[۵۸] دفع[۵۹] ہو ہی جائیگا اور کچھ نہ ہو گا تو میرے اگلے پچھلے فعلوں کو دیکھ کر اتنا تو جی میں سمجھ لیں گی کہ بیٹا

۵۱ یعنی خوشامد کے مارے جھکی جاتی تھی ۱۲ ۵۲ احسانمند ۱۲ ۵۳ یعنی مارے شرمندگی کے ۱۲ ۵۴ صورت موجودہ کہ ننگے سر چلا جا رہا تھا ۱۲ ۵۵ محاورے کا لفظ ہے معنی مقصود نہیں ۱۲ ۵۶ فضول خرچی ۱۲ ۵۷ کہوں تو مشکل نہ کہوں تو مشکل ۱۲ ۵۸ کھٹکا ۱۲ ۵۹ دور ۱۲

بدراہ نہیں ہی نہیں معلوم ٹوپی کا کیا بھید ہے۔ سو خدا کی قدرت ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ صالحہ بیمار پڑی تو اماں جان اس کی عیادت کو گئیں، میں اُن کے ساتھ تھا۔ ابھی اماں جان سواری سے نہیں اُتری تھیں کہ اُدھر سے وہی خانصاحب چلے آرہے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر دور ہی سے دعائیں دینے لگے اور ایسے تپاک[1] اور دلسوزی کے ساتھ میری خیر و عافیت پوچھی کہ جیسے کوئی اپنا بزرگ اور اپنا عزیز دریافت حال کرتا ہے۔ خیر میں نے مناسب حالت جواب دیا۔ اماں جان آخر یہ سب باتیں پردے کے اندر بیٹھی ہوئی سن رہی تھیں۔ اُترنے کے ساتھ ہی مجھ سے پوچھا۔ علیم۔ یہ کون شخص تھا جو تم سے باتیں کرتا تھا۔ میں: ایک خانصاحب ہیں اور میاں مسکین کے کوچے میں رہتے ہیں۔ بس میں اسی قدر جانتا ہوں۔ اماں جان: لیکن یہ باتیں تو تم سے ایسے گرویدہ[2] ہو ہو کر کرتے تھے کہ گویا برسوں کی جان پہچان ہے۔ میں: نہیں شاید ان کو میرا نام بھی معلوم نہیں۔ اماں جان: پھر تمہارے ساتھ ایسے خلوص[3] سے پیش آئے۔ میں: بعض لوگوں کا دستور ہوتا ہے کہ ذرا سے تعارف[4] میں بھی بڑے تپاک کے ساتھ پیش آیا کرتے ہیں۔ اگرچہ میرے جواب سے اماں جان کی تشفی[5] نہیں ہوئی مگر اُن کو اندر جانے کی جلدی تھی چلی گئیں۔ خانصاحب نے کہیں اپنے گھر میرا تذکرہ کیا ہوگا۔ میں تو گھر چلا آیا مگر غالب ہے کہ اُن کی بیوی اماں جان کے پاس گئیں اور میرے اس ٹوپی بیچنے اور روپیہ دینے کا تمام ماجرا بیان کیا۔ پھر جو اماں جان آئیں تو مجھ سے کہنے لگیں علیم ہم نے تمہاری چوری آخر پکڑ ہی پکڑی۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ میری چوری! اماں جان: جی ہاں چوری۔ میں: بھلا میں بھی سنوں۔ اماں جان: کیوں تم پہلے ٹوپی کا حال بتاؤ تب مجھ سے اپنی چوری کی حقیقت سنو۔ اتنا کہنے سے میں سمجھ گیا اور ہنس کر چپ ہو رہا۔ باپ: بیشک جتنی باتیں تم نے بیان کیں داخل ہمدردی ہیں۔ خصوصاً خانصاحب کا قصہ ہمدردی کی ایک اعلیٰ درجے کی مثال ہے لیکن چشمے[6] سے پہلے وہ مقامات سیراب[7] ہونے چاہئیں جہاں سے وہ چشمہ نکلا ہے اسی طرح پہلے اپنے عزیز اقارب نیکی اور سلوک کے مستحق ہیں۔ بیٹا: میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے قریب کے رشتہ دار میرے سلوک کے حاجتمند نہیں ہیں اور خدا نے اُن کو مجھ سے بے نیاز[8] اور مستغنی[9] کیا ہے۔ باپ: کیا سلوک صرف روپیہ پیسے ہی کے دینے سے ہوتا ہے۔ بیٹا: میں تو ایسا ہی سمجھتا تھا۔ باپ: نہیں۔ جو جس چیز کا حاجتمند ہو اس کی

[1] بڑے درجے کا شوق ۱۲ [2] ریجھا ہوا ۱۲ [3] سچی محبت ۱۲ [4] جان پہچان ۱۲ [5] تسلی ۱۲ [6] پانی کا سوتا ۱۲
[7] یعنی اُن مقامات کو پانی دیا جانا چاہیئے ۱۲ [8] و ۱۲ [9] بے پروا ۱۲

رفع حاجت[1] کرنا ہمدردی اور نفع رسانی[2] ہے۔ ہمارا خاندان دینداری سے بے بہرہ[3] اور خداشناسی سے بے
نصیب ہے۔ اور شیوۂ[4] خدا پرستی میں ہر ہر متنفس[5] کو تعلیم و تلقین کی حاجت اور وعظ و نصیحت کی ضرورت
ہے۔ تم نے اس فرض کو ادا کرنا تو درکنار[6] ابھی تک فرض ہی نہیں سمجھا" بیٹا: "آپ بجا فرماتے ہیں مجھ سے بڑی
غلطی ہوئی" باپ: "اور تم سے کہیں زیادہ غلطی میری ہے۔ بہرکیف اب بھی تلافی مافات[7] کرنی ضرور ہے
اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے گھر میں کسی کو ناگفتنی طور پر زندگی بسر کرنے نہ دوں۔ اگرچہ میں اس
بات کو نہایت حسرت اور افسوس کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ اب اصلاح کا وقت باقی نہیں اور میرا عزم[8] بے
ہنگام[9] ہے لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں کامیابی کی بہت کچھ امید کر سکتا ہوں۔" بیٹا: "انشاء اللہ آپ
مجھ کو نافرمان بیٹا اور ناخلف[10] فرزند نہیں پائیں گے۔ مگر مجھ کو حیرت ہے کہ میں آپ کی کیا مدد کر سکوں گا"
باپ: "تمہارا یہی مدد کرنا ہے کہ بس تم دینداری کا نمونہ بن جاؤ۔ اور اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تم
نے بضرورت امتحان مدتی توبہ کر رکھی ہے لیکن مناسب ہے کہ گنجفہ، شطرنج، کبوتر، کنکوا، بٹیر، مرغ
تمام مشاغل لایعنی کے ترک[11] کا عہد واثق[12] کرو" بیٹا: "یہ تو سراسر میری منفعت کی بات ہے۔ اور اگر میں
اس امر میں کسی طرح کا انکار کروں تو آپ کی نافرمانی، اپنی خرابی، خدا کا گناہ، دنیا کی بدنامی، عاقبت کی رسوائی[13]
کون سی چیز ہے جو اچھا نہیں۔ اور اگر بالفرض آپ کوئی ایسی بات بھی فرماتے جس میں میرا نقصان ہوتا تاہم
مجھ کو سوائے [illegible] کیا چارہ تھا۔ بندہ اور خدا، غلام اور مالک، رعیت اور بادشاہ، نوکر اور آقا
شاگرد اور استاد، بیٹا اور باپ میں تو جانتا ہوں یہ سب کچھ ایک ہی طرح کی نسبتیں ہیں اور میں وعدہ
کرتا ہوں کہ انشاء اللہ میرا طرز زندگی آئندہ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کو منظور ہے" باپ: "بارک اللہ[14] جزاک اللہ
تم نے آج مجھ کو مطمئن کر دیا۔ خدا دنیا اور دین دونوں میں سرخرو رکھے۔ اچھا اب جاؤ اپنا کام کرو
ذرا اپنے بڑے بھائی کو میرے پاس بھیج دینا" بیٹا: "شاید آپ ان سے بھی گفتگو کرنی چاہتے ہیں
اور وہ ضرور ہے" بیٹا: "اگر بالفعل ان سے گفتگو نہ ہوتی تو میرے نزدیک بہتر تھا" باپ: "تم کو
خوف بے جا نہیں ہے۔ میں کئی دن سے اس بات میں غور کر رہا ہوں آخر کار یہی تجویز ٹھیری کہ

۱؎ حاجت روا کرنا ۱۲ ۲؎ نفع پہنچانا ۱۲ ۳؎ بے نصیب ۱۲ ۴؎ طریقہ ۱۲ ۵؎ ایک ایک فرد ۱۲ ۶؎ ... ۷؎ بات فوت
ہو گئی اس سے جان ... اس کا بدل ۱۲ ۸؎ ارادہ ۱۲ ۹؎ بے وقت ۱۲ ۱۰؎ نالائق ۱۲ [illegible]
[illegible]

ایک دفعہ مجھ کو رُو در رُو اتمامِ حجت کر دینا ضرور ہے۔"

نصوح نے بڑے بیٹے کلیم کو بلایا اور ہر چند فہمیدہ اور علیم دونوں نے سمجھایا مگر وہ نہ آیا پھر نہ آیا

غرض علیم رخصت ہو کر مردانے مکان میں گیا تو میاں کلیم کو پیغامِ طلب جا سنایا۔ کلیم: "کیا ہے؟ خیریت تو ہے؟ آج کل تو ہم لوگوں پر بڑی عنایت ہے۔" علیم: "بھلا کبھی عنایت نہیں بھی تھی؟" اتنے میں سلیم بھی دروازے سے نمودار ہوا۔ مگر اس سے پہلے وہ اپنا سر منڈوا چکا تھا۔ اور اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو بڑے بھائی جان دیکھ لیں چاہتا تھا کہ چپکے چپکے دبے پاؤں گھر میں گھس جائے لیکن جوں ہی بچارے نے دروازے کے اندر قدم رکھا تھا کہ کلیم نے آواز دی۔ سلیم تو بھائی کی آواز سنکر کانپ اٹھا اور سمجھا کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ مگر منجھلے بھائی کو بیٹھا دیکھ کر کسی قدر دم میں دم آیا اور پاس آ کر بے پوچھے کہنے لگا کہ ابا جان کے حکم سے میں نے آج بال منڈوا دیئے۔ بڑا بھائی (منجھلے کی طرف مخاطب ہو کر): "صورت ببیں حالش مپرس۔ ایک شفقتِ پدری تو یہ ہے کہ بچارے کی اچھی خاصی صورت کو لے کر بگاڑ دیا اور برسوں کی کمائی خاک میں ملا دی۔"

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

"کیوں سلیم! تمہارا دل تو بالوں کے واسطے بہت کڑھا ہوگا؟" چھوٹا بھائی: "میں تو خود ایک مدت سے بالوں کے منڈوا دینے کی فکر میں تھا۔ بلکہ شاید آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ سر کھول کر حجام کے روبرو بیٹھ گیا تھا۔ آپ خفا ہونے لگے تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔" بڑا بھائی: "ہاں اب مجھ کو یاد آیا کہ تمہارے اُن چار یاروں نے جن کو میں مکر و فریب کے عناصرِ اربعہ سمجھتا ہوں تم کو بہکا دیا تھا۔ بھلا ایسے کوڑھ مغزوں کو کالج میں پڑھنے سے کیا فائدہ ہے؟"

صحبتِ عیسیٰ بنائے خر کو انساں کس طرح
تربیت واقعی نا اہل دانا کب بنے

ے اپنی طرف سے اس کو سمجھا دینا کہ کل کو مجھ پر کوئی بات نہ آئے ۱۲ ؎ بلانے کا پیغام ۱۲ ؎ مہربانی ۱۲ ؎ ظاہر ہوا ۱۲ ؎ آہستہ پاؤں کی آواز نہ نکلے ۱۲ ؎ یہ کہاوت ہے ۱۲ ؎ محبت بندھی ۱۲ ؎ صورت ہی دیکھ لو حال کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ؎ باپ کی محبت ۱۲ ؎ آب خاک باد و آتش ... جن کو مکر و فریب کے بنیادی عناصر سمجھتا ہوں ۱۲ ؎ احمق بے عقل ۱۲

بڑا بھائی: "ابا جان نے ابھی بیماری سے اُٹھ کر کہی یا کبھی پہلے بھی کہی تھی؟" چھوٹا بھائی: "نہیں پہلے تو کبھی کچھ نہیں کہا۔" بڑا بھائی: "پھر سمجھ لو کہ ابا جان کو خلل[۱] دماغ ہے میں نے تو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ ڈاکٹر نے جو اسہال بند کرنے کی دوا دی ہے بخرے[۲] دماغ کو چڑھ گئے ہیں۔" منجھلا بھائی: "یہ کیسی بات آپ کہتے ہیں؟ ابھی میں ابا جان کے پاس سے چلا آتا ہوں۔ دو گھنٹے تک برابر مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ میرے نزدیک تو اُن کے خیالات پہلے سے کہیں عمدہ اور معقول ہو گئے ہیں۔" بڑا بھائی: "سنتا ہوں کہ ان دنوں نماز بہت پڑھا کرتے ہیں۔" منجھلا بھائی: "تو کیا اسی کو آپ نے خلل دماغ قرار دیا؟" بڑا بھائی: "یہ کیا خلل دماغ کے سر[۳] میں سینگ لگے ہوتے ہیں۔ بیمار ہو کر اُٹھے تھے کوئی بڑا بھاری جلسہ[۴] کرتے کہ شہر میں نام ہو جاتا اُٹھے بھی تو اونگھتے ہوئے دو چار مرتبہ میں نے اُن کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے یہ نوری جلا! تو امام[۵] بنتا ہو اور محلے کے سقّے۔ حجام۔ کنجڑے۔ مسجد کے مسافر۔ اس قسم کے لوگ اس کے مقتدی[۶] ہوتے ہیں۔ اور اُن ہی میں یہ حضرت بھی ہوتے ہیں بھائی میں تو تم سے سچ کہوں یہ دیکھ کر مجھ کو اتنی شرم آئی کہ میں نے ادھر کا رستہ چلنا چھوڑ دیا اور یہ مُلّانے جو خدا کی قدرت ہمارے ابا جان کے ہمنشین[۷] بنے ہیں اسقدر تو ذلیل اوقات ہیں کہ دعوت کے لقموں اور مسجد کی روٹیوں پر تو اُن کی گزر ہے مگر مغرور بھی پرلے ہی سرے کے ہوتے ہیں کبھی راہ میں مٹھ بھیڑ[۸] ہو جاتی ہے تو خیر یہ مجال نہیں کہ سلام نہ کریں لیکن اتنے بڑے تَتّے کہ نہ بندگی، نہ آداب، نہ تسلیم، دور ہی سے السلام علیکم کا پتھر کھینچ کر مارتے ہیں۔ ہاتھ یہ نہیں اُٹھاتے سر یہ نہیں جھکاتے، اور اس پر طُرّہ[۹] یہ کہ دس قدم سے مصافحہ کو ہاتھ پھیلا کر لپکتے ہیں یہ[۱۰] درازدستی ایسی کوتاہ آستیناں ہیں۔" تسلیم تم کو صرف سر ہی منڈانے کا حکم تھا یا نماز کی بھی ہدایت ہوئی ہے۔ چھوٹا بھائی: "جناب نماز کیلئے تو سخت تاکید کی کہ خبردار کسی وقت کی قضا نہ ہونے پائے اور اس کے علاوہ کنکوا اُڑانا شطرنج کھیلنا۔ جانوروں کی لڑائی میں شریک ہونا جھوٹ بولنا قسم کھانا بیہودہ بات بکنا۔ بُرے لڑکوں میں بیٹھنا۔ ان سب باتوں سے منع کیا ہے۔" بڑا بھائی: "کیوں نہیں تم سے ایک ہی بات کہہ دی کہ مر رہو۔" منجھلا بھائی یہ جملہ سن کر بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا "کیا آپ کے

[۱] جنون ۱۲ [۲] بھاپ - پیٹ بھی گویا ایک طرح کی ہنڈیا ہے جس سے بھاپ اُٹھ کر سر کو چڑھتی ہے ۱۲ [۳] محاورہ ہے ۱۲ [۴] تعلیم کی مراد ہے ناچ ۱۲ [۵] آگے کھڑا ہو کر جو شخص سب کو نماز پڑھائے ۱۲ [۶] امام کے پیچھے کھڑے ہو کر جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ۱۲ [۷] پاس کے بیٹھنے والے ۱۲ [۸] آمنا سامنا ۱۲ [۹] باقی۔ اصل میں وہ دوپٹہ کا کپڑا جو پگڑی میں لٹکتے ہیں ۱۲ [۱۰] چھوٹی آستین والوں کی زبانی تو دیکھو۔ مولوی لوگ لمبی آستین رکھا کرتے ہیں کہ کپڑا کسی چیز میں باہر لٹکتے رہیں ۱۲

نزدیک ان شرطوں کی تعمیل کرنا اور مرنا دونوں برابر ہیں؟ بڑا بھائی: تب تمام کھیلوں کی ممانعت اور لوگوں سے ملنے اور بات کرنے کی بندی ہوئی تو تم ہی انصاف کرو کہ ایسے جینے اور مرنے میں کیا امتیاز ہو سکتا ہے

زندگی زندہ دلی کا نام ہے مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

منجھلا بھائی: میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری بالفعل کی زندگی کی نسبت اس طرح کی زندگی میں جو ابا جان تعلیم کرتے ہیں روحی مسرت زیادہ ہو۔ اگرچہ میں کھیل کود کی چیزوں میں خصوصاً ان دنوں کم مصروف ہوتا ہوں اس واسطے کہ مدرسے کے کام سے فرصت نہیں ملتی مگر جتنا مصروف ہوتا ہوں اس سے سوائے کوفت[۵۱] اور کبیدگی[۵۲] کے میں تو کوئی نتیجہ نہیں دیکھتا۔ رہا یار دوستوں کا مشغلہ، سو میں ان میں سے کسی کو کسی کا دوست نہیں سمجھتا۔ بھلا کوئی دوا ایسی بتائیے جن میں ہر روز تو تو میں میں[۵۳] کی نوبت نہ پہنچتی ہو۔ بڑا بھائی: پھر بھی یہ لوگ ان حماموں اور کنجڑوں اور مسجد کے مسافروں سے بہتر ہیں جو نمازیں پڑھ پڑھ کر شریف بننا چاہتے ہیں۔ ~~۵~~ زنہار ازاں قوم نباشی[۵۴] کہ فریبند حق را بسجودے و نبی را بہ درودے

منجھلا بھائی: اگر شریف ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ ہم اور ہمارے یار دوست ہیں تو میرے نزدیک ایسی شرافت پر کوئی معقول پسند آدمی ناز[۵۵] نہیں کر سکتا۔ بھلا کونسی بیہودگی ہے جو ہم لوگ نہیں کرتے خصوصاً جب کہ اکٹھے ہوں؟ کسی قسم کی بے تہذیبی ہو جس کے مرتکب[۵۶] نہیں ہوتے خاص کر اس وقت کہ ایک دوسرے سے ملیں؟ دھول دھپا، لام کاف،[۵۷] چھیڑ چھاڑ، مار کٹائی، دھینگا مشتی،[۵۸] ہاتھا پائی، کس خاص چیز کا نام لوں۔ ایک علیحدہ اور دنیا بھر کی تفضیح۔ ایک مجمع اور زمانے بھر کی رسوائی۔ نام کے شریف اور پاجیوں کی سی عادت کہنے کو بھلے مانس اور بازاریوں جیسی طبیعت۔ بڑا بھائی: چلو تمہیں معلوم ہوتا ہے کہ تم تو بیعت[۵۹] کرنے کو تیار بیٹھے ہو۔ منجھلا بھائی: تیار کیسا ابھی تو بیعت کئے چلا آتا ہوں۔ بڑا بھائی: سلیم تم اپنی کہو۔ چھوٹا بھائی: جناب میں ان سے پہلے منڈ چکا ہوں۔ بڑا بھائی: تمہارا منڈنا نانا نہیں۔ تمہارا معاملہ ہیچ در[۶۰] لستانی بستم میرے۔ کا معاملہ ہے مگر (منجھلے بھائی کی طرف اشارہ کرکے) ان کو تو لڑا تو انھوں نے اپنے نزدیک بڑا کفر توڑا۔ رہ گیا اکیلا میں۔ منجھلا بھائی: آپ اسی وقت

---

۵۱ طبیعت کی خستگی یعنی ملال ۱۲ ۵۲ رنجیدگی ۱۲ ۵۳ مراد ہے زبانی تکرار ۱۲ ۵۴ خبردار ان میں جا کر بیٹھنا جو سجدہ کر کے خدا کو اور درود بھیج کر پیغمبر کو دھوکا دینے کی فکر میں ہیں ۱۲ ۵۵ گھمنڈ ۱۲ ۵۶ یعنی ہم سے سرزد نہیں ہوتے تم لوگ کونہیں کرتے ۱۲ ۵۷ مراد ہے گالی گلوچ ۱۲ ۵۸ ہاتھا پائی اور لڑائی ۱۲ ۵۹ جب کسی کو مرید کرتے ہیں تو بیعت کے ہاتھ میں مرید ہاتھ دے کر قول کرتا ہے کہ خدا کی راہ میں ثابت قدم رہوں گا یہ بیعت ہے ۱۲ ۶۰ اگر کچھ لو تو سیر دستی دیا جاتا ہے

تک کھیلے ہیں کہ ابا جان تک نہیں پہنچے۔ گئے اور داخلِ حلقہ[1] ہوئے۔" بڑا بھائی: "اجی بس بس کوئی دل سے دور رکھیں۔ ع ہاں وہ نشے نہیں جنھیں ترشی[2] اتار دے۔" منجھلا بھائی: "ابا جان سے ملنا شرط ہے۔" بڑا بھائی: "آخر کریں گے کیا؟" منجھلا بھائی: "سمجھائیں گے۔" بڑا بھائی: "سو میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے۔" منجھلا بھائی: "وہ باتیں ہی اس طرح کی کہتے ہیں کہ لوہے کو پگھلائیں، پتھر کو موم بنائیں۔" بڑا بھائی: "تو بس میں جا بھی چکا۔" منجھلا بھائی: "یہ تو بات آپ کی بالکل نامناسب ہے۔" بڑا بھائی: ع رندِ عالم سوز[3] را با مصلحت بینی چہ کار۔" منجھلا بھائی: "لیکن شاید ابا جان نے آپ کو کچھ اور ہی بات کہنے کو بلایا ہو۔" بڑا بھائی: "اجی تانت باجی[4] راگ پایا۔ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں۔" منجھلا بھائی: "تو میں جانوں گا کہ ضرور ان کو خللِ دماغ ہے۔" منجھلا بھائی: "والد جیسے میرے ویسے آپ کے۔ آپ کو اختیار ہے ان کی شان میں جو چاہیں سو کہیں لیکن اتنا میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ اس اصرار کا انجام اچھا نہیں۔" بڑا بھائی: "اتنا میں بھی سمجھتا ہوں۔ لیکن میں اس انجام کی کچھ پروا نہیں کرتا۔" منجھلا بھائی: "لیکن اس بگاڑ میں آپ فائدہ کیا سمجھتے ہیں؟" بڑا بھائی: "اور میرا نقصان ہی کیا ہے۔" منجھلا بھائی: "اور اگر کچھ نقصان بھی ہو تو ابا جان کی ناخوشی کیا کچھ تھوڑا نقصان ہے۔" بڑا بھائی: ع رنج و آزردگیِ[5] بے سبب را چہ علاج۔" منجھلا بھائی: "اول تو ابھی آزردگی کی نوبت نہیں آئی لیکن خدا نخواستہ[6] آئے گی تو لوگ اس کو بے سبب نہیں کہیں گے اور سبب کی ابتدا آپ کی طرف ہوتی ہے کہ انھوں نے بلایا ہے اور آپ نہیں جاتے۔ بھلا دنیا میں کوئی باپ ایسا ہوگا کہ فرزند اس کی نافرمانی کرے اور وہ ناخوش نہ ہو۔" بڑا بھائی: "ان کو میرے افعال سے بحث کیا اور میرے اعمال سے تعرض[7] کیوں؟" منجھلا بھائی: "اول تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ سے کیا کہیں گے لیکن مانا کہ وہی کہیں جو مجھ سے اور سلیم سے کہا تو کیا ان کو نصیحت کا اختیار اور ہدایت کا منصب نہیں ہے؟" بڑا بھائی: "ہے۔ لیکن حمیدہ پر اور سلیم پر اور تم پر کیوں کہ بطیبِ[8] خاطر ان کی نصیحت سننی چاہتے ہو۔" منجھلا بھائی: "کیوں؟ جیسے ہم ان کے فرزند ویسے آپ۔" بڑا بھائی: "میں فرزند کبھی تھا۔ اب سینگ کٹا کر[9] بچھڑوں میں ملتا میرے لئے عار ہے اور میں اپنے تئیں ان کی حکومت سے مستغنی[10] اور ان کے اختیارات سے

---

[1] مراد ہے وہی مریدوں کا حلقہ ۱۲ [2] کھٹائی ۱۲ [3] آوارہ آدمی جو سدا اپنے جہان کے جلانے کی فکر میں ہو اس کو مصلحت سے کیا سروکار ۱۲ [4] مثل ہے یعنی مثلاً دوتارے کی تانت کو چھیڑنے سے آواز نکلی تو سمجھنے والے سمجھ گئے کہ دوتارا بجانے والا کیا راگ گائے گا اسی طرح کلیم باپ کے بلانے سے سمجھ گیا کہ کیا کہیں گے ۱۲ [5] بے وجہ جو آزردگی ہو اس کا علاج کیا ۱۲ [6] خدا نہ کرے ۱۲ [7] روک ٹوک ۱۲ [8] دل کی خوشی سے ۱۲ [9] یہ کہاوت ہے ۱۲ [10] فارغ ۱۲

آزاد سمجھتا ہوں،، منجھلا بھائی:- لیکن شریفوں میں یہ دستور نہیں ہو کہ اولاد بڑی ہو جائے تو ماں باپ کا
ادب لحاظ اٹھا دے۔ میں دیکھتا تھا کہ ابا جان اس قدر جد[1] مرحوم کا پاس کرتے تھے کہ ان کے سامنے حقہ
پینا کیسا پان کھانے میں بھی اُن کو تامل ہوتا تھا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟“ بڑا بھائی:- لیکن میں نے
بھی اس وقت تک ابا جان کو الٹ کر جواب نہیں دیا۔“ منجھلا بھائی:- درست ہے لیکن یا یہ اس[2] شور اشوری
یا یاں بے نمکی“ بڑا بھائی:- تالی دونوں[3] ہاتھ بجتی ہے اب بھی اگر ابا جان میرے حال سے تعرض نہ کریں تو
میں کسی طرح کی نافرمانی یا گستاخی کرنی نہیں چاہتا“ منجھلا بھائی:- تو اس صورت میں کچھ آپ کی اطاعت[4]
بھی محمودہ[5] نہیں رہی“ بڑا بھائی:- میں مدح[6] سے باز آیا مجھ کو میرے حال پر رہنے دیں اپنے نیک وبد سے غرض ہو
ع رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو
منجھلا بھائی۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ ان سے قطع تعلق کر چکے“ بڑا کیا ضرور ہو کہ جب میں بچوں لڑکوں کی طرح
پڑھوں تب ہی بیٹا کہلاؤں ورنہ فرزندی سے عاق[7] کیا جاؤں“ منجھلا بھائی:- کوئی آپ سے مکتب پڑھنے کے
لئے نہیں کہتا اور یہ بھی اُمید نہیں ہو کہ ابا جان آپ کی بڑائی کا پاس نہ کریں“ بڑا بھائی:- جب کہ مجھ کو اپنا
نیک و بد سمجھنے اور نفع و نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل ہے تو مجھ سے یہ کہنا کہ یہ کرو اور یہ مت کرو گویا مجھ کو
بے تمیز لڑکا بنانا ہے“ منجھلا بھائی:- کیا انسان کی رائے غلطی نہیں کرتی؟“ بڑا بھائی:- ایسا احتمال اُن کی
رائے پر بھی ہو سکتا ہے“ منجھلا بھائی:- تو کیوں نہیں آپ ان ہی سے جا کر گفتگو کرتے کہ بحث ہو کر ایک
بات قرار پائے۔ بڑا بھائی:- مجھ کو گفتگو کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ع ہر[8] کسے مصلحت خویش نکو میداند
منجھلا بھائی:- اُن ہی کو ضرورت سہی۔ اور جب کہ آپ کو اپنی رائے پر وثوق[9] ہو پھر آپ شاید بالمشافہ[10] گفتگو
کرنے سے گریز[11] کیوں کرتے ہیں؟ بڑا بھائی:- دنیا میں کوئی مباحثہ[12] طے ہوا ہے جو یہ ہوگا؟“ منجھلا بھائی:- ہٹ
دھرمی اور تعصب[13] اور سخن پروری نہ ہو تو ہر بحث کا خاتمہ ہے“ بڑا بھائی:- ہمارے ابا جان کو بھی ایک بات
کی زٹلگ[14] چالی ہو۔ اب نماز روزے کا خیال آ گیا ہو تو بس اسی کی دُھن ہو۔ چند روز بعد دیکھنا وہی ابا جان
ہیں وہی ہم ہیں اور وہی کھیل[15] تماشے ہیں“ منجھلا بھائی۔ آپ چونکہ مجھ سے بڑے ہیں بیشک زیادہ واقفیت

[1] دادا جن پر خدا رحم کرے مرحومین کو اسی طرح یاد کرتے ہیں ۱۲ [2] یا تو اسقدر تیزی یا اتنا پھیکا پن ۱۲ [3] کیا درست ہے یعنی لڑائی
ایک طرف سے نہیں ہوتی ۱۲ [4] فرماں برداری ۱۲ [5] حمد تعریف کے لائق [6] تعریف ۱۲ [7] خارج ۱۲ [8] ہر شخص اپنی مصلحت اچھا دل
آپ خوب سمجھتا ہو ۱۲ [9] بھروسا ۱۲ [10] روبرو ۱۲ [11] بھاگنا ۱۲ [12] فیصلہ۔ چکوتا ۱۲ [13] بیچ طرفداری ۱۲ [14] اتار جڑھاؤ
[15] کھیل ۱۲ [16] دھت یعنی ایک بات کے پیچھے پڑے رہنا ۱۲

رکھتے ہیں۔ لیکن میں بھی ابا جان کے مزاج سے ناآشنا نہیں ہوں۔ اصلاح خاندان کا ان کو تہِ دل سے خیال ہے۔ اور اس خصوص میں ان کو ایک اہتمام خاص ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کا ارادہ متزلزل[1] اور عزم ناپائدار ہو۔ اور آپ کے لیے ہیں جو کچھ ان کو منظور ہو مگر آپ کے سوا ہیں تو گھر بھر میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ وہ گود میں ہے اور اپنا پرایا ناؤ ٹھورا[2] نہ چھوڑے۔ بڑا بھائی: ذرا اماں جان سے اور مجھ سے دو دو باتیں ہو جائیں تو تم کو ارادے کا استحکام[3] اور عزم کا استقلال خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ چھوٹا بھائی: اماں جان تو آج بڑی خفا بیٹھی ہیں۔ بڑا بھائی: کیوں؟ چھوٹا بھائی: آپ کو نہیں معلوم آپا جان سے اور ان سے آج بڑی لڑائی ہوئی۔ بڑا بھائی: کس بات پر؟ چھوٹا بھائی: آپا جان لڑکا حمیدہ کو لے کر ہاتھ منہ دھونے چلی گئیں۔ حمیدہ لڑکے کو چھوڑ نماز پڑھنے لگی۔ آپا جان نے نماز پڑھتی کو دھکیل دیا۔ اس کی ناک میں تخت کی کیل لگ گئی۔ ڈھیر سا خون نکلا اسی پر تکرار ہونے لگی۔ آپا جان نے کئی مرتبہ توبہ توبہ نماز کو برا کہا۔ اماں جان نے بار بار منع کیا نہ مانا۔ آخر اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا۔ بڑا بھائی: سچ کہو۔ چھوٹا بھائی: آپ چل کر دیکھ لیجیے۔ آپا جان کوٹھری میں پڑی رو رہی ہیں صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ منجھلا بھائی: واقعی کچھ لڑائی تو ضرور ہوئی ہے۔ میں جو آپا جان کے پاس گیا تو آتے جاتے سب کو چپ چپ دیکھا اور سمجھا کہ بے سبب نہیں ہے۔ بڑا بھائی: کہیں گھر بھر نے متوالی[4] کو دوں کو نہیں کھالی! ابھی سے جہاد[5] بھی شروع ہو گیا حمیدہ کا نماز پڑھنا دیکھو اور ایک ذرا سی بات پر بیچاری نعیمہ کا مار کھانے پر خیال کرو۔ منجھلا بھائی: میرے نزدیک تو ان میں سے کوئی بات بھی تعجب کی نہیں۔ حمیدہ نے نماز پڑھی تو کیا کمال کیا باتیں تو بڑی بوڑھیوں کی سی کرتی ہے۔ بڑا بھائی: تو کیا ضرور ہے کہ باتیں بڑی بوڑھیوں کی سی کرے تو نماز بھی بڑی بوڑھیوں کی سی پڑھے۔ اس کی عمر گڑیاں کھیلنے اور ہنڈکلھیاں[6] پکانے کی ہے نہ زہد[7] و مراقبے[8] کی۔ منجھلا بھائی: کیا یہ ایسی مشکل بات ہے کہ حمیدہ اس کو نہیں سمجھ سکتی؟ بڑا بھائی: بار بار کہہ سمجھایا جائے تو شاید [illegible] اور حسن بانسے[9] کو بھی کہہ دے گی کہ ہاں سمجھ گئی۔ منجھلا بھائی: لیکن اس کو تو مار نہیں پڑی۔ بڑا بھائی: آپا کی بیٹی تو گویا ابھی کو بچی۔ جب نعیمہ ہی کو اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا تو اب کس کی عزت رہ گئی؟ بڑی بیٹی بیاہی

۱ ڈگمگایا ہوا ۱۲ ۲ سستہ ۱۲ ۳ منہ بولی ۱۲ ۴ کودوں ایک قسم کا غلہ جو غریب لوگ پکا کے کھاتے ہیں بعض اوقات اس میں ایک طرح کی کیفیت ہوتی ہے جو کھاتا ہے مدہوش ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جانور ۱۲ ۵ مذہبی جنگ ۱۲ ۶ لڑکیاں چھوٹی چھوٹی ہنڈیاں میں پکانے کی نقل کیا کرتی ہیں ۱۲ ۷ ترک دنیا ۱۲ ۸ گردن جھکا کر تا دیر سوچتے رہنا۔ فقیروں کی ریاضت میں مراقبہ کہتے ہیں ۱۲ ۹ سعد الدین شیرازی کی مشہور عالم فیض کی تصنیف کی کتاب ہے ۱۲ ۱۰ بھی بڑی اعلیٰ حکمت کی کتاب ہے ۱۲

ہوئی، صاحب اولاد کو مارنا شرافت و پندارانہ ہے ؎

نہ کعبے نے دیر کے قابل[1] مذہب ان کا ہے کس کے قابل

اسلام بھی ایسے دین کو کہ انسان اپنے آپے سے باہر ہو جائے اور دنیا کے نیک و بد پر نظر نہ کرے آخر یہ خبر ممکن نہیں کہ اس کی سسرال نہ پہنچے۔ سمدھیانے والے کیا کہیں گے؟ غیرت ہو گھر بھر چلو[2] پانی میں ڈوب میں حیا ہو تو کہنے میں منہ نہ دکھائیں۔ اسی پر تم مجھ کو ابا جان کے پاس جانے کی رائے دیتے ہو۔ اگر کہیں مجھ پر ایسا ہی دست شفقت پھیر دیا تو پھر ع۔ اس تم کا ندر میاں خاک[3] خون پینی سحر۔ اور مجھ کو نعیمہ کے جان بر ہونے کی بھی امید نہیں۔ ع۔ سن لیجیو کہ آج اگر ہے تو کل نہیں۔" منجھلا بھائی: "اس بات کا تو مجھ کو بھی تعجب ہے لیکن جب تک اماں جان کے منہ سے تمام کیفیت نہ سن لوں میں نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے بجا کیا یا بیجا کیا۔" بڑا بھائی: "تمہارے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہوتا اور پھر تم بجا اور بیجا میں تردد رکھتے تو میں تم کو خلف[4] ارشد اور فرزند سعادت مند جانتا ؎

جس پہ بیتی ہو یہ وہی جانے جو کہ بے درد ہو وہ کیا جانے

منجھلا بھائی: "شاید وقت پر طبیعت کا حال دگرگوں[5] ہو جائے تو خبر نہیں ورنہ میں تو ماں باپ کی تادیب[6] کو موجب شکایت نہیں سمجھتا۔" بڑا بھائی: "شاید ایسی ہی باتوں نے ان کو دلیر کر دیا ہے۔" منجھلا بھائی: "جس کو خدا یا ماں باپ بناتا ہے تو اس کو اتنی بات کے سمجھنے کی بھی عقل دیتا ہے کہ اولاد پر اس کو کیسے کیسے اختیارات حاصل ہیں۔" بڑا بھائی: "غرض تمہارے نزدیک ماں باپ کو اختیار ہے کہ اولاد گو بڑی بھی ہو جائے مگر اس کو بچوں کی طرح ماریں پیٹیں تو کچھ الزام نہیں۔" منجھلا بھائی: "مجھ سے فتویٰ طلب نہیں ہے کہ ایک عام رائے دوں البتہ اپنے گھر کے اس خاص معاملے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اماں جان نے جب بہت ہی ضرورت سمجھی ہو گی تو آپا جان پر ہاتھ اٹھایا ہو گا۔ اور فرض کیا کہ اماں جان ہی کی زیادتی تھی تو کیا ایک طمانچے کے مارنے سے ان کی عمر بھر کی شفقتیں اکارت اور سالہا سال کی نیکی برباد؟ ؎

شاہ اقرار کو بچائے شکست مردم کرے عذر تقصیر ان کو سمجھے

---

[1] یعنی عجب طرح کا مذہب ہے۔ نہ اسلام ہو کہ کعبے میں کھپے اور نہ کھلی بت پرستی ہو کہ بت خانہ میں جا داخل ہو ۱۲ [2] یہ کہاوت ہے ایسے موقع میں تو ایسے آدمی ہوں کہ پھر خاک اور خون میں مر اسر پڑا ہوا دکھائی دے یعنی جان کھو دوں ۱۲ [3] زندہ بچ جانے والی ۱۲ [4] ... ۱۲ [5] دوسرے رنگ کا ۱۲ [6] ادب دینا ۱۲ [7] بے عزتی ۱۲ [8] مذہب کا حکم۔ مولویوں سے مسئلہ پوچھنا ۱۲ [9] جس پر عتاب ہو ۱۲ [10] جو بڑوں کو ہم سے مہربانی کی ہے تو اگر ساری عمر میں ایک آدھ قصور بھی سرزد ہو تو اس کو معاف کر دینا ہے

اب بھی ابا جان کی جو محبت اماں جان کو ہوگی مجھ کو اور آپ کو اس کا ایک شمہ[1] تو ہو لے" بڑا بھائی
غرض جو کچھ ہو سے

میرے[2] وحشت خانے میں جوشِ جنوں کی دھوم ہے
عافیت مفقود اور آسودگی معدوم ہے

بھائی بھائی یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں رسولن نامی لونڈی دوڑی آئی اور علیم سے کہا کہ "میاں پوچھتے ہیں میری بات کا جواب تم نے ہست[3] نیست کچھ نہ دیا" رسولن کو تو علیم نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تو چل کر کہہ کہ ابھی آتے ہیں اور بڑے بھائی سے کہا کہ "ابا جان آپ کے منتظر بیٹھے ہیں جائیے کھڑے کھڑے ہو آئیے" بڑا بھائی "اگر مجھ کو یہ یقین ہوتا کہ میرا جانا اور چلا آنا ایک سرسری[4] بات ہو تو میں اب تک جا کر کبھی کا چلا آیا ہوتا" منجھلا بھائی "آپ نے یہ کیوں کر تجویز کر لیا کہ سرسری نہیں ہے" بڑا بھائی "خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا" منجھلا بھائی "بس شاید ابا جان کو اتنی ہی بات آپ کے منہ سے سننی منظور ہے" بڑا بھائی "ع: ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے دارد[5]" منجھلا بھائی "مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کو تردد کس بات کا ہے" بڑا بھائی "میں اُن کے مزاج سے مخالف[6] اور اپنی عادت سے مجبور ہوں" منجھلا بھائی "لیکن جانے میں جس بات کا احتمال ہے۔ نہ جانے میں اُس کا یقین ہے" بڑا بھائی "احتمال تم کو ہے نہ مجھ کو۔ میں سمجھا بیٹھا ہوں کہ بالاخانے پر چڑھا اور آفت نازل ہوئی" منجھلا بھائی "میں یا اصرار کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہیے سو کیجئے لیکن کہے دیتا ہوں کہ اس کا انجام کچھ بہتر نہیں معلوم ہوتا" بڑا بھائی "ع: ہر چہ[7] بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" منجھلا بھائی "تو پھر میں ابا جان سے کہلائے بھیجتا ہوں" بڑا بھائی "تم کو اختیار ہے میں جب ان کے بلانے سے جانا لابد نہیں سمجھتا تو ان کے پوچھنے سے جواب دینے کو کب ضروری جانتا ہوں" منجھلا بھائی مایوس ہو کر اٹھا اور تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا کہ میرا پاؤں آگے نہیں پڑتا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہوں تو کیا کہوں۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کا نہ جانا بڑی ہی خرابی کا باعث ہوگا نہیں معلوم اس وقت آپ کو کیا ہو گیا آپ جاتے اور اُن کی بات کو نہ مانتے، تاہم چنداں قباحت نہ تھی۔ لیکن نہ جانے میں بگاڑ کی ابتدا، فساد کا آغاز، نافرمانی کا شروع آپ کی طرف سے ہوتا ہے۔ تمام دنیا آپ کو اس کا الزام دے گی۔ اور سارا جہاں آپ پر

---

[1] ذرا سا [2] میرا گھر وحشت خانہ ہے اور جنون نے ایسی دھوم مچا رکھی ہے کہ آرام اور راحت دونوں معدوم ہو گئے [illegible] ہیں جیسے [illegible] [3] [illegible] [4] آسان [5] ہر بات کا موقع اور ہر [illegible] کا محل ہوتا ہے [illegible] [6] [illegible] [7] [illegible]
ہم نے کو یا [illegible] ڈال دیا ہے

قصور معاف کرے گا اور چونکہ میں اسکا نتیجہ سراسر آپ کے حق میں زبوں سمجھتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ میری اس میں شرکت ہو۔ آپکا جانا منظور نہیں تو بہتر ہوگا کہ آپ کسی دوسرے کے ہاتھ کہلا بھیجے۔ بڑا بھائی لیکن مجھ سے انھوں نے پوچھا نہیں تو میں کیا کہلا بھیجوں؟ منجھلا بھائی۔ ایسا روکھا جواب سن کر پھر چلا بیچارہ عجب مخمصے[۵۱] میں تھا کہ ادھر باپ نے بہ تاکید پوچھ بھیجا ہے تو جواب میں کچھ ہاں یا نہیں کہنا چاہیے۔ اور چونکہ سمجھ چکا تھا کہ نہ جانا بھائی کی ہمیشہ ہمیشہ تباہی کا موجب ہوگا اندر سے جی نہیں مانتا تھا کہ اس کی بربادی کی بات منہ سے نکالے۔ اسی گھبراہٹ میں دوڑا ہوا ماں کے پاس گیا اور کہا کہ "اماں جان غضب ہوا چاہتا ہے۔ ماں بے چاری نعیمہ کے سوچ[۵۴] میں بیٹھی ہوئی تھی کیوں کہ کوٹھری میں فرش پر ایک حالت سے پڑے پڑے نعیمہ کو سارا دن گزر گیا تو اس نے سر اٹھایا نہ کوئی چیز اس کے منہ میں گئی ماں نے گلوری[۵۲] پان خاصدان[۵۳] میں بھروا کر پاس رکھوا دی تھیں وہ بھی سب اسی طرح رکھی رکھی سوکھ گئیں پانی اور کھانے کا کیا مذکور۔ لڑکا گھڑی دو گھڑی تو چپکا رہا پھر اس نے الگ رونا شروع کیا سارا گھر اس کو سنبھالتا تھا مگر اس نے تالو سے زبان نہ لگائی بہتیرا انا نے بہلا پھسلا کر دودھ دیتی مگر گود میں سے نکل نکل پڑتا تھا نہ اٹھے سکھ نہ بیٹھے چین۔ سب کو حیران کر مارا۔ دن تو خیر بری بھلی طرح گزر بھی گیا اب جو رات آئی تو یہ جانا کہ قیامت آئی۔ صالحہ کو چکوایا تھا تو ایک یوں ہی سا پیام کہلا بھیجا تھا وہاں سے جواب آیا کہ آج شام کو گھر میں مولوی صاحب کا وعظ انشاء اللہ کل بڑے تڑکے نماز صبح پڑھ کر میں پہنچوں گی۔ اسی اضطراب[۵۵] میں میاں علیم نے جا ایکدم سے جا کر کہا کہ غضب ہوا چاہتا ہے ماں کا کلیجہ دھک[۵۶] سے ہو گیا اور سمجھی کہ نعیمہ کی خیر نہیں گھبرا کر پوچھا کیا؟ "بیٹا۔ بھائی جان کو ابا جان چار گھڑی دن رہے بلا بھیجا تھا وقت ہوئے آیا نہیں جاتے ہیں مردانے میں پردہ کرا دوں آپ ذرا چلکر سمجھا دیجیے شاید مان جائیں" یہ تو کہہ کر تو یہ گیا، فہمیدہ کا حال یہ تھا کہ نعیمہ سے بدتر اس کی کیفیت تھی لوگوں کے دکھانے کو دستر خوان پر تو بیٹھ گئی تھی مگر ایک دانہ حلق سے نہیں اترا۔ جیسی بیٹھی تھی ویسی ہی منہ[۵۷] جھٹلا کر اٹھ کھڑی ہوئی بار بار کسی نہ کسی بہانے سے کوٹھری کے پاس جاتی کواڑوں کے پاس کھڑی ہو ہو کر دروازوں میں جھانکتی اور نعیمہ کے رونے کی آہٹ لیتی گھر والوں سے جو سامنے آنکلتا اس کو بھیجتی کہ جاؤ جو سکے تو مناؤ۔ لیکن

---

۵۱ کشمکش ۱۲ ۵۲ بنے ہوئے پان ۱۲ ۵۳ گلوریاں رکھنے کا ظرف ۱۲ ۵۴ سوچ ۱۲ ۵۵ گھبراہٹ ۵۶ یعنی دھڑکنے لگا ۵۷ یعنی منہ جھوٹا کرکے چونکہ کھانے کے بعد کلی کرنی ضروری ہے تو گویا کھانا کھا لینے سے منہ جھوٹا ہو جاتا ہے ۱۲

کسی کو اتنا جیہ[1] نہ تھا کہ کوٹھری کے اندر قدم رکھتا۔ بیدارا جس نے نعیمہ کو پالا تھا اور ہر طرح کا دعویٰ رکھتی تھی۔ لڑکے کو لے کر دودھ پلوانے کے بہانے سے پاس جا کر بیٹھی ابھی منہ سے بات بھی نہیں کہنے پائی تھی کہ نعیمہ نے ایک ایسی دولتی چلائی کہ بیدارا کئی لڑکنیاں کھا کر گیند کی طرح لڑھکتی لڑھکاتی باہر آ کر گری۔ خدا نے بڑی خیر کی کہ لڑکا نہالچے[2] سمیت گود سے نکل پڑا۔ ورنہ اتنی دور میں نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جاتا۔ بیدارا کی مدارات دیکھ کر پھر تو جس سے فہمیدہ کوٹھری میں جانے کا نام لیتی وہ کانوں پر ہاتھ[3] دھرتی کہ نہ بیوی میری ہڈیوں[4] میں تو خدا کی لاٹھی سہارنے کا بوتا نہیں رہا۔ چاہتے سب تھے کہ نعیمہ کو منا کر مگر کوٹھری میں جانے سے ایسا ڈرتے تھے کہ اندر کالی ناگن[5] بیٹھی ہے۔ پاؤں رکھا اور اس نے ڈس لیا[6]۔ باہر اس ذرا سے فتنے یعنی نعیمہ کے بچے نے آفت توڑ رکھی تھی۔ اگالدان، پاندان، سینیاں بجاتے کنڈیاں کھڑکھڑاتے۔ مگر اس عزیز کے کان پر جوں[7] نہ چلتی تھی۔ گود میں لٹاؤ، جھولے میں سلاؤ، کندھے لگاؤ، لیے لیے پھرو، مگر کسی طرح اس کو قرار نہ تھا۔ بے زبان بچہ منہ سے بولتا نہیں چالتا نہیں برابر روئے جاتا ہے۔ کوئی کیا جانے کہ اس کو کس بات کی تکلیف ہے۔ پہلے تو یہ خیال ہوا کہ کہیں افیم تو نہیں کھو دی۔ مسور برابر چھوڑ خاصی مٹر جتنی گولی دی، مطلق اثر نہیں ہوا۔ جانا کہ شاید ہنسلی[8] جاتی رہی وہ بھی اٹھوائی اور رونا چلایا سمجھے کہ پیٹ میں درد ہے۔ دودھ میں سہاگہ گھس کر دیا پھر بھی نہ چپ ہوا۔ آخر جب خوب ہلاک ہو لیا تو ہار کر کوئی دو گھڑی دن رہے نانی کے کندھے لگ کر سو گیا۔ یہ بیچاری بھی دن بھر کی تھکی ماندی، نہار منہ، اس پر دل اداس، طبیعت مغموم بت کی طرح ایک دیوار سے لگی ہوئی بیٹھی اونگھ رہی تھی کہ پیچھے صالحہ کا جواب آیا اور پیچھے میاں علیم بھائی کا مژدہ[9] لیکر پہنچے۔ سُن کر رہی سہی عقل بھی کھو ہی گئی۔ تھوڑی دیر تک تو چپ سناٹے میں بیٹھی رہی۔ اس کے بعد اپنے آپے میں آئی تو علیم سے کہا: "پھر بیٹا تم نے بڑے بھائی کو کچھ نہ سمجھایا؟" بیٹا: "وہ میں نے کتنا کتنا سمجھایا۔" ماں: "نعیمہ کا حال تم نے کچھ سنا؟" جی ہاں سنا۔ ماں: "بس خدا نے دونوں کو ایک سانچے میں ڈھالا ہے۔ مجھ کو تو امید نہیں کہ کلیم۔ پھر جب اُس کو خدا ہی کا خوف اور باپ ہی کا ڈر نہ ہوا تو بھلا تمہارے نزدیک میری زیادتی تھی یا نعیمہ کی؟" بیٹا: "میں نے مفصل حال تو سنا نہیں لیکن جس قدر سنا اس سے سراسر[10] آپا کا قصور معلوم ہوتا ہے

---

[1] ہمت ۱۲ [2] جس گدی پر ننھے بچوں کو لٹاتے ہیں ۱۲ [3] پناہ مانگتی ۱۲ [4] یہ کہاوت ہے یعنی ایسی سخت مار کہ برداشت نہیں ہو سکتی ۱۲ [5] سانپن ۱۲ [6] کاٹ لیا ۱۲ [7] خبر نہیں ہوتی تھی ۱۲ [8] گلے کی ہڈی جگہ سے کھسک جاتی ہے تو اس کو ہنسلی کا جانا بولتے ہیں ۱۲ [9] خوش خبری ۱۲ [10] بالکل

اور مجھ کو زیادہ تحقیقات کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں نے سنتے کے ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ اماں جان نے جب ایسی ہی سخت ضرورت سمجھی ہوگی تو آپا پر ہاتھ اٹھایا ہوگا۔" ماں "علیم کیا میں تم سے کہوں! خدا کی شان میں ایک ایک بے ادبی کہ معاذ اللہ[1] میں تو تھرا[2] گئی کہ ایسا نہ ہو کہیں چھت گر پڑے۔ اور جان جان منع کرتے کرتے۔" بیٹا "بے شک آپ نے مارا تو بہت واجب کیا۔ خیر آپا کا تو چنداں اندیشہ نہیں۔ آپ ہی غصہ اتر جائے گا۔ بڑے بھائی کا کھٹکا ہے۔ یہاں کل تک وارانیارا[3] ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔" ماں "دونو ایک دوسرے کے قدم بہ قدم ہیں۔ اس نعیمہ نے کیا وارانیارا کرنے میں کچھ اٹھا رکھا ہے۔ سارا سارا دن گذر گیا نہ پانی پیا نہ کھانا کھایا، نہ بچے کو دودھ پلایا۔" بیٹا "بچے کو دودھ نہیں پلایا۔ بھلا اس بیچارے کا کیا قصور؟" ماں "بیلا ایک دفعہ لیکر گئی تھی۔ بیچاری کے ایسی لات ماری کہ دیکھو چھنچھی میں ہلدی[4] تھوپے پڑی کراہ[5] رہی ہے۔" بیٹا "میں چلوں اور سمجھاؤں؟" ماں "نہ بیٹا اپنی عزت اپنے ہاتھ۔ تم گئے اور چھوٹتے تو ہو ہی کچھ جا بیجا کہہ بیٹھی تو ناحق تم کو برا لگے گا کیا فائدہ۔" بیٹا "جب وہ میری بڑی ہیں تو مجھ کو ان کا کہنا برا کیوں لگنے لگا؟" ماں "تو بھی تمہارے جانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ میں نے صالحہ کو بلوا بھیجا ہے۔ وہ آئے گی تو اس کو اپنے طور پر ٹھیک ٹھاک کرے گی۔" بیٹا "واقعی یہ آپ نے خوب تجویز کی مگر اب رات ہو گئی کب آنے لگی؟" ماں "اس کے یہاں اسوقت وعظ ہو رہا ہے اس سبب سے اس نے کہلا بھیجا ہے کہ کل بڑے تڑکے پہنچوں گی۔ خیر جوں توں رات کٹ ہی جائے گی۔" بیٹا "میں جا کر صالحہ کو لے نہ آؤں۔ اتنے آپ بھائی جان سے باتیں کیجئے۔" ماں "ہاں بہتر تو ہوگا میں نے اس کو یہ حال کہلا نہیں بھیجا ورنہ وہ تو سنتے کے ساتھ دوڑی آتی۔"

غرض علیم تو صالحہ کو لینے گیا اور فہمیدہ پردہ کروا مردانے میں پہنچی۔ اتنی ہی دیر میں یہاں تاش کھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ فہمیدہ جو گئی تو چاندنی پر تاش کے ورق بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ فہمیدہ نے دیکھ کر کہا "آگ لگے اس کھیل کو کھیل نہ ہوا بلائے جان ہوا کہ رات کو بھی نیند نہیں ہوتا۔" بیٹا "نکما بیٹھا ہوا آدمی کچھ کرے یا نہ کرے نچلے سے[6] بے کار مباش کچھ کیا کر۔" ماں "بیٹا خدا نہ کرے کہ تم نکمے ہو۔ کرنے والا ہو تو کام بہتیرے۔ باپ نے تو کئی دفعہ بلایا نکمے تو تھے تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ جاؤں سن تو آؤں کیا کہتے ہیں۔" بیٹا "بس میں نے یہیں سے بیٹھے بیٹھے سن لیا۔" ماں "کچھ سنا نہ سنایا جاؤ ہو آؤ۔ اچھی بات نہیں۔" بیٹا "اچھی بات

---

[1] خدا کی پناہ ۱۲ [2] ڈر کے مارے کانپ اٹھی ۱۲ [3] فیصلہ ۱۲ [4] چوٹ میں ہلدی لگاتے ہیں وہ علاج ہے ۱۲ [5] آہ آہ کر رہی ہے ۱۲ [6] بے کار مت رہو کچھ کچھ کرتے رہا کرو ۱۲

کیا نہیں میں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے۔ ماں: "تم جانتے ہی ہو مگر جا کر سن لینے میں بھی بیٹا کچھ قباحت ہے؟" بیٹا: "قباحت سی قباحت ہو خرابی سی خرابی ہے۔" ماں: "میں بھی سنوں۔" بیٹا: "آپ مجھی سے کہلواتی ہو۔ تم آپ سمجھ جاؤ۔" ماں: "میں تو تمھاری پہیلی نہیں سمجھتی۔" بیٹا: "ایسی پہیلیاں نعیمہ[۱] خوب بوجھتی ہے۔" ماں: "خدا کسی کو ایسی الٹی سمجھ نہ دے جیسی نعیمہ کی ہے۔ تم اس کی زبان سنتے کہ خدا تک کا لحاظ اس نے اٹھا دیا۔ نماز کو اٹھک بیٹھک! خدا کی شان میں توبہ توبہ یہ کلمہ کہ ایسا خدا! بے دین سے بیدین بھی ایسی بات منہ سے نہیں نکالتا۔ ابھی ایک آفت گھر پر آ چکی ہے کہ ایک جھونٹ[۲] تین تین مردے اسی گھر سے اٹھے مگر مطلق خوف نہیں، ذرا سا ڈر نہیں۔" بیٹا: "وبا بھی اک مرگ[۳] انبوہ تھا۔ اچھے برے سبھی قسم کے لوگ مرے۔" ماں: "تو کیا اچھوں کو مرتا دیکھ کر آدمی برا بن جائے؟" بیٹا: "نہیں میں تو یہ نہیں کہتا کہ برا ہونا اچھا ہے۔" ماں: "بیٹا اس سے بڑھ کر اور کیا برائی ہوگی کہ آدمی خدا کو خدا نہ سمجھے۔" بیٹا: "اجی[۴] خدا کو خدا کون نہیں سمجھتا۔ نعیمہ کے منہ سے نہیں معلوم کیوں کر ایک بات نکل گئی ہوگی۔" ماں: "پھر تم کو باپ کے پاس جانے میں کیا تامل ہے؟" بیٹا: "میں نے سنا ہے کہ وہ نماز پڑھنے کا قول کراتے ہیں کھیل کود کو منع کرتے ہیں۔" ماں: "ابھی تو تم نے کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں تو کیا نماز اس کا حکم نہیں ہے؟" بیٹا: "میں یہ بھی نہیں کہتا کہ نماز اسکا حکم نہیں ہے۔ لیکن مجھ سے ایسے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔" ماں: "تو تم نے یہ ناحق کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں اگر تم خدا کو خدا سمجھتے تو ضرور اسکا حکم ماننے۔ چلو بیٹا دنیا اور دین دونو سے آزاد ہوئے۔ ادھر باپ بلائے اور نہ جاؤ تو گویا باپ کو باپ نہ جانا، ادھر خدا فرمائے اور نماز نہ پڑھو یعنی خدا کو خدا نہ سمجھا۔" بیٹا: "مجھ کو حیرت ہے گھر میں کیوں یہ نئے نئے دستور اور قاعدے جاری کیے جاتے ہیں، وہی خدا ہے اور وہی ہم سب ہیں۔ تو جس طرح پہلے سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اب بھی رہنے دیں۔ دوسرے کے افعال سے کیا بحث اور کسی کے اعمال سے کیا سروکار۔ اگر کوئی بے دین ہے تو اپنے لیے اور کوئی زاہد اور پرہیزگار ہے تو اپنے واسطے۔" ماں: "سروکار کیوں نہیں؟ اولاد کی تعلیم ماں باپ پر فرض ہے۔" بیٹا: "پہلے سے فرض تھی یا اب علالت[۵] میں کوئی خاص وحی[۶] نازل ہوئی ہے؟" ماں: "اگر تم ایسی حقارت سے باپ کا ذکر کرتے ہو تو یہ تمھاری سعادتمندی[۷] کی دلیل ہے! تم تو کتابیں پڑھتے ہو۔ ماں باپ کا کیسا کچھ ادب لکھا ہے۔ لوگوں میں بھی اس کی ایک کہاوت مشہور ہے۔ با ادب[۸] با نصیب بے ادب بے نصیب۔ تمھارے

۱ یعنی نعیمہ کو پوچھو وہ خوب سمجھتی ہے کہ میں باپ تک کیوں نہیں جاتا غرض یہ کہ مارے ڈر کے ٹالتا ہوں ۱۲ ۲ نصوح کا باپ، شمسہ کی خالہ، گھر کی ماما، اسکا بیان قصے کے شروع میں ہے ۱۲ ۳ فارسی کی مثل ہے مرگ انبوہ جشنے دارد یعنی عام مری اچھی ہے تو کون کس کو روئے ۱۲ ۴ خاص عورتوں کو خطاب کرنے کا محاورہ ہے ۱۲ ۵ بیماری ۱۲ ۶ خدا کا حکم جو پیغمبر کو فرشتے کی معرفت یا اور طرح پہنچے ۱۲

۷ سعادتمندی نیک بختی ۱۲ ۸ جو بڑوں کا ادب کرتا ہے وہ خوش نصیب ہوتا ہے۔ اسکا دوسرا ٹکڑا یعنی بے ادب بے نصیب ۱۲

باپ بیچارے نے تو ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھ کو الہام ہوتا ہے۔ یا مجھ پر آسمان سے وحی اترتی ہے" بیٹا "اگر وحی نہیں ہے تو اُسی علالت کا اثر ہے۔ ماں "تم باپ تک گئے ہوتے تو کبھی ایسا شبہہ نہ کرتے۔ یہ تمھاری نئی تجویز نہیں ہے۔ تم تو ابتدائے علالت سے باپ کو جنون اور سرسام[۵۱] بتاتے ہو۔ لیکن کیا مجنون کا یہی کام ہے کہ عافیت تک کی مآل اندیشی[۵۲] کرے؟ دیوانے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ آخرت تک کا انجام سوچیں؟ ایک مرتبہ ذرا کی ذرا چل کر اُن کی باتیں سنو اور پھر اُن کو مجنون سمجھو تو البتہ میں قائل ہو جاؤں گی" بیٹا "کیا میں کچھ سلیم ہوں کہ اُن کی باتوں میں آجاؤں گا؟" ماں "ہماری نظروں میں تو تم سلیم سے بھی چھوٹے ہو" بیٹا "بس یہ مہربانی[۵۳] نعیمہ ہی کے ساتھ خاص ہے" ماں "اگر مہربانی ہی مہربانی ہوتی تو شاید تم کو اس کے کہنے کی نوبت بھی آتی کیوں کہ مہربانی اُس کے ساتھ کیجاتی ہے جو اُس کی قدر کرے اور مہربانی کرنے والے کا احسان مانے مجبوری تو یہی ہے کہ نری مہربانی نہیں ہے بلکہ اپنی گردن کا بوجھ اور اپنے سر کا فرض اُتارنا ہے" بیٹا "یہ نیا مسئلہ ہے کہ بڑے طوطوں[۵۴] کو مار مار کر پڑھایا جائے" ماں "تم اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہو" بیٹا "میں دودھ پیتا بچہ سہی لیکن میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے افعال سے تعرض[۵۵] کرے میں اپنا برا بھلا آپ سمجھ سکتا ہوں" ماں "ماں باپ بھی اولاد کے بدخواہ[۵۶] نہیں ہوتے۔ ہم لوگ بھی تمھاری ہی بہتری کے لئے کہتے ہیں" بیٹا "مجھ کو ایسی بہتری منظور نہیں ہے" ماں "میں جانتی ہوں کہ یہ بات تم اسوقت ضد سے کہتے ہو۔ بھلا دنیا میں کوئی بھی ایسا ہے جو اپنی بہتری نہیں چاہتا؟" بیٹا "جب میں تمھاری مداخلت اپنے افعال میں نہیں جائز رکھتا تو تم بیچ میں ٹوکنے[۵۷] کو چھیڑنے والی کون؟" ماں "میں تمھاری ماں۔ وہ تمھارے باپ" بیٹا "یہ بھی اچھی زبردستی ہے۔ ماں نہ ماں میں تیرا مہمان[۵۸]۔ مجھ کو تمھارے ماں باپ ہونے سے انکار نہیں گفتگو اس بات میں ہے کہ تم کو میرے افعال میں زبردستی دخل دینے کا اختیار ہے یا نہیں سو میں سمجھتا ہوں کہ نہیں ہے۔ تم کہتی ہو کہ ہم مجبوری دخل دیتے ہیں اس واسطے کہ ماں باپ پر اولاد کا تعلیم کرنا فرض ہے۔ سو اول تو میں اس کو داخل تعلیم ہی نہیں سمجھتا اور مانا کہ داخل تعلیم ہو بھی تو میرے نزدیک صرف دس بارہ برس کی عمر تک اولاد محتاج تعلیم ہے۔ اسکے بعد ماں باپ کچھ اُنکے بات میں کچھ دخل نہیں۔ وہ اپنا نفع نقصان خود سمجھ سکتے ہیں۔ اگر یہی منظور تھا کہ میں بڑا ہو کر مسجد کا مُلّا یا قبرستان کا قرآن خواں[۵۹] یا لنگرخانہ خیراتی کا ٹکڑگدا ہوں تو شروع سے مجھ کو ایسی ہی تعلیم کی ہوتی کہ اب تک بھلا کچھ نہیں تو میں

۵۱ ایک خطرناک بیماری جو سر کو بخار سے چڑھ کر حواس مختل ہو جاتے ہیں ۱۲ ۵۲ عاقبت اندیشی ۱۲ ۵۳ یہ جس بات کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ فہمیدہ نے نعیمہ کو مارا تھا ۱۲ ۵۴ یہ کہاوت ہے طوطا پڑھا ہوا تو نہیں پڑھتا ۱۲ ۵۵ روک ٹوک ۱۲ ۵۶ دشمن بُرا چاہنے والا ۱۲ ۵۷ [illegible] ۵۸ تم مانو یا نہ مانو اور کچھ یا نہ کچھ میں تمھارے گھر میں مہمان ہوں ۱۲ ۵۹ لوگ مردوں کو ثواب پہنچانے کیلئے قبروں پر قرآن پڑھنے بٹھا دیا کرتے ہیں ۱۲

دو چار حج بھی کر آیا ہوتا۔ پنج آیت میں میری قرأت[91] کی دھوم ہوتی۔ تراویح[92] میں میرے لحن قرآن خوانی کی شہرت
کہیں مردہ مرتا۔ ، جائے نماز مجھ کو ملتی۔ کہیں قربانی[93] ہوتی۔ کھال میرے پاس آتی۔ صدقے کا میں آڑھتیا ہوتا،
زکوٰۃ کا ٹھیکہ دار۔ دعوتوں کا مستحق، خیرات کا حقدار۔ نہ یہ کہ پڑھاؤ کچھ، پوچھو کچھ۔ سکھاؤ اور چیز، اور امتحان لو
دوسری چیز میں۔ دنیا میں جیسے اور شریف معزز خاندانوں کے بیٹے ہیں اگر میں سب میں اچھا نہیں تو کسی سے برا
بھی نہیں۔ مشاعرے میں میری غزل ساتھ کے مشق کرنے والوں میں سب سے بڑھی چڑھی ہوتی ہے۔ شطرنج
میں مرزا شاہ رخ تو خیر پرانے کھیلنے والوں میں ہیں اور حق یہ ہو کہ ابھی شطرنج کھیلتے ہیں دوسرا کوئی مجھ کو مات
کرے تو البتہ میں اُس کی ٹانگ[94] تلے سے نکل جاؤں۔ ہمارے محلے میں میاں وزیر بادشاہی پیادوں کے جمعدار
بڑے شاطروں[95] میں مشہور ہیں۔ میں فرزیں[96] اٹھا کر ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ گنجفہ اگرچہ میں کم کھیلتا ہوں
لیکن بیٹھ جاؤں تو ایسا بھی نہیں کہ کوئی صفو[97] پر نادری چڑھائے۔ اور قریب قریب یہی حال تاش اور چوسر
کا ہے۔ کبوتر جیسے آج ہماری چھتری کے دم دار[98] ہیں شہر میں شاید دو چار جگہ اور ہونگے۔ پتنگ میں ایسا اڑاتا
ہوں کہ ایک ڈھیلے[99] سے دو ٹھڈے نکل ایک نہیں تو سینکڑوں کاٹی ہونگی۔ لکھنے میں عاری نہیں۔ پڑھنے سے میں
عاجز نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ امیروں اور امیرزادوں کا وہ کونسا ہنر ہے جو مجھ کو نہیں آتا؟

قسمت[100] سے تو ناچار ہوں اے ذوق وگرنہ — سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

کل کی بات ہو کہ میری مدح ہوتی تھی اور مجھ کو ہر بات پر شاباش ملتی تھی۔ اب دفعتاً میں ایسا بے ہنر ہو گیا کہ
مجھے سیکھنے اور تعلیم پانے کی ضرورت ہو چلی۔ ہائے ہم کیا کہیں کیا ہو گئے کیا کیا ہو کر۔ میرا کونسا فعل ہے جو کہ
ابا جان کو معلوم نہیں۔ کیا ابا جان نے میری غزلیں نہیں سنیں۔ میں ان کے ہاتھ کے صاد[101] کئے ہوئے شعر دکھا
سکتا ہوں۔ ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں گذرا کہ شطرنج کا ایک نقشہ ابا جان نے کسی اخبار میں دیکھا تھا اُس کو میں نے
حل کیا۔ کبوتر اڑتے تم نے نہیں دیکھے یا پتنگوں کی لڑائی[102] انہوں نے نہیں سنی؟ کبھی تم نے روکا یا انہوں نے ٹوکا
ہو اب یہ نئی بات البتہ سننے میں آئی ہو کہ نماز پڑھو مسجد میں معتکف[103] بن کر بیٹھو۔ کھیلو مت کسی یار آشنا سے
ملو مت۔ بازار مت جاؤ میلے تماشے میں مت شریک ہو۔ بھلا کوئی مجھ سے یہ باتیں ہونے والی ہیں! اے

---

۹۰ قرآن کو ٹھیک طور پر پڑھنا اور حرفوں کو اُن کے درست مخرج سے نکالنا ۱۲ ۹۱ رمضان میں بعد نماز عشاء کے نماز نفل ۱۲ ۹۲ جس میں کھڑے ہو کر امام نماز پڑھاتا ہے ۱۲ ۹۳ یہ ہارنے کی نشانی ہو کہ ہارنے والا جیتنے والے کی ٹانگ کے نیچے سے ہو کر نکلے ۱۲ ۹۴ شطرنج کھیلنے میں استاد ۱۲ ۹۵ وزیر شطرنج میں سب سے بڑا مہرہ ۱۲ ۹۶ اپنے پاس سے مہروں اور پتے پڑیں۔ گنجفے میں کھیل کی رو سے ایسا بھی ہو جاتا ہے ۹۷ زیادہ دیر تک آسمان پر اڑنے والے ۱۲ ۹۸ ڈھیلے کا ... پتنگ کے پیچ میں ... [illegible] ... پتنگ کی ایک قسم ہے جس میں ... ۹۹ پتنگ ... ۱۲ ۱۰۰ تقدیر سے مجبور ہوں ورنہ سب فن میں یکتا ہوں۔ قسمت سے ناچار اور طاق نہایت مناسب طور پر استعمال کئے گئے ہیں ۱۲

۱۰۱ استاد یا دیکھنے والا کسی شعر کو پسند کرتا ہے تو ص کا نشان کر دیا کرتا ہے جس سے مراد یہ ہوتی ہو کہ یہ شعر صحیح ہے ۱۲ ۱۰۲ رمضان کے دنوں میں چند روز ... [illegible]

جو دل قمار خانے میں بت سے لگا چکے
وہ کعبتین[۱] چھوڑ کے کعبے کو جا چکے

ماں: میں سچ کہتی ہوں کہ جتنی باتیں تم نے کہیں تمہارے باپ جن کو تم مجنوں اور مختل الحواس[۲] تجویز کرتے ہو سب پہلے سے سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کو معلوم ہے کہ تم سے ان عادتوں کا ترک[۳] ہونا دشوار ہے اور ابتدا میں تم کو تعلیم نہ کرنے کا تذکرہ کر کے اس قدر حسرت کیا کرتے ہیں کہ دیکھنے والا تاب[۴] نہیں لا سکتا۔ غضب یہی ہے کہ تم ان تک چلے نہیں ورنہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ باپ کے دل کی کیا کیفیت ہے۔ وہ خود قائل ہیں کہ اولاد کا کچھ قصور نہیں ان کے بگاڑ کا وبال اُن کی خرابی کا الزام سب میری گردن پر ہے۔ اپنے تئیں کوستے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں انکا باپ تھا یا عدو[۵] تھا کہ میں نے جان بوجھ کر انکا ستیاناس کیا، دیدہ و دانستہ ان کو غارت کیا۔ اب کس منہ سے ان کو سمجھاؤں اور کیوں کر ان سے آنکھیں ملاؤں۔ مگر پھر آپ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں اب تک کوتاہی کی تو کیا تلافی مافات[۶] سے غافل رہنا ترک فرض سے کچھ کم ہے؟ ناچار اپنے مقدور بھر کوشش کرونگا مجبور حتی الوسع زحمت اٹھاؤں گا۔ بیٹا: خیر ایسا ہی فرض کا خیال ہے تو دوسرے بچوں کو اپنی رائے کے مطابق تعلیم کریں مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔ ماں: کیوں کیا خدانخواستہ[۷] تم اولاد نہیں ہو؟ بیٹا: ہوں لیکن مجھے بھی ترک کر چکے ہیں بس ان کے ذمے سے فرض ساقط[۸] ہو گیا۔ ماں: یہی حجت دوسرے بھی پیش کر سکتے ہیں۔ بیٹا: جھک مارنے کی بات ہے، چھوٹوں کو ماننا چاہیے۔ ماں: کیا چھوٹے سدا چھوٹے رہینگے؟ بیٹا: بڑے ہو کر پیچھے بیشک اُنکو بھی آزادی ہونی چاہیئے۔ ماں: گھر میں اگر کوئی انتظام کرنا منظور ہو تو جب تک چھوٹے بڑے سب اس کی تعمیل نہ کریں انتظام چل نہیں سکتا۔ بیٹا: چلیے آج چلیے بی بی تم سے خفا ہوں جیسے تم نماز روزے کا اقرار ضعیف[۹] نہیں پھر حاضر ہوں، نعیمہ کی طرح چاہو مجھ کو بھی دو چار چپتیاں مار لو۔ ماں: آہا نماز کچھ ایسی مشکل ہے کہ جوتیاں کھانی قبول ہے نماز پڑھنی منظور نہیں! بیٹا: مجھ کو تو ایسی ہی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ ماں: خیر تم میری اور باپ کی خاطر سے پڑھ لیا کرنا۔ بیٹا: مجھ سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ماں: تو یوں کہو تم کو بات کے کہنے کی ضد ہے۔ بیٹا: جو کچھ سمجھو۔ ماں: بھلا پھر اس کا انجام کیا ہوگا؟ بیٹا: ہوگا کیا۔ بہت کریں گے خفا ہوں گے دو چار دن میں سامنے نہ جاؤں گا۔ آخر تم کہہ سن کر بات رفت گزشت[۱۰] کرا ہی دو گی۔ کیوں بی اماں کرا دو گی نا؟ ہماری اماں نہیں؟ ماں: اگر یہی انجام ہوتا تو میں تم سے اتنا اصرار ہرگز نہ کرتی۔ بیٹا: پھر کیا مجھے پھانسی لٹوا دیں گے۔ مار ڈالیں گے کیا کریں گے؟ ماں: بھلا بیٹا آدمی کسی کو مار سکتا ہے ایک ذرا سا! اللہ تعالیٰ نے پھر تو نعیمہ نے ذلت[۱۱]

۱؎ کعبتین جوئے کے پاسے۔ مطلب کہ جواری جس کو جوئے کی لت ہو وہ کعبتین چھوڑ کے کعبے کو کیوں جانے لگا ۱۲ ۲؎ جس کے ہوش و حواس ٹھیک نہ ہوں ۱۲ ۳؎ چھوٹنا ۱۲ ۴؎ برداشت نہیں کر سکتا ۱۲ ۵؎ دشمن ۱۲ ۶؎ جو چیز کہ فوت ہو گئی اس کا بدلہ ۱۲ ۷؎ خدا کرے ۸؎ اتر گیا ۱۲ ۹؎ جھگڑا ۱۲ ۱۰؎ گئی گزری ہوئی ۱۲

تو ڈر کبھی ہے کہ اللہ پناہ دے۔ جان سے مارنا تو خدا کا گناہ اور حاکم کا جرم۔" بیٹا: "شاید یہ کریں کہ گھر سے نکال دیں۔" ماں: "شاید تم تو بیٹے ہو اُن کو اس بلا کا اہتمام ہو کہ اگر میں بھی اُن کی رائے کے خلاف کروں تو تئیس برس[۱] کا گھر دم بھر میں ملانے کو تیار ہیں۔" بیٹا: "شاید اسی ڈر کے مارے تم سب کے سب اُن ہی کی سی کہنے لگے۔" ماں: "نہیں اسوقت تک تو کسی کے ساتھ کسیطرح کی سختی کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ باتیں ہی وہ اس غضب کی کرتے ہیں کہ گنجائش انکار باقی نہیں رہتی۔ لیکن ہاں جو تمھاری طرح کوئی کٹھ حجتی کرتا تو ضرور بگڑتے۔" بیٹا: "میں انکی خفگی سے خیر کسیقدر ڈرتا بھی تھا لیکن گھر سے نکلنے کی تو بندۂ درگاہ ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور گھر کی طرح سے جو نماز پڑھے میں اس کو بھی کچھ کہتا ہوں[۲]۔ اپنے کھانے کپڑے پر گھمنڈ کرتے ہوں گے۔ میں اُن جیسے دس کو کھانا کپڑا دے سکتا ہوں۔" ماں: "باپ بچارے نے تو یہ بات بھی منہ سے نہیں نکالی۔ تم اپنے دل سے جو چاہو سو کہو۔" بیٹا: "نہیں۔ اُن کے اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کپڑے کا ڈراوا دکھانا چاہتے ہیں کہ دین کا ٹوکرا زبردستی ہم لوگوں کے سر پر لاد دیں۔ سو یہ دل سے دور رکھیں۔ میں خود گھر سے دل برداشتہ[۳] ہو رہا ہوں۔ نہیں معلوم کیا سبب تھا کہ میں اٹک گیا۔ اگر پہلے سے ذرا بھی مجھ کو معلوم ہوتا تو خدا کی قسم کبھی کا گھر سے ایسا گیا ہوتا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور اب دیکھ لینا۔ دیوانہ[۴] را ہوئے بس است۔" ماں: "بیٹا! تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ باپ تک تم گئے نہیں۔ نہ دیکھی نہ اُن کی سنی آپ ہی آپ تم نے ایک بات فرض کر لی اور اس پر غصہ کرنے لگے۔" بیٹا: "درست۔ چھیڑ چھاڑ میری طرف سے شروع ہوئی یا اُن کی طرف سے؟" ماں: "اپنی بہتری کی بات کو تم نے چھیڑ چھاڑ سمجھا۔ اور مانا کہ اُن ہی کی طرف سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی سہی تو تم کو گھر سے ناراض ہونے کا کیا سبب؟ گھر میں تو میں بھی ہوں، اللہ رکھے تمھارے بھائی ہیں، بہنیں ہیں، ہم سب نے تمھارا کیا قصور کیا ہے؟" بیٹا: "تم سب تو اُن ہی سے ملے ہوئے ہو۔ اچھا اگر تم کو میرا پاس ہو تو میرا ساتھ دو۔" ماں: "اگر تمھارے باپ کی زیادتی ہوتی تو بیشک میں تمھاری طرفداری کرتی۔ انسان وہ کام کرے کہ دس بھلے آدمیوں میں بات آپڑے تو لوگ اس کو الزام نہ دیں۔ فرض کیا کہ تم اتنی ہی بات پر گھر سے خفا ہو کر چلے گئے تو لوگ تم ہی کو قصوروار ٹھیرائیں گے۔" بیٹا: "لوگ ہیں قاضی[۵] نہیں، مفتی نہیں۔ میں کسی کی رعیت نہیں۔ جب میں اپنے سگے باپ کے کہنے کی پروا نہیں کرتا تو لوگ پڑے بکا[۶] کریں۔" ماں: "بیٹا دنیا میں رہ کر تو ایسی آزادی نبھ نہیں سکتی۔" بیٹا: "ابھی ایسی نبھے کہ

---

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] کو اسوقت تئیس برس ہوئے تھے ۱۲ [۲] یعنی لعنت کرتا ہوں ۱۲ [۳] میرا دل اچاٹ ہو رہا ہے ۱۲ [۴] باؤلے آدمی کو اشارہ بس کرتا ہے ۱۲ [۵] اسلام کی عملداری تھی تو قاضی اور مفتی شرع محمدی کے مطابق جھگڑے فیصل کیا کرتے تھے ۱۲ [۶] کہنے کے ساتھ بکنا بہت مناسبت واقع ہوا ہے ۱۲

جیسے کہتے ہیں ؎

کیا اس کو نباہتا ہوں ‫ ‫ انشاء اللہ دیکھے گا

ماں " تو کیا تم گھر سے چلے جاؤ گے ؟" بیٹا " کوئی مجھ کو روک بھی سکتا ہے ؟ ؎

مانعِ[1] دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ‫ ‫ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ماں " کیوں ؟ روکنے والی میں موجود بیٹھی ہوں ۔ کیا میرا تم پر کچھ بھی حق نہیں ؟" یہ کہہ کر فہمیدہ کا دل بھر آیا اور اُس پر رقت طاری ہو گئی " میں نے تم کو نو مہینے اسی دن کے واسطے پیٹ میں رکھا تھا اور اسی لئے تمھارے پالنے کی مصیبتیں اٹھائی تھیں کہ جب بہار دیکھنے کے دن آئیں تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ ۔ کلیجہ ایچ کھی ہوں ذرا جا کر دیکھ ۔ قیامت تک دودھ بخشنے ہی کی نہیں " بیٹا ع ۔ اینہم اندر عاشقی[2] بالائے غم ہائے دگر "

ماں ۔ بھلا ایسے جانے میں کیا فلاح و برکت ہو گی کہ باپ کو ناراضمند کرکے جاؤ اور ماں کو ناخوش اور بے وجہ اور بے سبب " بیٹا " خیر اب تو یہی دل میں ٹھنی ہے ع ۔ سر جائے پر[3] دو منہ نہ جائے ؛ اور کچھ خاص کر یہی سبب نہیں مدتوں سے میرا دل گھر میں بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا اور ہمیشہ خیال آیا کرتا تھا کہ چلوں ذرا باہر کی بھی ہوا کھاؤں ع ۔ چل در میکدہ تک ہے حرکت[4] میں برکت " ماں " گھر سے ناراض ہو کر جاؤ گے تو چچا باوا دادا کا نام تمام شہر میں اُچھلے گا " بیٹا " جب باپ نے میرا پاس[5] آبرو نہ کیا تو خاندان کی عزت بچے تو بلا سے اور جائے تو بلا سے " ماں " باپ دادوں کی عزت تو یہ ہے یا جائے تم نے گھر سے باہر قدم رکھا اور تمھاری بات دور کو نہیں[6] کی ہوئی ۔ یہی تمھارے دوست آشنا جو رات دن تمھاری للّو پتّو میں لگے رہتے ہیں سلام تک کے روادار تو ہونے ہی کے نہیں ۔ ہمدردی اور غمگساری تو کیا مذکور ہے " بیٹا " گھر سے نکل کر کیا میں نے دلّی میں رہنے کی قسم کھائی ہے ؎ ۔ آنکہ[7] شیر ننگ نیست ، پائے گدا لنگ نیست ؛ جدھر کو منہ اٹھا چل کھڑے ہوئے "

ماں " بھلا میں سنوں کہ تم نے کونسا ٹھکانا سوچا ہے ۔ بیٹا ؎

جب میکدہ[8] چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید ‫ ‫ مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو "

ماں " بھلا پھر اس میں خوبی کیا نکلی کہ تم نے عیش چھوڑا ، آرام چھوڑا ، گھر چھوڑا ، عزیز و اقارب چھوڑے

[1] کوئی تدبیر نہیں کہ جنگل جنگل پھرنے سے روکے لوگوں نے میرے پاؤں میں زنجیر ڈالی ہو اسکو بھی پاؤں کا چکر سمجھو ۔ پاؤں میں جو چکر ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اسکو ساری عمر سفر رہتا ہے ۱۲ [2] ہو گرتا مسئلہ ہے کہ جب تک ماں دودھ نہ بخشے اُس کی نجات نہیں ۱۲ [3] عاشقی میں جہاں اور غم ہیں ایک یہ بھی ہے ۱۲ [4] یعنی بات سے پھرنا نہ ہو اور اگرچہ خیال جاوے ۱۲ [5] خوبی کی جگہ ہے فی الحرکات برکات شاعر کہتا ہے کہ شراب کے دروازے تک ہی چل کچھ نہ کچھ فائدہ ہی پہنچ رہیگا [6] یعنی تم بقدر جو جاؤ گے ۱۲ [7] دنیا میں جگہ کی کمی نہیں میں لنگڑا پاؤں نہیں [8] شراب خانہ چھٹ گیا تو یعنی مسجد پسند کرتا تھا چھٹ گیا تو پھر کچھ بھی جگہ ہے ۱۲

اور ان سب کے بدلے لائے تو کیا لائے؟ بدنامی کا خلعت، رسوائی کا خطاب، مفلسی اور محتاجی کا انعام، تکلیف و مصیبت کا پروانہ، تردد و پریشانی کا فرمان۔ موٹی سی موٹی سمجھ اور چھوٹی سی چھوٹی عقل بھی اسکو جائز نہیں کہتی۔ بیٹا: "عقل[۵۱] چہ کیتی ست کہ پیش مرداں بیاید" ماں: "تم تو باپ کو باؤلا اور مجنوں بتاتے تھے مگر باولوں کی سی باتیں دیوانوں کی سی حرکتیں تم خود کرتے ہو۔ دیکھو کہے دیتی ہوں بہت پچھتاؤ گے۔ بہت افسوس کرو گے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم میری بات مانو لیکن جس کو تم اپنے نزدیک معقول پسند اور دانشمند سمجھتے ہو اس سے پوچھو صلاح و مشورہ کرو۔ دیکھو تو کیا کہتا ہے۔ بیٹا: "ع۔ رائے اپنی صلاح ہے اپنی" ماں: "بھلا اتنا تو تم سمجھو کہ میں جو تم سے اصرار کر رہی ہوں اور اتنی دیر سے تمہارے پیچھے سر کھپا[۵۲] رہی ہوں اس میں کچھ میرا نفع یا تمہارے باپ کا فائدہ ہے؟ اگر تم نیک بنو گے تو کچھ ہم کو بخش دو گے یا کوراہ[۵۳] چلو گے تو کچھ ہم سے چھین لو گے مگر خدا نے یہ اولاد کی ممتا[۵۴] کمبخت ایسی ہمارے پیچھے لگا دی ہے کہ جی نہیں مانتا اور دل صبر نہیں کرتا کہ تم کو بگڑتے دیکھیں اور نہ روکیں تم خرابی کے پھیر اختیار کرو اور ہم منع نہ کریں" ماں اور بیٹے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بیدارا نے اندر سے ایک خط لئے ہوئے نکلی اور وہ خط اس نے کلیم کے ہاتھ دیا۔ رات کا وقت اور بیدارا کا اندر سے لیکر نکلنا فہمیدہ سمجھ گئی کہ ضرور کلیم کے باپ کا خط ہے۔ جب تک کلیم خط پڑھتا رہا فہمیدہ چپ بیٹھی دیکھا کی۔ خط پڑھنے کے بعد کلیم چاہتا تھا کہ پھر وہی بات شروع کرے اتنے میں فہمیدہ نے پوچھا: "باپ نے کیا لکھا ہے؟" بیٹا: "ان کو جانتی ہو جس بات کے پیچھے پڑتے ہیں تو پہروں کی خبر لاتے ہیں۔ پھر بلایا ہے۔" ماں: "صرف بلانے کا اتنا بڑا بھاری خط! ذرا میں بھی دیکھوں۔" فہمیدہ نے خط لیکر پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔

خط

اے جان پدر[۵۵] ارشدک اللہ تعالیٰ۔ میں نے تم کو پہلے علیم اور پھر سولن کے ہاتھ بلوایا اور تم نہ تو آئے اور نہ معذوری و معذرت[۵۶] کہلا بھیجی جس سے ظاہر ہے کہ تم نے مجھ کو ہیچ[۵۷] اور میرے حکم کو بے وقعت محض سمجھا۔ اگرچہ میرے نزدیک دنیا کا ضروری سے ضروری کام بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ باپ بلائے اور بیٹا اس کام کے حیلے سے باپ کے پاس حاضر ہونے میں مکث[۵۸] کرے لیکن اگر کوئی ضرورت ایسی درپیش تھی کہ تم اس کو میری طلب[۵۹] پر مقدم رکھنا چاہتے تھے تو اس ضرورت کو مجھ پر ظاہر اور اپنی مجبوری سے مجھکو مطمئن کرنا بھی تم پر لازم تھا۔ نہ صرف

---

۵۱ یہ اور اس قسم کی اور چند باتیں آوارہ لوگوں نے بنا رکھی ہیں اور ان ہی کی صحبتوں میں بولی جاتی ہیں ان کو مستند مثل مت سمجھ لینا ۱۲ ۵۲ مغز مار رہی ہوں بک رہی ہوں ۱۲ ۵۳ بدراہ ۱۲ ۵۴ محبت ۱۲ ۵۵ باپ کی جان تم کو خدا نیک ہدایت دے ۱۲ ۵۶ عذر ۱۲ ۵۷ ذلیل ۱۲ ۵۸ توقف۔ دیر ۱۲ ۵۹ مطلب یہ ہے کہ بڑے بلانے کو پیچھے ڈالکر اس کام کو پہلے کرنا چاہتے تھے ۱۲

اس نظر سے کہ میں تمہارا باپ ہوں اور تم میرے بیٹے بلکہ آداب تمدن اور اخلاق معاشرت اسی طرح کے برتاؤ کے مقتضی ہیں۔ دنیا کا انتظام جس قاعدے اور دستور سے چلتا ہے تم اپنے تئیں اس سے بیخبر اور ناواقف نہیں کہہ سکتے۔ ہر گھر میں ایک مالک، ہر محلے میں ایک رئیس، ہر بازار میں ایک چودھری، ہر شہر میں ایک حاکم، ہر ملک میں ایک بادشاہ، ہر فوج میں ایک سپہ سالار، ہر کام کا ایک افسر، ہر فرقے کا ایک سرگروہ ہوتا ہے۔ الغرض ہر گھر میں ایک چھوٹی سی سلطنت ہے اور جو شخص اس گھر میں بڑا بوڑھا ہے وہ اس میں بمنزلہ بادشاہ کے ہے۔ اور گھر کے دوسرے لوگ بطور رعایا اس کے محکوم ہیں۔ اگر ملک کی بدنظمی حاکم ملک کی غفلت اور بے عنوانی سے ہوتی ہے تو ضرور اس گھر میں جو خرابی ہے اس کا الزام مجھ پر ہے۔ اور میں نہایت ندامت اور حسرت کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ اب تک میں بہت ہی غافل بادشاہ اور بڑا ہی بے خبر حاکم رہا ہوں۔ میری غفلت نے میرے ملک کو غارت اور میری سلطنت کو تباہ کر دیا۔ میری بیخبری نے نہ صرف مجھ کو ضعیف الاختیار بنایا بلکہ رعیت کو بھی ایسا سقیم الحال کر دیا کہ اب ان کے پنپنے کی امید نہیں جس طرح چھوٹے چھوٹے نواب اور راجواڑے سلطان وقت کے حضور میں اپنے ملکوں کی بدنظمی کے واسطے جوابدہی کیا کرتے ہیں اور ان کو غفلت بے عنوانی کی سزا ملتی ہے۔ واجد علیشاہ سے سلطنت منتزع ہوئی۔ والی ٹونک مسند حکومت سے اتار دیئے گئے میں بھی بادشاہ دوجہان کے حضور میں اپنے گھر کی خرابی کا جوابدہ ہوں۔ اور دوسروں کو سزایاب ہوتے دیکھ کر اب مجھ کو سچا اور پورا تنبہ ہوا ہے۔ اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آیندہ سے میری خانہ داری کے ملک میں جتنے رخنے ہیں بند، جتنے خلل ہیں مسدود، جتنے نقص ہیں پورے جتنے سقم ہیں دفع کئے جائیں۔ بڑی خطرناک قباحت جو میں اپنے ملک میں پاتا ہوں یہ ہے کہ میں اور میری رعایا یعنی تم لوگ شاہنشاہ دوجہان سے سرکشی و بغاوت پر آمادہ و کمربستہ ہو اور اخراج عبادت جو ہم کو وقت مقرر پر ادا کرنا چاہیئے بالکل باقی پڑا ہے۔ خراج جو ہم پر عائد کیا گیا ہے میں دیکھتا ہوں تو نہایت ہی ہلکا اور نرم اور رعایتی ہے اگر ہم چاہتے تو کوئی قسط بھی باقی نہ رہتی اور جو مطالبہ شاہی تقاضے زحمت اپنے وقت پر خزانۂ عامرۂ سرکاری میں داخل ہو جایا کرتا پایں ہمہ جو کوتاہی ہماری طرف سے ہوئی ظاہر ہے۔ اس نادہندی کی کوئی نامعقول تاویل بھی تو ہم نہیں کر سکتے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو پچھلا اخراج تمام و کمال بے باق کریں اور اپنا قصور معاف کرائیں اور آئندہ کو عہد کریں کہ

۱ لوگوں میں مل جل کر رہنے کا ادب ۱۲ ۲ میل ملاپ کے قاعدے ۱۲ ۳ چاہتے ہیں ۱۲ ۴ بجائے ۱۲ ۵ بے طوری بے قاعدگی ۱۲
۶ جس کے اختیارات پورے اور کمزور ہوں ۱۲ ۷ خستہ حال ۱۲ ۸ لکھنؤ کے بادشاہ سلطنت سے اتار دیئے گئے مدتوں کلکتے میں نظر بند رہے اب مر گئے ۱۲ ۹ چھین لئے گئے ۱۲ ۱۰ آگہی ۱۲ ۱۱ سوراخ ۱۲ ۱۲ پہلے جملہ کا ٹھیک ترجمہ ہے ۱۲ ۱۳ مراد ہے خدا تعالیٰ

کبھی باقی نہ رکھیں گے۔ یا بادشاہ کے ساتھ لڑیں اور مقابلہ کریں اور ہو سکے تو اپنے تئیں اس کے رِبقۂ[۱] اطاعت سے آزاد کر لیں۔ شاہی قوت اور ہمارا ضعف[۲] تو ظاہر ہے۔ بھلا ہماری تو کیا ہستی ہو فرعون[۳] اور نمرود اور شداد اور ہامان اور قارون کیسے کیسے جابر[۴] و مقتدر[۵] ہو گزرے ہیں، باغی ہوئے تو کسی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا بس سوائے اطاعت[۶] و انقیاد[۷] دوسرا چارۂ[۸] نہیں۔ رعایائے ملک میں تم کو سربرآوردہ اور ممتاز سمجھ کر صلاح و مشورے کیلئے بلایا تھا۔ تمھارے نہ آنے سے ثابت ہوا کہ تم کو سرکار کا ذرا سا بھی خوف نہیں۔ ابتک میں نے تشبیہ و تمثیل میں تم سے گفتگو کی اور اس سے تم کو معلوم ہو جائیگا کہ کس مجبوری سے میں تمھارے معاملات میں دخل دیتا اور تمھارے افعال سے تعرض کرتا ہوں میرا دخل و تعرض بیشک تمکو دخل بیجا اور تعرض ناروا معلوم ہوتا ہو گا۔ لیکن ذرا اپنی اور میری ذمہ داری کو انصاف کے ساتھ موازنہ کرو گے تو سمجھ لو گے کہ اس کو بیجا اور ناروا سمجھنا بڑی غلطی ہے جن شرطوں کا میں تم کو پابند کرنا چاہتا ہوں میں اپنے تئیں اور کسی کے تئیں ان سے مستثنیٰ[۹] نہیں کرتا۔ پھر شکایت کیا اور گلہ کیوں؟ تم جیسے نوجوان آدمیوں کو مذہب کے بارے میں کبھی کبھی خدشات بھی واقع ہوا کرتے ہیں اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں۔ خدشے کا واقع ہونا دلیل جستجو ہے اور جستجو کا انجام ہے حصول جوئندہ یابندہ[۱۱]۔ اگر تم میں سے کوئی ایسا خدشہ پیش کرنا چاہے تو میں اس کا جواب دینے کو موجود ہوں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں مذہب کے اصول ایسے سچے اور یقینی اور بدیہی[۱۲] اصول ہیں کہ ان میں رد و انکار کا مدخل ہو ہی نہیں سکتا چونکہ ابتدائے شعور سے ابتک ہم لوگ غفلت اور سستی اور بے پروائی اور خداوند جل و علا شانہ[۱۳] کی مخالفت اور عدول حکمی اور نافرمانی میں زندگی بسر کرتے رہے اور گناہ اور خطاکاری کی عادتیں ہمارے دلوں میں راسخ[۱۴] ہو گئی ہیں البتہ میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ ایک مدت میں زنگ معصیت[۱۵] ہمارے سینوں سے دور ہو کر یہ آئینۂ ایمان کی جلا[۱۶] سے منور ہوں گے لیکن بالفعل میرا مطلب اسیقدر تھا کہ ہر شخص مناسب حالت اپنا اپنا فکر کر چلے۔ جب میں اپنی اور تم سب کی پچھلی زندگی پر نظر کرتا ہوں تو اپنی بوٹیاں[۱۷] توڑ توڑ کر کھاتا ہوں کیوں کہ اس

---

۱ فرمانبرداری کی رسی جو گلے میں پڑی ہے ۱۲ ۲ کمزوری ۱۲ ۳ فرعون مصر کا بادشاہ تھا ہامان اسکا وزیر دونوں کافر۔ حضرت موسیٰؑ نے دونوں کو ہلاک کیا۔ قارون حضرت موسیٰؑ کا رشتہ دار تھا حضرت موسیٰؑ کا کہنا نہ مانا گھربار سمیت زمین میں دھنس گیا۔ نمرود و شداد دو کافر بادشاہ تھے خدا سے منحرف۔ نمرود کو مچھر نے ہلاک کیا۔ شداد نے بہشت کا جواب عدن میں باغ بنایا اس میں گھسنے نہ پایا کہ مر گیا ۱۲ ۴ سخت گیر ۱۲ ۵ مقدور والے ۱۲ ۶ و ۷ فرمانبرداری ۱۲ ۸ علاج ۱۲ ۹ مستثنیٰ ۱۲ ۱۰ مقابلہ ۱۲ ۱۱ جو ڈھونڈھتا ہے پاتا ہے ۱۲ ۱۲ کھلی ہوئی بات جسکے لئے دلیل کی ضرورت نہ ہو ۱۲ ۱۳ اس کی شان بزرگ اور بڑی ہے ۱۲ ۱۴ جم گئی ہیں ۱۲ ۱۵ نافرمانی ۱۲ ۱۶ آئینے کو مانجھنا کہ اسمیں منہ دکھائی دینے لگے ۱۲ ۱۷ یعنی مارے غصے کے ۱۲

ساری خرابی کا بانی[۵۱] اور اس تمام تر بدی کا موجب[۵۲] میں ہوں۔ اے کاش میرا اتنا ہی قصور ہوتا کہ میں اپنی ذات سے گنہگار قرار دیا جاتا۔ نہیں۔ تم سب کے گناہوں میں میرا ساجھا اور تم سب کی خطاؤں میں میری شرکت ہے۔ میں خدا کا گنہگار الگ ہوں اور تمہارا قصوروار الگ لیکن افسوس کہ اس گناہ کا کفارہ[۵۳] اور اس قصور کی تلافی میرے اختیار سے خارج ہے۔ ہاں مگر تم مجھ پر رحم کر کے اپنی اصلاح وضع کرو۔ کیا تمہاری سعادت مندی اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ تمہارے سبب قیامت میں میری رسوائی ہو؟ کیا تمہاری حمیت[۵۴] اس بات کو پسند کر لیتی ہے کہ تمہاری وجہ سے حشر کے دن میں خدا کے غضب میں پکڑا جاؤں چونکہ تم میرے بڑے بیٹے ہو مجھ کو سب سے زیادہ تمہارا بھروسہ تھا کہ تم اس مشکل میں میرا ساتھ دو گے، میری مدد کرو گے۔ نہ کہ تم نے ملنے سے بھی کنارہ کیا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میری آس ٹوٹ گئی۔ اور میرے ذہنی منصوبے تمام بگڑ گئے۔ اتنی بڑی مہم اور میں اکیلا اتنا مشکل کام اور میں تنہا! تم جانتے ہو کہ تمہارا انحراف[۵۵] میرے انتظام میں کتنا خلل ڈالے گا چھوٹے بڑے سب تم کو سند گردانیں گے اور بات بات میں تمہارا حوالہ دیں گے اگر تم اسی مصلحت سے میری شرائط کو قبول کر لیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا؟ تم نے ابتدا ہی سے وہ سختی اختیار کی جس کی مجھ کو انجام میں بھی تم سے توقع نہ تھی۔ جتنی مشکلیں مجھ کو پیش آنے والی ہیں میں ان سے بے خبر نہیں ہوں اور اگر اس ارادے کا ترک کر دینا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تم سے سچ کہتا ہوں میں اس بات کو منہ ہی سے نہ نکالتا لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ میں کوئی انوکھا[۵۶] آدمی نہیں ہوں۔ آخر مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ ابھی جب میں نے ہیضہ کیا تو مرنے میں کچھ باقی رہ گیا تھا؟ خدا کی قدرت تھی کہ اس نے مجھ کو از سر نو[۵۷] پھر جلا دیا لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ ؎

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر آخر کو مرنا ہے حضرت سلامت

اور جس طرح مرنا یقینی ہے یہ بھی یقینی ہے کہ مجھ کو اپنے اعمال و افعال کے واسطے خدا کے حضور میں جوابدہی کرنی پڑے گی اور نہ صرف اپنے اعمال و افعال کے واسطے بلکہ تم سب کے اعمال و افعال کے واسطے بھی پس سوائے اس کے کہ میں اپنا اور تم سب کا طرز زندگی بدل دوں اور کچھ چارہ نہیں۔ اگر تم میرے پاس آئے ہوتے اور مجھ سے تم سے بات چیت ہوئی ہوتی تو میں تمہاری رائے دریافت کر کے ایک خاص طور پر تم سے گفتگو کرتا۔ اب مجھ کو معلوم

---

۵۱ بنیاد ڈالنے والا ۱۲ ۵۲ ایجاد کرنے والا ۱۲ ۵۳ گناہ کا اتارا ۱۲ ۵۴ غیرت ۱۲ ۵۵ پھر بیٹھنا ۱۲ ۵۶ نئی طرح کا ۱۲ ۵۷ نئے سرے سے ۱۲

نہیں کہ جتنی باتیں میں نے کہیں اُن میں کونسی تم کو تسلیم ہیں اور کس سے تم کو انکار ہے پس اب زیادہ لکھنا میں فضول وعبث سمجھتا ہوں۔ لیکن جو کچھ میرے ذہن میں تھا میں لکھ چکا میں تم سے اسکا جواب کا متقاضی نہیں اور اس کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ میں اپنے تقاضے کا لاحاصل اور بے اثر ہونا دیکھ نہیں سکتا۔ دوسرے صرف ایک ہی جواب ہے کہ اس کو میں بہ طیب خاطر سن سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم میری شرطوں کو منظور کرو ورنہ میں اپنے تئیں مواخذہ عاقبت سے بچانے کے لیے البتہ ان چند روزہ رشتوں کا پاس اور ان عارضی قرابتوں کی پروا نہیں کر سکتا۔ اور یہ میرے ہاتھ سے درجے کی تدبیر ہے اور میں خدا سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں کہ مجھ کو اس کے اختیار کرنے کی ضرورت واقع نہ ہو۔ والدعا۔

خط پڑھ کر فہمیدہ بیٹے سے کہنے لگی: "دیکھا" بیٹا: ع جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔ ماں: "کیا اب بھی تم کو باپ کی نسبت جنون کا احتمال ہے؟" بیٹا: "احتمال کیسا اب تو یقین کامل ہے بقول شخصے ع دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں۔ اپنے تئیں بادشاہ سمجھنا جنون نہیں تو کیا ہے۔" ماں: "انا للہ وانا الیہ راجعون۔" بیٹا: "کیوں آپ نے انا للہ کس بات پر کہا؟" ماں: "تمھاری الٹی سمجھ اور تمھاری بدقسمتی پر۔" بیٹا: ع بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے۔ ماں: "تو کیا سچ مچ تم باپ کے پاس نہیں جاؤ گے؟" بیٹا: "اب تو میرا نہ جانا اُن پر بھی ظاہر ہو گیا۔ پھر کیا ضرورت ہے۔ کل جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔" ماں: "دیکھو پھر میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ رات کو اطمینان سے تم اس خط کے مطلب پر غور کرو۔ تمھارے باپ نے کوئی بات بیجا نہیں لکھی۔ جو شخص اس خط کو دیکھے گا تم ہی کو قائل معقول کریگا۔"

نعیمہ کی خالہ اور بہن صالحہ نے اُس کو آکر منایا۔ کھانا کھلایا اور اُسی کے ساتھ نعیمہ خالہ کے یہاں چلی گئی

ابھی فہمیدہ یہ بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ صالحہ کی ڈولی آ پہنچی۔ اُترتے کے ساتھ خالہ سے پہلے ہی پوچھا۔ کہو آپا نے کچھ کھایا پیا یا نہیں؟ خالہ: "کچھ بھی نہیں۔" صالحہ: "ہیں کہاں؟" خالہ: "دالان کے اندر کوٹھری میں۔" صالحہ: "آخر بات کیا ہوئی تھی؟" خالہ: "کیا علیم نے تم سے کچھ نہیں کہا؟" صالحہ۔ اتنا ہی

۵۱ خوشی سے ۱۲ ۵۲ ذریت کی بکثرت ۱۲ ۵۳ درد۔ دعا یہ کلمہ چھوٹوں کے نام خط کے آخر میں لکھ دیا کرتے ہیں ۱۲ ۵۴ ہم خدا کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ افسوس کے مقام پر کہا جاتا ہے ۱۲ ۵۵ بدقسمتی کا لکھا ہے ۱۲ ۵۶ مراد ہے نعیمہ ۱۲ ۵۷ تھی یعنی پردہ

کہا کہ لڑائی ہوئی ہو۔ صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ میں ہر چند پوچھتی رہی کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ بھائی وہیں چل کر پوچھ گچھ لینا۔ تب خالہ نے شروع سے آخر تک سب ماجرا کہہ سنایا۔ صالحہ بڑی دانشمند لڑکی تھی۔ اور اگرچہ نعیمہ سے عمر میں کچھ چھوٹی تھی مگر دونوں میں بڑا ہی میل ملاپ تھا۔ صالحہ کو جو وقت پیش آنے والی تھی اُسکو سوچ سمجھ کر اُس نے خالہ سے کہا کہ انشاء اللہ آپا کو میں راضی کروں گی مگر میرے سوائے اُس مکان میں دوسرا آدمی نہ رہے۔ کیونکہ گھر میں جتنے آدمی ہیں آخر سب اِس حال سے واقف ہیں۔ ان میں سے کوئی سامنے جائے گا تو آپا کو ضرور حجاب[۵۱] ہوگا۔ بات صالحہ نے معقول سوچی تھی کیوں کہ جب ایک مجمع میں کسی آدمی کی بیعزتی ہوتی ہے تو جو لوگ اس کی تفضیح[۵۲] دیکھ چکے ہیں وہ سب کو اپنا دشمن ٹھیرا لیتا ہے۔ شاید اس خیال سے کہ یہ سب کھڑے دیکھتے رہے اور انھوں نے میری کچھ مدد نہ کی۔ اور ان میں سے جب کوئی شخص سامنے آتا ہے تو اُس ستم رسیدہ[۵۳] کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسی نے مجھکو فضیحت کرایا تھا۔ پس ضرور اُس کے غصے کو ترقی اور اُس کے غضب کو زیادتی ہوتی ہے اور بیچاری بیدارا نے جو ناحق ایک دولتی کھائی تو اسی وجہ سے ورنہ اُس کا کیا قصور تھا۔ وہ ماں بیٹیوں کے بیچ میں کچھ بولی نہیں چالی تھیں، نہ کسی طرح کا دخل دیا، نہ کسی کی طرفداری کی اور دخل دینے کی فرصت کس کو ملی۔ ماں بیٹیوں میں ایک بات پر رد و کد[۵۴] ہونی شروع ہوئی جیسے ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ ماں نے دفعۃً بیٹی کو طمانچہ کھینچ مارا۔ غرض بات کی بات میں تو تیاری (سامان)، ارادے، چڑھائی، مار کٹائی، ہار جیت سب کچھ ہو گیا۔ گھر والے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہے۔ صالحہ نے جو اپنا انتظام خالہ کو سنایا اُنھوں نے بھی پسند کیا اور سب لوگوں سے کہہ دیا کہ اُس قطعے میں کوئی نہ جائے۔ ہر ایک کو سونے بیٹھنے کا ٹھکانا بتا دیا اور اپنے واسطے یہ تجویز کی کہ ہم گھر والے سب مردانے میں پردہ کرا کر سو رہیں گے بلکہ صالحہ نے کہا بھی کہ آپ کوٹھے پر سو رہیں خالہ نے جواب دیا کہ ابھی مجھ کو اُن بڑے حضرت میاں کلیم کا بھی تو سر مارنا[۵۵] ہے۔ صالحہ: کیا اُن سے بھی لڑائی ہوئی ہے؟ خالہ: لڑائی کیسی۔ اُن سے چھم چھپا ہو رہی ہے۔ صالحہ: "کس بات پر؟" خالہ: "بات تو اتنی ہی ہے کہ باپ نے اُن کو نماز روزے کے واسطے نصیحت کرنے کو اپنے پاس اوپر بلوایا۔ یہ نہیں گئے۔" صالحہ: "خالو جان نے بلوایا اور یہ نہیں گئے؟" خالہ: "تم کو جانے پر تعجب ہوتا ہے۔ باتیں سنو تو حیران ہو جاؤ۔ باپ کو دیوانہ اور جنونی، نماز کو کھٹراگ، دین کے پیشواؤں کو مُلّانے، قُل اعوذیے، مردہ شو، ٹکڑ گدے، بھیک منگے بتلاتے ہیں۔" صالحہ: "کسی نے آپ سے غلط کہہ دیا ہوگا۔" خالہ: "میرے روبرو۔" صالحہ: "پھر کسی نے اُنکو بہکایا ہوگا۔"

---

[۵۱] یہاں مراد ہے شرمندگی ۱۲ [۵۲] رسوائی ۱۲ [۵۳] مظلوم ۱۲ [۵۴] تکرار ۱۲ [۵۵] بکنا سمجھانا ۱۲

خالہ: "ایک سمجھانا! ظلم نے بہتیرا سر مارا۔ میں شام سے اب تک کہتے کہتے تھک گئی جن مصیبتوں سے آج کا دن کٹا ہے خدا ہی جانتا ہے۔ واللہ تک میرا حمیدہ کے منھ میں گیا ہو تو جس طرح کی چاہو قسم لے لو۔ اس پر نعیمہ کا تکرار کلیم کا تردد۔ اور سب سے بڑھ کر نعیمہ کے بچے کا سنبھالنا کہ آج اس کو دن بھر روتے گذرا ہے" صالحہ: "آپ کھانا کھائیے۔ دوسرا وقت بھی ناوقت ہو گیا یقین ہے آپ کے کھاتے کھاتے میں آپا کے واسطے کھانا منگواتی ہوں" خالہ: "میری کیا جلدی ہے میں کھا ہی لوں گی حمیدہ بیچاری کے صبر کو دیکھو کہ اس نے کھانے کا نام بھی تو نہیں لیا۔ کل اسوقت کا کھائے ہوئے ہے۔ خالی پیٹ میں دن بھر پانی انڈیلتی رہی ہے میں نے ہر چند کہا نہ مانا۔ آخر بھوکی سو رہی" صالحہ: "کیا آپ حمیدہ پر بھی کچھ خفا ہوئی تھیں؟" خالہ: "مطلق نہیں۔ اس نے بہن کے افسوس میں کھانا نہیں کھایا بہن کا وہ حال کہ بس چلے تو جان سے مار ڈالنے پر تلی بیٹھیں۔ اور اس کی یہ کیفیت کہ بہن پر اپنا دم دیتی ہے بھانجے کو اسقدر چاہتی ہے کہ رات کو بھی تو ساتھ لیکر سوتی ہے۔ صالحہ: "حمیدہ کو آپ جگائیے اور اطمینان سے آپ بھی کھانا کھائیے اور اس کو بھی کھلائیے آپا کا اب کچھ فکر نہ کیجیے" یہ کہہ کر صالحہ اندر مکان میں گھستے ہی پکاری "کیوں بی میری آپا کہاں ہیں؟" گھر میں کوئی ہو تو جواب دے۔ سب سے پہلے باورچی خانہ میں گئی، وہاں نہ دیکھا۔ دالان میں آئی، وہاں بھی نہ پایا تو سہ دری میں ڈھونڈھتی پھری۔ غرض ٹال مٹول کرتے کرتے آخر کار دیے والی کوٹھری کے پاس آ کر جھانکنے لگی جہاں نعیمہ تھی۔ نعیمہ دن بھر تو فرش پر پڑی رہی۔ مگر صالحہ کی آواز سنتے کے ساتھ جلدی سے اٹھ منھ لپیٹ پلنگ پر جا لیٹی اور دروازے کی طرف پیٹھ کر لی۔ صالحہ نے پہلے تو ان جان بن کر پوچھا "یہ پلنگ پر کون لیٹا ہے؟ پھر آپ ہی آپ کہنے لگی "اوہو آپا ہیں۔ اپنی اکیلی کوٹھری میں اور ایسے سویرے" اتنا کہا اور دوڑ کر نعیمہ سے لپٹ گئی۔ نعیمہ نے جب سے صالحہ کی آواز سنی اس کو ایک طرح کی حیرت تھی کہ سان نہ گمان دفعتہً یہ کہاں آن موجود ہوئیں مگر یہ بات اس کے ذہن میں بھی نہیں گذری کہ بلوائی ہوئی آئی ہے۔ نعیمہ نے اسوقت اپنے تئیں ایسا بنا لیا کہ گویا دیر سے پڑی سو رہی ہے۔ اور بھاری سی آواز بنا کر بولی "اے ہے بوا[۵۱] ہم کو دق نہ کرو سونے دو" صالحہ "اے بی آپا میں ہوں صالحہ اٹھو منھ تو کھولو۔ ابھی سے کیوں سو رہی ہیں؟ جی کیسا ہے؟" اگرچہ نعیمہ نے چاہا تھا کہ صالحہ پر اپنی کیفیت ظاہر نہ کرے مگر اس نے ایسی ہمدردی سے پوچھا کہ نعیمہ ضبط نہ کر سکی اور رونے لگی۔ اس کو روتا دیکھ کر صالحہ نے ادھر ادھر سے پوچھنا شروع کیا "سر دکھتا ہے؟ پیٹ میں درد ہے؟ بچے کا جی

۵۱۔ لفظ ایسا کثیر الاستعمال ہے کہ بہن کی جگہ بول دیتے ہیں ۱۲

کیسا ہے؟ سسرال والوں نے کچھ کہلا بھیجا ہے؟ گھر میں کسی سے لڑائی ہوئی ہے؟ صالحہ بہیترا پوچھتی تھی مگر نعیمہ
آنسوؤں سے بڑے ڈھلکتی جاتی تھی اور کچھ جواب نہیں دیتی تھی۔ آخر صالحہ نے کہا "نہ بتاؤ تو مجھی کو کھاؤ"۔ تب نعیمہ
خفا ہو کر بولی "چل مکارہ! مجھ سے باتیں بنانے آئی ہے۔ کیا تجھ کو خبر نہیں؟" صالحہ۔ "ابھی مولوی ہدایۃ اللہ کے
وعظ سے اٹھی چلی آتی ہوں۔ یہاں آئی تو خالہ اماں اور گھر والے سب مردانے مکان میں ہیں۔ اتنا سنا کہ بڑے
بھائی خفا ہو کر گھر سے جا رہے ہیں مجھ کو تم سے ملنے کی جلدی تھی۔ خالہ اماں کو سلام کر سیدھی اندر چلی آئی۔ یہاں
آ کر دیکھا نہ تو آدمی نہ آدم زاد۔ تم کو سارے گھر میں ڈھونڈتی پھری۔" نعیمہ "کیوں۔ بڑے بھائی کس بات پر
گھر سے نکل رہے ہیں؟" صالحہ "لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ خالو ابا نے کہلا بھیجا ہے کہ نماز پڑھیں تو میرے گھر میں
رہیں ورنہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔" نعیمہ "آگ لگے اس نماز کو۔ یہ کیا اب گھر میں کسی کو تھوڑا ہی رہنے دے گی۔
یہ تو حمیدہ کے سوائے سبھی کو نکلوائے گی۔" صالحہ "تو کیا آپا تم بڑے بھائی ہی کے واسطے پڑی رو رہی تھیں؟"
نعیمہ "مجھ کو تو بیچارے بڑے بھائی کی خبر بھی نہیں، ان سے پہلے میں آپ نکلنے کو بیٹھی ہوں۔" صالحہ "توبہ آپا تو یہ
کیسی بد فال منہ سے نکالتی ہو کہ خدا پناہ میں رکھے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی بھلے مانس اشراف کی بہو بیٹی گھر سے نکلے"
نعیمہ "جب اس نماز روزے کا چرچا ہمارے گھر میں ہوا ہے، نفاست اور شرافت سب گئی گزری ہوئی۔ اب
آئی ہو تو دو چار دن رہ کر ہر ایک کا رنگ ڈھنگ دیکھنا۔ نہ وہ زمین رہی نہ وہ آسمان گھر کا باوا آدم[1] ہی کچھ بدل
سا گیا ہے۔ نہ وہ ہنسی ہے نہ وہ دل لگی ہے، نہ وہ چرچے ہیں، نہ وہ مذاق ہے، نہ وہ چہچہے ہیں، گھر میں ایک
اداسی چھائی رہتی ہے۔ ورنہ ابھی ایک مہینہ کا مذکور ہے کہ محلے کی عورتیں تمام تمام دن بھری رہا کرتی تھیں
کوئی گیت گا رہی ہے، کوئی کہانی کہہ رہی ہے، یہ ہمسائی اچھو ہیں کچھ اس طرح کی زندہ دل ہیں کہ ہر روز نئی نئی
نقلیں کر کے سب کو ہنساتے ہنساتے لٹا لٹا دیتی تھیں۔ اب کوئی گھر میں آ کر تھوکتا[2] بھی نہیں۔ گھر ہے کہ کم بخت
اکیلا پڑا بھائیں بھائیں[3] کیا کرتا ہے۔" صالحہ "آخر اسکا سبب کیا؟" نعیمہ "سبب تمہاری خالہ جان اور
حمیدہ کے ابا جان کی بد مزاجی کسی کو کیا غرض کیا مطلب کہ اپنے کام کا حرج کرے اور پرائے گھر آ کر بیٹھے۔ کیا
لوگوں کے گھروں میں بیٹھنے کی جگہ نہیں؟ لوگوں کی خاطر داری ہوتی تھی محبت سے ان کے ساتھ پیش آتی
تھیں، لوگ دوڑے چلے آتے تھے اب یہ حال ہے کہ ہر وقت منحوس کتے کی طرح پھولا رہتا ہے۔ پھر آدمی کیوں

[1] یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ لوگ حضرت آدم کی اولاد نہیں کوئی نئی طرح کے آدمی ہیں ۱۲ [2] تھوکنا حقارت کی وجہ سے ہوتا
ہے یعنی گھر والوں کی نظر میں ایسا ذلیل ہو گیا ہے کہ لوگ اب اس کو حقارت کے قابل بھی نہیں سمجھتے ۱۲ [3] ویرانی اور سناٹے کی آواز ۱۲

برداشت کرنے لگے؟ سب کے سب چلتے پھرتے نظر آئے۔ ابّا جان کے اچھے ہونے پر دو منتیوں نے سینکڑوں ہی پھیرے کئے۔ میں نے کہا بھائی اجو بے منتیں کیں، ہاتھ جوڑے، ایک نہ مانی۔ آخر وہ رت جگا تو خاک بھی نہ ہوا۔ نگوڑے مسجد کے ملاؤں کو بلا کر کھلا دیا۔ اب تو بوا دن رات نماز کا وظیفہ ہے۔ دو دیکھو تخت پہ ہر وقت نماز کا چھپڑ[۵۱] بچھا رہتا ہے۔ وضو کا گھڑا[۵۲] کیا مجال کہ کسی وقت پاس سے الگ ہو جائے۔ کام کاج سے فارغ ہوئیں تو یا نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ یا کتاب پڑھنے بیٹھ گئیں۔ ایک حمیدہ کمبخت اُن کو ایسی ہل گئی ہے کہ اور آنکھ اکسایا[۵۳] کرتی ہے۔ میرا بس چلے تو کُتیا کو ایسا ماروں ایسا ماروں کہ یاد کرے" صالحہ: ہوائے ہے! حمیدہ تو نگوڑی ایسی غریب اور بھولی لڑکی ہے کہ میں نے تو آج تک کوئی اس کی شرارت کی بات دیکھی کیا سنی بھی نہیں۔ اور تم کو تو اتنا چاہتی ہے کہ کاہے کو کوئی بہن کسی بہن کو چاہے گی۔ رمضان کی بات مجھ کو اب تک نہیں بھولی۔ تمکو یاد ہوگا کہ آخیر عشرے میں میں نے اُس کو بلوا بھیجا تھا۔ گھر میں سبھی کو افطاری تقسیم ہوتی تھی۔ اُس کو بھی حصہ ملتا تھا۔ جیسے سمجھو کہ ہر چیز میں سے کچھ کچھ زیادہ دے دیتے تھے۔ مگر اس کو منہ پر رکھنا قسم تھا۔ لوگ کھاتے اور یہ منہ دیکھتی۔ بہتیرا سمجھاتے کہ بھائی یہ کیا بُری عادت ہے۔ چیز ہوتے ساتھ تم نہیں کھاتیں۔ مگر یہ اللہ کی بندی چکھتی تک بھی تو نہیں تھی۔ پہلے مجھ کو خیال ہوا کہ شاید خِفّت کی وجہ سے نہیں کھاتی مگر میں نے پوچھا تو کہنے لگی آپا بغیر کوئی چیز میرے حلق سے نہیں اُترتی۔ دیکھو دن بھر تمہارے لڑکے کو لیے رہتی ہے۔ اور لڑکے کو بھی کچھ ایسا آرام ملتا ہے کہ ویسا ہی چمٹا رہتا ہوا اُس کی گود میں گیا اور چپ۔ اور تمہاری کیا خصوصیت ہے ہر ایک سے وہ اسی طرح محبت سے ملتی ہے میں تو تم سے سچ کہوں مجھ کو تو بہت ہی پیار آتا ہے۔ جب آتی ہوں خوب بھینچ بھینچ کر کئی دفعہ گلے لگاتی ہوں۔

نعیمہ: جس کو دیکھتی ہوں حمیدہ ہی کا کلمہ بھرتا[۵۴] ہے۔ اور میری یہ کیفیت ہے کہ اُس کو دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اُتر آتا ہے۔ صالحہ: اچھی کیوں؟ نعیمہ: مجھکو اماں جان سے اس نے بُرا بنوایا۔ ورنہ آج تک مجھ کو اماں نے کبھی ہوں بھی تو نہیں کہا تھا۔ یا آج چھوٹتے کے ساتھ نہ بات نہ چیت مجھ کو تھپیڑ کھینچ مارا۔ خیر الٰہی حمیدہ بندی! تجھ کو ان ہی ہاتھوں سے ابّا جان جوتیاں ماریں تب میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے۔ اور جیسی تو آج کل سر چڑھی ہے ویسی ہی نظروں سے گرے تب میرے دل کی مراد بر آئے۔ صالحہ: خالہ اماں نے تم کو تھپیڑ مارا؟ یہ کب اور کیوں؟

نعیمہ: آج صبح ذرا کی ذرا لڑکا حمیدہ کو دے کر میں ہاتھ منہ دھونے چلی گئی۔ تم کہتی ہو لو بھلا بچے پہ خدا اپنے [illegible] کو روتا ہوا نہیں پٹک دیا۔ اس کو اتنا بھی ترس نہ آیا کہ ابھی بچی کے دکھ سے مر مر کر بچا ہے یوں چوتروں [illegible] بٹھائے دیتی ہوں ایسا نہ ہو کہیں اس کو صبح کی ٹھنڈی ہوا لگ جائے اور پھر بیمار پڑے۔ بس اتنا قصور [illegible] کہ میں نے بولتے حمیدہ کو ہاتھ لگایا۔ ہاتھ کا لگانا تھا کہ وہ فیلپائی[۵۵] دھڑام سے تخت پر گر پڑی کہیں ذرا سی خراش آگئی

۵۱ جائے نماز کو حقارت سے چھپڑ کہا ۱۲ ۵۲ وضو کرنے کے برتن کی خرابی ہے ۱۲ ۵۳ اُبھارا ۱۲ ۵۴ جس سے روز دکھ ڈالا جائے ۱۲ [illegible] ۵۵ [illegible] ۵۶ ام الصبیان [illegible]
[illegible]

صالحہ: "کیا کہوں۔ مجھ کو تو یقین نہیں آتا کہ حمیدہ اور بھلے چنگے کو بے سبب روتا ہوا زمین میں بٹھا دے۔ اور خالہ جان حمیدہ کی طرف ہو کر تم کو ماریں بھلا جاؤں خالہ جان سے پوچھوں"۔ نعیمہ: "حمیدہ کے بٹھا دینے کا سبب میں بتاؤں اُن کی نماز قضا ہوئی تھی اور اُن کی اماں جان اس بات پر بگڑیں کہ میں نے نماز کو کیوں برا کہا۔" صالحہ: "پھر تم نے نماز کو برا کہا تھا؟" نعیمہ: "کہا تھا اور اب کہتی ہوں اماں کو تو کچھ نہیں کہا۔ نماز کو برا کہنا اُن کو کیوں برا لگا؟" صالحہ: "بھلا کوئی آدمی تمھارے ماں باپ کو برا کہے تو تم کو برا لگے یا نہ لگے؟" نعیمہ: "اماں جان کو کوئی شوق سے برا کہے۔ مجھ کو ذرا تو برا لگنے کا ہی نہیں۔" صالحہ: "آج یا سدا سے؟" نعیمہ مسکرانے لگی اور بولی کمبخت بے حیا ہنسی کو دیکھو کہ خود بخود چلی آتی ہے۔ نہ لو ایسی باتیں ہم سے نہ کرو۔" صالحہ: "کیا خوب! ابھی تمھارے ایسے غصے نہیں ڈرتی۔ بہت کرو گی خالہ جان نے تم کو ایک طمانچہ مارا، تم مجھ کو ایک طمانچہ مار لینا۔ لیکن اماں باوا کا اتنا پاس نہیں تھا تو سسرال والوں سے لڑیں کیوں؟" نعیمہ: "بات بات میں ناحق کوئی برا کہا کرے تو کب تک سہے چلے؟" صالحہ: "میں یہ کب کہتی ہوں کہ سہے چلے۔ لیکن خالہ جان نے نماز کا پاس کیا اور اُن کو تمھاری بات بری لگی تو کیا برا ہوا؟" نعیمہ: "تو کیا نماز اُن کی اماں ہے یا نانی ہے؟" صالحہ: "جن کو ایمان ہے اُن کو ماں سے بڑھ کر پیاری اور نانی سے زیادہ عزیز۔" نعیمہ: "تو کیا میں تمھارے نزدیک بے ایمان ہوں؟" صالحہ: "آدمی ہی بے ایمان بھی ہوتے ہیں جو بے ایمانوں کا کام کرے وہ بے ایمان۔ میں ہوتی نہیں، اور تم ہوئیں تو تم۔" نعیمہ: "دیکھو صالحہ خدا کی قسم ایسی باتوں پر لڑائی ہو جائے گی بے ایمان تم ہو گی تمھارے رہتے سہتے بے ایمان ہوں گے۔" صالحہ: "خدا کے فضل سے میں تو بے ایمان نہیں ہوں۔ مگر رہتے سہتے کون ہوئے؟ تم؟" نعیمہ: "بھلا ایمان سے کہنا تم نے کونسی میری بات بے ایمانوں کی سی دیکھی؟" صالحہ: "ایمان سے مت کہلواؤ۔" نعیمہ: "نہیں تمہیں خدا کی قسم بھلا کوئی بات تو بتاؤ۔" صالحہ: "پھر برا تو نہیں ماننے کی؟" نعیمہ: "سچی بات میں برا ماننے کی کیا وجہ؟" صالحہ: "سچ اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تمھارا قول و فعل کوئی بھی ایمان داروں کے سے نہیں اور مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے تم خود ہی بتاؤ کہ میں فلانا کام ایمان والوں کا سا کرتی ہوں۔ کھانا پینا، سونا، گھر کا کام دھندا، بچوں کا پالنا، یہ تو دنیا میں برے بھلے سبھی کیا کرتے ہیں بھلا ایک کام تو ایسا بتاؤ جس سے تمھارا ایماندار ہونا پہچانا جائے۔" نعیمہ: "بھلا دنیا میں تمھارے نزدیک کوئی بھی ایماندار ہے یا نہیں؟" صالحہ: "کیوں نہیں۔ اللہ کے بندے سینکڑوں ہزاروں۔" نعیمہ: "بھلا میں بھی کسی کا نام سنوں" صالحہ: "دور کیوں جاؤ۔ یہ تمھاری ہی گلی میں ایک حضرت بی رہتی ہیں جن کے نواسے بھائی علیم کے ساتھ مدرسے میں پڑھنے جاتے ہیں، بس ایماندار ان کو کہتے ہیں۔ دیکھو تو کیا نیک زندگی ہے۔" نعیمہ: "میں تو اُن کو دن بھر بیٹھے ہی دیکھتی ہوں"۔ صالحہ: "سچ ہے مگر خدا کے واسطے غریب غربا کے کپڑے مفت اور امیروں کے مزدوری پر لیکن جتنی سلائی ہوتی ہے سب اللہ کے نام دیتی ہیں۔ ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتیں۔ یہ عمر اور کمر لٹکے کے جاڑوں

میں پہر رات رہے سے اٹھ کر خدا کی عبادت کرنا۔ گھر میں نوکر نہیں، چاکر نہیں، اپنے ہاتھوں سارے گھر کا کام کاج اور اس پر نماز کی پابندی کہ نماز تہجد[51] تک قضا نہیں ہونے پاتی۔ محلے میں کتنی لڑکیوں کو انھوں نے پڑھنا سکھایا کتنیوں کو حیوان سے آدمی بنایا اور حسبۃً للہ[52] بے غرض بے مطلب۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مسجد کے کوئی پندرہ بیس مسافروں کو دو وقت روٹی پکوانے کو آٹا بھیجدیتی ہیں۔ اپنے ہاتھوں سب کا آٹا گوندھنا پکانا گھر سے دال سالن جو کچھ وقت پر موجود ہوا دینا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ سالن نہیں بچا۔ آپ روکھی ہی روٹی کھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بیچارے مسافر اکثر جوار باجرے کا آٹا لے آتے ہیں وہ تو آپ رکھ لیتی ہیں۔ اور اپنے گھر سے اُن کو گیہوں کی روٹی بھیج دیتی ہیں۔ ایک دن باجرے کی روٹی وہ بھی روکھی بیٹھی کھا رہی تھیں۔ نوالہ حلق سے نہیں اترتا تھا ہر ہر لقمے کے بعد پانی پینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ میں جو جا نکلی تو مجھ کو دیکھ کر کہنے لگیں: بیٹا مجھ کو باجرے کی روٹی بہت ہی بھاتی ہے۔ کچھ ایسی سوندھی[53] اور میٹھی اور خستہ[54] ہوتی ہے کہ سبحان اللہ[55]۔ ایک طالب علم نے اُن سے گاڑھے کی مرزائی سلوائی اور شاید وہ پہلا ہی کپڑا تھا کہ اس بیچارے کو سلوانے کا اتفاق ہوا۔ اس واسطے کہ جب وہ شخص کپڑا لے کر دروازے پر آیا تو حضرت بی صاحب نے اُس سے کہا کہ بیٹا اپنی پرانی مرزائی بھی بھیجدو کہ اس کو دیکھ کر قطع کروں۔ تو اس نے نہایت حسرت کے ساتھ کہا مائی صاحب، میرے پاس کوئی مرزائی نہیں ہے۔ حضرت بی صاحب: بیٹا مرزائی نہ ہو تو انگرکھا ہی سہی، خیر کچھ اٹکل تو مل جائے گی۔ طالب علم: انگرکھا بھی نہیں۔ مجبور ہو کر پردے میں حضرت بی صاحب نے پوچھ لیا کہ کمر کتنی ہے، چولی کتنی اونچی رہے گی، آستین کس قدر لمبی ہوگی۔ اس طالب علم نے بتایا لیکن دیکھا تو کپڑا کمی کرتا تھا۔ تب طالب علم نے کہا کہ مائی صاحب جس طرح ہو سکے کھینچ تان کر ابھی ہی بنا دیجیے آج نماز جمعہ سے پہلے سی دو کہ الوداع[57] کا دن ہے۔ میں جامع مسجد میں پہن کر جاؤں گا۔ غرض مرزائی سی گئی تو اس کے بدن میں ٹھیک نہ آئی۔ وہ بیچارہ مایوس[58] ہو کر رو دیا اور اُس ناامیدی میں حضرت بی صاحب پر اتنا خفا ہوا کہ شاید کوئی گھر کی لونڈی پر بھی نہیں ہوتا۔ اندھی، بیوقوف، بے تمیز، پھوہڑ، بدسلیقہ، بے رحم، جو جو کچھ اُس کے منہ میں آیا بے دھڑک کہہ ڈالا۔ بڑا تعجب ہے کہ گھر میں سب کو برا معلوم ہوا لیکن حضرت بی ہنستی جاتی تھیں اور الٹی اس کی منت کرتی تھیں۔ بہت تولے کا بنا کر اس کو دیا لیکن اس نے وہ اٹھا کر پھینک دیا اور کہا مجھ کو بدن کے ڈھکنے کے واسطے کپڑے کی ضرورت ہے۔ واہیات کپڑا میرے کس کام کا ہے جس کو پہن کر آدمی ننگے کا ننگا۔ حضرت بی نے اپنے نواسوں کی تمام گٹھریاں کھول ڈالیں، خاصہ، تن زیب، ململ، ڈھاکہ پاٹن، اڈھیہ، ریشک، شبنم لیٹو، سلیٹو، سوزن کار، طرح طرح کے قیمتی خوش وضع اور طرحدار کپڑے اُس کو دکھائے، اسکو ایک پسند نہ ہوا

[51] آدھی رات کے بعد نماز نفل ۱۲ [52] خدا کے واسطے ۱۲ [53] ایک طرح کی ہلکی خوشبو جیسی مٹی میں ہوتی ہے ۱۲ [54] بھربھری ۱۲
[55] اللہ پاک ہے ۱۲ [56] کسی چیز کی مدح کرنی ہوتی ہے تو سبحان اللہ کہہ دیا کرتے ہیں ۱۲ [57] رمضان کا آخر جمعہ ۱۲ [58] ناامید ۱۲
[59] دیوانی ۱۲

کسی کو تو اُس نے کہا مردوں کے استعمال کے قابل نہیں۔ کسی کی نسبت تجویز کیا کہ یہ متکبروں[51] کی پوشاک ہے آخر حضرت بی نے بازار سے کورا لٹھا منگوا نماز جمعہ سے پہلے اُس کی مرزائی تیار کی۔ تب وہ طالب علم ملا جعفر کی طرح کوئی اپنا پتا مارے[52] تب ایمان کا دعوے کرے۔ اب تم خود غور کرلو کہ دن رات میں تم ایمان داروں کے سے کتنے کام کرتی ہو" نعیمہ: "ایک حضرت بی ایسی ہوئیں۔ بھلا کوئی دوسری عورت بھی اس مزاج کی شہر میں ہے" صالحہ: "چونکہ تم اس طرح کے لوگوں سے نفرت رکھتی ہو۔ اسواسطے تم کو معلوم نہیں ورنہ شہر میں بہتیرے خدا کے نیک بندے پڑے ہیں۔ کہاں تک اُن کے نام گنواؤں۔ سب کیا کوئی کم کوئی زیادہ۔ ایک میری ہی اماں ہیں وہ بھی اپنے محلے کی حضرت بی ہیں" نعیمہ: "دو چار آدمی اسطرح کے ہوئے تو ہی۔ میں تو اپنی ہی جیسی عورتیں اکثر دیکھتی ہوں" صالحہ: "بیشک دنیا میں نیک کم ہیں اور بُرے بہت" نعیمہ: "میں جانتی ہوں عورتوں کے واسطے بہت نماز روزے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بس اُن کی یہی عبادت ہو کہ گھر کا کام کاج دیکھیں بچوں کی خبر گیری کریں۔ اُن کو خانہ داری کے بکھیڑوں سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہے کہ نمازیں پڑھا کریں۔ مرد البتہ نہ کھانے پکانے کا فکر، نہ بچوں کا جھگڑا، جتنی چاہیں عبادت کریں" صالحہ: "مردوں کو کمانے کا تھوڑا کام ہے کہ بیچارے دن دن بھر اُسی میں لگے رہتے ہیں محلے کے دکانیں دیکھو کہ منہ اندھیرے سے چوکھٹا کھٹ شروع کرتے ہیں تو آدھی آدھی رات تک کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ پھر بھی جتنا خدا کا خیال مرد رکھتے ہیں عورتیں کمبخت اُسکا آدھا پاؤ بھی نہیں رکھتیں" نعیمہ: "تم چاہے کچھ ہی کہو عورت مرد کی برابری تو ہرگز نہ ہوگی۔ ضرور اللہ میاں نے عورتوں کے حق میں کچھ نہ کچھ آسانی رکھی ہوگی" صالحہ: "سبب؟" نعیمہ: "بھلا کہیں نگوڑی عورتوں سے محنت ہو سکتی ہے" صالحہ: "عبادت میں نہ چھپر اٹھانا ہے۔ نہ لکڑیاں ڈھونی ہیں کہ عورتیں کمزوری کا عذر اور نزاکت کا حیلہ پیش کریں۔ بلکہ ایک حساب سے تو عورتوں کو زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ کیونکہ اول تو عورتوں کو عبادت کی فرصت زیادہ ملتی ہے۔ دوسرے خدا کی نعمتوں میں سے عورتیں زیادہ حصہ پاتی ہیں۔ کھانے پینے میں مرد عورت سب برابر، کپڑے میں مرد بیچارے ایک حصہ تو عورتیں ویسے دس، نہ عورتوں کا ایک پائے جامہ نہ مردوں کا ایک برس کا سارا لباس۔ اور یوں بھی عورتوں کی پوشاک عموماً عمدہ اور بیش قیمت ہوتی ہے بہ نسبت مردوں کے۔ بڑی رقم ہے زیور، عورتوں کو سونے کی کان[53] میں قبر کھود کر گاڑ دو تب بھی بس نہیں۔ اور مرد بیچارے جو ثقہ[54] اور وضعدار ہیں چاندی کا چھلا تک بھی نہیں پہنتے۔ اس پر عورتیں عبادت میں کمی کریں تو اُنکی

[51] مغرور ۱۲ [52] مراد ہے غصہ ۱۲ [53] لوہا، سونا، چاندی وغیرہ جس جگہ سے نکلیں اُن کو کان کہتے ہیں ۱۲ [54] بھلے آدمی پرہیزگار ۱۲

وہی کہاوت ہے کھانے کو جچہ[1] اور کام کو نتا بچہ"۔ نعیمہ "تم تو ابھی میری قسمت کی سچ مچ مولوی صاحب بن کر آئیں"۔ صالحہ "مولویوں کے درجے مولویوں کے ساتھ ہیں۔ میں بیچاری کس لائق ہوں۔ مولویوں کی جوتیوں کی برابری بھی نہیں کر سکتی"۔ نعیمہ "افسوس ہے کہ تم ہماری اماں کے یہاں پیدا نہ ہوئیں"۔ صالحہ "افسوس کی کیا بات ہے۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں شکر کا مقام ہے"۔ نعیمہ "کیوں؟" صالحہ "تم بتاؤ کہ تم نے کیا سمجھ کر افسوس کیا"۔ نعیمہ "میں نے تو یہ سمجھ کر افسوس کیا کہ تم ہماری اماں جان کے یہاں ہوتیں تو دونوں کو اچھا تھا۔ ہماری اماں اب تم جیسی بیٹی ڈھونڈتی ہیں اور تم بھی امیر گھر پاتیں تو کھانا کپڑا زیور، غرض ہر طرح کی خوشی تھی"۔ صالحہ "اگر اس خوشی کا یہی نتیجہ ہو کہ آدمی خدا کو بھول جائے تو میرے نزدیک تمام فراغت دنیا کا جنجال اور آخرت کا وبال ہے۔ کون چار دن کی خوشی کے واسطے ہمیشہ ہمیشہ کی مصیبت مول لے؟ مجھ کو خدا کے فضل سے پیٹ بھر روٹی اور تن ڈھانک لینے کو کپڑا، بیٹھنے کو مکان، لیٹنے کو چارپائی، پینے کو پانی، دم لینے کو ہوا، سب کچھ میسر ہے۔ میں نہیں جانتی کہ مجھ کو دنیا میں کوئی اور چیز بھی درکار ہے۔ سوائے اس کے کہ تم نے پتھر یعنی سونا چاندی مجھ سے زیادہ اپنی اولاد پر لاد لیے ہیں اور بوجھ کے صدمے سے کان تمہارے کٹے پڑتے ہیں، ناک تمہاری چھدے[2] گلی ہے اور تو کوئی فرق میں تم میں اور اپنے میں نہیں پاتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ خدانخواستہ تم کو کھانے کی تکلیف ہے مگر صورت تمہاری یہ ہے کہ بدن پہ بوٹی نہیں۔ ہاتھ پاؤں میں جان نہیں۔ ہر سال جلاب، ہر مہینے فصد، آئے دن دوا، مجھ کو دیکھو کہ خدا کے فضل سے تم سے دونی نہیں تو ڈیوڑھی میں شک بھی نہیں۔ ایک ہاتھ سے تمہارے دونو ہاتھ پکڑ لوں تو بیوی صاحب[3] چھڑا بھی نہ سکیں"۔ نعیمہ "ہماری بھی امیری کا تمغہ[4] ہے۔ نگوڑے بھوکے جن کے پیٹ کو روٹی میسر نہیں وہ کیا بیمار پڑیں گے"۔ صالحہ "یہاں تمغے اور خلعت کا مذکور نہیں۔ تکلیف اور آرام میں گفتگو ہے"۔ نعیمہ "جی تو خوش کر لو۔ لومڑی کو جب انگور نہیں ملتے تو وہ ان کو کھٹا[5] کہا کرتی ہے"۔ صالحہ "وہ اپنی اپنی سمجھ ہے تو ہو۔ تم میرے تئیں جانتی ہو کہ یہ تکلیف ہی میں ہے۔ اور میں کہتی ہوں کہ تم ایسے عذاب میں مبتلا ہو کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ کھانے پینے کے عیش و آرام جو تم کو میسر ہیں ان کا نتیجہ تو یہ ہے کہ تم سدا کی دکھیا اور ہمیشہ کی روگن بن رہی ہو۔ رہا کپڑا، کچھ تم ہی اس کو پہن کر اپنے جی میں خوش ہوتی ہوگی۔ ابھی خالہ جان یا بڑے بھائی آ جائیں تو سوائے اس کے کہ تم ان کے سامنے سے ہٹ بیٹھو اور کیا تدبیر ہے۔ زیور جس کی کوئی زکوٰۃ نہ خیرات

[1] صحیح زچہ ہے مگر بولنے میں جچہ آتا ہے ۱۲ [2] سوراخ کے بہیں جانے کو چھد جانا کہتے ہیں ۱۲ [3] مراد ہے لازمہ ۱۲ [4] نشان ۱۲ [5] ایک کہانی ہے کہ لومڑی نے بیل پر انگور لٹکتے دیکھے ان کے لیے بہتیرا اچھلی ان تک نہ پہنچ سکی تو اس نے یہ کہہ کر اپنی تسلی کر لی کہ انگور کھٹے ہیں ۱۲

اس سے بیڑیاں بہتر، طوق اور ہتھکڑی اچھی۔ بڑی خوشی محبت اور میل ملاپ کی ہوتی ہے۔ اسکا یہ حال ہے کہ تم ماں سے لڑی، حمیدہ کی دشمن، ساس سسر سے فرق دل سے بگاڑ، میاں سے ناموافقت، نوکر ناشاکی، لونڈیاں نالاں، سبھی پر تم اپنے تئیں سمجھتی ہو کہ میں خوش ہوں۔ ابھی تم بڑی رو رہی تھیں یا ہنس رہی تھیں؟" نعیمہ: "سبحان اللہ آپ بھی کیا آدمی ہیں۔ کیا گھروں میں کبھی لڑائی نہیں ہوا کرتی؟ چار برتن پاس رکھے ہیں تو وہ بھی کبھی کبھی کھڑکھڑا اٹھتے ہیں۔" صالحہ: "اگر ایسا ہی سمجھتیں تو اتنی بات کا جھگڑا نہ بناتیں۔" نعیمہ: "میں نے کیا بات کا جھگڑا بنایا؟" صالحہ: "تم ہی اپنے دل میں سوچو۔ ماں کے ہاتھ لگانے پر یہ آفت۔ صبح سے اب تک آپ بھوکی مریں۔ سارے گھر کو بھوکا مارا۔ شاباش ہو شاباش۔ الٹی وہاں سے اور روٹھو خدا سے۔" نعیمہ: "پھر بیٹھ کر تم کو خدا کا ذکر کرنا ضرور۔ بھلا میں خدا سے کب روٹھی؟" صالحہ: "رزق خدا کا یا ماں باپ کا؟" نعیمہ: "اللہ ری علامہ! دیکھو تو کیسی پیچ پیچ کی باتیں کرنی آتی ہیں۔" صالحہ: "تم کو پیچ و تاب کی باتیں آتی ہیں تو مجھ کو ایچ پیچ کی۔" نعیمہ: "غصہ ہی تو ہے۔" صالحہ: "اچھا غصہ ہے! اُلٹا غیظ، دیوانہ، غضب۔ ادھر بے جان پر اور ادھر بے زبان پر۔" نعیمہ: "بے جان اور بے زبان کیا؟" صالحہ: "کھانا بے جان اور بے زبان تمھارا بچہ نادان۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے اسکا بھی خوب کچلا کیا؟" نعیمہ: "کیا کوئی کسی کا کیا؟ اپنا بچہ، شوق سے، خوشی سے کچلا کیا۔" صالحہ: "تم اپنے بچے کو شوق سے مارو، خوشی سے کچلا کرو۔ پھر خالہ جان نے تم کو ایک تھپڑ ہولے سے مار دیا تو کیا غضب ہوا۔ جیسی تم اپنے بچے کی ماں ویسی وہ تمھاری ماں۔" نعیمہ: "ماں، نعمت برابر لیکن بچہ بچہ برابر نہیں۔" صالحہ: "لیکن تم دونوں میں زیادہ تر واجب الرعایت کون ہے؟" نعیمہ: "میں۔" صالحہ: "بس کے گلے پر چھری۔ کیا واجب الرعایت نکلی ہیں۔ ذرا منہ تو دھو رکھو۔" نعیمہ: "یہ دیکھو بڑوں کے ساتھ بے ادبی۔" صالحہ: "بڑوں نے کی تو چھوٹوں نے سیکھی۔" نعیمہ: "اجی وہ کچھ بھی رعایت میرے ساتھ نہ کریں اللہ مالک ہے۔" صالحہ: "کیوں جھوٹ بولتی ہو؟" نعیمہ: "بس سب کچھ کہنا جھوٹی نہ کہنا۔ اسکی مجھ کو بڑی چڑ ہے۔ جو کوئی مجھ کو جھوٹی کہتا ہے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔" صالحہ: "بھلا پھر تم اللہ کو مالک سمجھتی ہو جو کہتی ہو؟" نعیمہ: "کوئی ایسا بھی بندہ بشر ہے جو اللہ کو مالک نہیں سمجھتا؟" صالحہ: "اللہ کو مالک سمجھتیں تو ایسی بیجا بات بول اٹھتیں جس پر خالہ جان خفا ہوئیں اور بجا تھا ہوئیں؟" نعیمہ: "کیا میں نے جان بوجھ کر تھوڑی ہی کہی تھی، منہ سے نکل گئی۔" صالحہ: "لیکن کبھی خالو جان کی شان میں تو ایسی بات تمھارے منہ سے نہیں نکلتی۔ بلکہ خالو جان تو شاید بڑے بھائی جان کو بھی ایسا سخت کلمہ کہو تو اُن کو کتنا برا لگے۔ کیا خدا کو برا نہ لگا ہوگا؟" یہ سنکر نعیمہ کسقدر ڈری اور اس نے روتے ہوئے اپنے گالوں پر طمانچے مارے اور منہ سے بھی توبہ توبہ کہا۔ صالحہ: "بس سمجھ لو کہ ایسا ہی ایک طمانچہ خالہ جان نے مارا تھا۔" نعیمہ: "تو میں کیا کچھ کہتی ہوں یا میں نے

۵۱ یہاں تعجب کے لیے سبحان اللہ بولا گیا ۱۲ ۵۲ چالاک عورت مگر اکثر بری عورت کو کہا کرتے ہیں ۱۲ ۵۳ غصہ ۱۲ ۵۴ یعنی بد مار کر کچل ڈالا ۱۲ ۵۵ یہ کہاوت ہے کہ بکری میں بولتی ہے تو اُس کے گلے پر چھری پھیری جاتی ہے ۱۲ ۵۶ آہستہ آہستہ ۱۲

کچھ کہا؟" صالحہ: "اے کاش تم سب کچھ کہہ لیتیں اور یہ ستم نہ کرتیں۔" نعیمہ: "کیا؟" صالحہ: "سارے دن گھر بھر کو بھوکا مارا، بچہ تمام دن دودھ کو بھڑکا۔ بیدارا بچاری وہ سہ دری میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہے۔ نہیں معلوم کہاں اُس کے بے موقع لات لگی ہے کہ اب تک اُس کا سانس پیٹ میں نہیں سمایا۔ اور پھر کہتی ہو کیا؟" نعیمہ: "خیر پھر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔" صالحہ: "ہو تو نہیں چکا، ہو رہا ہے۔ لوگ بھوکے بیٹھے ہیں، بچہ پھڑک کے چلا جاتا ہے۔" نعیمہ: "اچھی کچھ بھی زبردستی ہے۔ ماروں اور رونے نہ دوں۔" صالحہ: "تم کو اتنی بڑی ہو کر رونے کا نام لیتے ہوئے شرم نہیں آتی؟" نعیمہ: "جب مار کھانے کی غیرت نہ ہوئی تو رونے میں کیا شرم تھی؟" صالحہ: "ہاں ہوئی استانی ہوئی اگر ان کی مار کھانا بے غیرتی ہے تو دنیا بے غیرت ہے۔" نعیمہ: "تم کو مار پٹی ہوتی تو جانتیں کہ عزت کی بات ہے یا بے عزتی کی۔" صالحہ: "استانی جی کی مار کی تو گنتی نہیں۔ اماں جان نے بھی مجھ کو کوئی بیسیوں ہی دفعہ مارا ہوگا۔" نعیمہ: "آپ بڑے ہوئے سے ہو؟" صالحہ: "اب میں کوئی بات ہی ایسی نہیں کرتی کہ ان کے خلاف مزاج ہو۔" نعیمہ: "میں نے بھی تو یہ سمجھ کر نہیں کہا تھا کہ اماں جان کو اتنا برا لگے گا۔ نہ کبھی پہلے اماں جان کو نماز روزے کا ایسا خیال ہوا جیسا اب ہے۔" صالحہ: "لیکن جب تم کو خالہ جان کئی مرتبہ روک چکی تھیں تو تم کو اُن کی ممانعت کے خلاف پھر وہی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔" نعیمہ: "کیوں جی خدا کو میری بات بری لگتی تو جو کچھ ہونا تھا اُسی وقت نہ ہو چکتا؟" صالحہ: "پہلے یہ تو بتاؤ کہ بات بیجا اور بری تھی یا نہیں؟" نعیمہ: "خیر بری ہی ہی۔" صالحہ: "بری کیا معنی، شدت سے بری اور بیجا تھی کہ تم اپنے بھائی تک کو ایسا کلمہ نہیں کہہ سکتیں۔ ایسی ہی باتوں کا نام کفر اور شرک ہے۔ مگر اس سے کہ تم کو فوراً سزا نہیں ملی خوش نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔[51] عجب کیا ہے کہ ایسی باتوں کا وبال تم کو گھر میں نہیں لینے دیتا۔" نعیمہ: "اماں مجھ کو تنہائی میں ماریں تو مجھ کو اتنا رنج نہ ہوتا۔" صالحہ: "سبحان اللہ خطا بازار و سزا در پس دیوار۔[52]" نعیمہ: "اچھا پھر اب تمہاری مرضی کیا ہے؟" صالحہ: "مرضی یہ ہے کہ چل کر خالہ جان کے روبرو ہاتھ جوڑو۔ اُن کے پاؤں پڑو۔ اپنا قصور معاف کراؤ۔ کھانا آپ کھاؤ، دوسروں کو کھلانے کو دو۔ بچے کو دودھ پلاؤ۔ حمیدہ کو بلا کر گلے لگاؤ۔ بیدارا کی دلداری اور تشفی کرو۔" نعیمہ: "لو اور سنو۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔[53] میں ہی پٹوں اور میں ہی ہاتھ بھی جوڑوں۔ اور اگر میرا قصور ہوتا بھی تاہم ہاتھ تو بندی نے آج تک کسی کے آگے جوڑے اور نہ اب مجھ سے جوڑے جائیں۔ رہی حمیدہ، تم کہتی ہو گلے لگاؤ، میرا بس چلے تو اُس کو جیتا نہ چھوڑوں۔ اور کھانے کی جو تم نے کہی تو مجھ کو اب اس گھر کا نمک تک چکھنا حرام ہے۔ غرض جتنی باتیں تم نے کہیں سوچ کر ایسی ہی کہیں کہ ایک بھی مجھ سے شدنی نہیں۔ خیر تمہاری خاطر سے ننھے کو دودھ پلا دوں گی۔ جاؤ کہیں سے لے آؤ۔ ورنہ ارادہ تو یہی تھا کہ اُس کا اور اپنا دونوں کا خون کروں۔" صالحہ: "اللہ اکبر بی آپا میں نہیں جانتی تھی کہ تمہارا غصہ

---

۵۱ خدا کسی پر عذاب نازل کرتا ہے تو اس طرح کہ اس کو خبر بھی نہ ہو اور عذاب آجائے ۱۲ ۵۲ خطا بازار میں اور سزا پردے میں دیوار کے پیچھے ۱۲ ۵۳ یہ کہاوت ہے ۱۲

اسقدر غضب کا بجھا ہوا ہے"۔ نعیمہ: "میرا مزاج تو سدا سے اسی طرح کا ہے کہ مجھ سے کسی بات کی برداشت نہیں ہوتی"۔
صالحہ: "اب تم سے زیادہ کہنا لاحاصل ہے۔ بس معلوم ہو گیا کہ تم اپنی خوشی کی ہو"۔ نعیمہ: "جو بات کرنے کی تھی وہ تو
میں نے پہلے ہی کہہ دی کہ نئے کو دودھ پلا دوں گی"۔ صالحہ: "تمام دن تو تم کو بے آب و دانہ گزر گیا اور عمر بھر کے
بدلے کا تم نے ایسا انبار روزہ رکھا ہے کہ پہر رات گزری مگر افطار ہونے میں نہیں آیا اور نہ ابھی کچھ اس کے افطار ہونے
کی امید ہے تو دودھ کہاں ہو گا کہ تم نئے کو پلاؤ گی"۔ نعیمہ: "میرے پاس ہے مگر میں اس گھر کا کھانا کھاؤں تو حرام
کھاؤں، مردار کھاؤں"۔ صالحہ: "پھر آ[خر] کرو گی کیا؟ یہ تو ممکن نہیں کہ بے کھائے گزر ہو۔ ایک ہی وقت میں
دیکھو تمھارا کیا حال ہو گیا ہے۔ اب رات کو خالی پیٹ نیند بھی تو نہیں آنے کی"۔ نعیمہ: "میں تو جانے کو تیار بیٹھی
ہوں۔ تم نہ آ جاتیں تو میں اب تک کبھی کی چلی بھی گئی ہوتی"۔ صالحہ: "کہاں؟ سسرال؟"۔ نعیمہ: "اگر میں سسرال
جاؤں تو گھر سے نکلوں اور کنوئیں میں نہ گر پڑوں"۔ صالحہ: "پھر کہاں"۔ نعیمہ: "جہاں سینگ سمائیں"۔ صالحہ: "
باؤلی ہوئی ہو؟ کیسی باتیں کرتی ہو؟ اگر خالو جان یہ بات سن پائیں نہیں معلوم کیا آفت برپا کریں۔ اور گھر سے باہر
قدم نکالنا تو بڑی بات ہے"۔ نعیمہ: "تم کیا سمجھیں؟ میں اس ہمسائی کے یہاں جانے کو کہہ رہی ہوں۔ کیا میں ہر روز نہیں
ہمسائی کے گھر نہیں جاتی؟"۔ صالحہ: "وہ جانا اور ہے اور گھر سے لڑ کر بے حکم پاؤں باہر نکالنا دوسری بات ہے۔ خبردار لینا
قطعاً بھول کر بھی منہ سے مت نکالنا۔ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے گا۔ اور خود ہمسائی جن کے برتے پر پھولی ہو
تم کو اپنے دروازے کے اندر قدم تو رکھنے دینے ہی کے نہیں، جا دیکھو۔ اور فرض کیا کہ تم یہاں سے نکلنے پائیں اور
ہمسائی کی بھی ایسی شامت آئی ہو اور انھوں نے تم کو گھر میں آنے دیا تو ان کو خود دو وقت کھانا میسر نہیں آتا
تم کو کہاں سے کھلائیں گی؟"۔ نعیمہ: "نوج میں ان کے یہاں کیوں کھانے لگی تھی! کیا میرے پاس زیور نہیں۔
اب بھی پٹاری میں کچھ نہ ہو گا تو چالیس پچاس روپیہ نقد پڑے ہوں گے"۔ صالحہ: "گڑ کھاؤں گلگلوں سے پرہیز
جن کا کھانا ان ہی کا بنوایا ہوا زیور ان ہی کے دیئے ہوئے روپیہ۔ ان تو جب جانیں کہ ان کی چیز بھی صرف کرو
اور ہمسائی اول تو میں حیران ہوں تم کو بٹھائیں تو کہاں بٹھائیں۔ کلہیا جتنا گھر، اس میں بھی ایک آپ ایک میاں
تین بیٹے بہوئیں ان کے بچے، دو بیٹیاں مہمان آئی ہوئی ہیں وہ ان کے گھر میں تل رکھنے کی جگہ تو ہے ہی نہیں۔
بیچاری آپ تو ڈیوڑھی میں چارپائی بچھا کر سوتی ہیں۔ تم کو رات کے وقت کہاں لٹائیں اور کہاں سلائیں اور تم
کو غیر مردوں میں جاتے ہوئے شرم نہ آتی؟ اور پھر ہمسائی تم کو پناہ دیتی بھی تو خالہ جان ہی کا پاس کر کے۔ غرض
قربان جائیے تمھاری عقل کے، تدبیر بھی سوچی تو اوندھی، علاج بھی تجویز کیا تو الٹا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ تم
یہی سسرال چلی جاتیں"۔ نعیمہ: "سسرال جاؤں نہ یہاں کھاؤں"۔ صالحہ: "تم کو اختیار ہے جو چاہو سو
کرو۔ لیکن لڑائی تمھارے کھانے پینے پر ٹھہری ہے؟"۔ نعیمہ: "کھانے پر تو لڑائی نہیں ہوئی لیکن میں ان کے گھر نہ بڑی
ہوتی تو مجال تھی کہ کوئی مجھ کو ہاتھ لگا لیتا"۔ صالحہ: "کیا کر دیا؟"۔ نعیمہ: "برابر سے میں بھی مارتی"۔ صالحہ: "پھر استانا

۱؎ جبر و ستم ۱۲ ۲؎ کہاوت ہے ۱۲

یہی نیت ہو تو تم گھر میں بس بھی چکیں۔ ماں کا یہ وقر یہ ادب! مجھ کو تو اگر میری اماں جان بے خطا بے قصور جوتیاں ہی جوتیاں ماریں تو انشاء اللہ آنکھ بھی اُن کے سامنے نہ کروں۔ اور دنیا جہان کی بیٹیوں کا یہی قاعدہ یہی دستور ہے۔ تم اُن کی بیٹی ہو تمھاری ماں کسی کو تمھارے معاملے میں کیا دخل؟ مگر آپا جان دین تو کیا ہی گزرا ہوا ہے چھوٹی دنیا میں بھی خوش اور آباد رہنے کی نہیں۔ اور خدا تم کو اتنی سمجھ دے کہ تم ان ہی باتوں کو اپنی خانہ ویرانی کا سبب سمجھو۔ مجھ کو حیرت ہے کہ کیوں کر یہ بات تمھارے دل نے تسلیم کی کہ خالہ جان کو تمھارا رہنا ناگوار ہے اور انھوں نے اس وجہ سے تمھارے ساتھ سختی کی کہ وہ تم کو اپنے پاس دیکھ نہیں سکتیں۔ بھلا دنیا میں کوئی ماں بھی اس طرح کی ہوگی؟ تمھاری خانہ ویرانی کا رنج تم سے زیادہ اُن کو ہے۔ ذرا اسکا مذکور آجاتا ہو تو اُن کے آنسو نکل پڑتے ہیں اور حاضر غائب دعا کیا کرتی ہیں کہ الٰہی میری نعیمہ کو اُس کے گھر آباد کر۔ بھلا تم ہی انصاف کرو کہ سوائے اس بات کے تم نے اُن کی کسی اور بات سے بھی اُن کا رخ بدلا ہوا پایا۔ کھانے میں اُن کو یہ اہتمام رہتا ہے کہ پہلے تم چکھ لو اور۔ میں نے ہفتوں رہ کر دیکھا ہے کہ خالہ جان اور بڑے بھائی تک کو سادی چپاتیاں ملتی ہیں اور تمھارے دو پراٹھے انھوں نے ناغہ نہیں ہونے دیے۔ چاہیے روز کا سودا ہو تمھارا سدا کا معمول ہو تم ہی بتاؤ کبھی نہیں بھی . . . دیا۔ ایکدن حمیدہ نے ضد کی تھی اور کہا تھا کہ میں بھی چار پیسے لوں گی تو جھڑک دیا کہ ہاں اب تو بڑی بہن کی برابری کرے گی۔ آٹھویں دن کی مہندی پہننے کے نئے چوڑیاں، تم ہی لو یہ دستور کبھی قضا ہوا ہے۔ کپڑے الگ۔ ایسے جہیز میں بھی نہیں دیتے جو وہ تم کو گھر میں پہناتی ہیں۔ بھلا بے گوٹے کا دوپٹہ، بے بیل کا پائجامہ کبھی تم کو پہنایا ہے؟ تیل، عطر، پان، پھول، مہندی، سرمہ، مسی، لاکھا، مجنٹن، ابٹنا یہی عورتوں کی ضرورت کی چیزیں ہیں سچ کہنا تم کو کبھی ان میں سے کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت ہوئی ہو۔ خدمت کو لونڈی جدا۔ لڑکے کی کھلائی الگ۔ بلکہ سچ پوچھو تو کو اُن سے کہیں زیادہ تمھاری قدر ہوتی ہے۔ خالہ جان ایکدن تمھارے دوپٹے میں بیٹھی آدھی ٹانک رہی تھیں۔ اور خالو جان کی قبا میں بند ٹانکنے تھے کچہری جانے کو دیر ہوتی تھی۔ اس پر خالو جان نے کہا بھی کہ لڑکی کا دوپٹہ رہنے دو پھر ہو رہے گا پہلے میری قبا میں بند ٹانک دو۔ خالہ جان: واہ! لڑکی سر کو بیٹھی ہے۔ تم کو ایسی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو دھوپ بھی چھجے سے نہیں اُتری۔ خالو جان: کیا سادہ دوپٹہ اوڑھنا منع ہے؟ خالہ جان: وہ بیچاری کیا کچھ کہتی ہے؟ خالو جان: تم اپنی ہی طرف سے خیر خواہی کے اہتمام میں لگی رہتی ہو۔ خالہ جان: میں ہوں کس قابل۔ مگر خیر جو کچھ ہو سکتا ہے کیے جاتی ہوں۔ مجھ کو ہر وقت اس کا

خیال لگا رہتا ہے کہ اس کا دل ہو غم زدہ۔ ایسا نہ ہو کسی چیز کو اس کی طبیعت چاہے۔ اور یہ لحاظ کے مارے منھ سے نہ کہہ سکے اور ارمان جی کا جی میں ہی رہ جائے۔ اگر خالہ جان کو خدا نخواستہ تمھارے ساتھ عداوت تھی تو خود کھانا کھا لیتیں دشمن کا یہی کام ہے۔ کہ فاقے میں ساتھ دے اور شریک مصیبت ہو؟ وہ حمیدہ جس کو تم کہتی ہو کہ پاؤں تو مار کر پرزے اڑاؤں۔ آج دن بھر اس کو تمھارے واسطے روتے گزرا ہے۔ یہ عمر اور اتنا صبر کہ صبح سے اب تک اناج اس کے منھ میں نہیں گیا۔ انگوٹھی ایسی بے سدھ پڑی ہے کہ گویا جان نہیں۔ ان لوگوں کا تو حال اور تمھاری یہ کیفیت! ایک ذرا سی بات میں تمھارا دل اس قدر پھر گیا کہ ساری نیکی برباد۔ کل سلوک اکارت تمام احسان غارت۔ پھر بھلا تم سے کوئی کیا توقع رکھے اور کس امید پر تم سے ملے؟ نعیمہ:" بھائی۔ یہ بات تو تمھاری واہی ہے کہ ہمیشہ سے اماں جان مجھ کو بہت چاہتی ہیں۔ لیکن خدا جانے ان کو کیا ہو گیا تھا کہ بے تحاشا مار بیٹھیں۔"

صالحہ:" اچھا پھر یوں ہی سمجھو کہ آدمی ہی تو ہیں۔ ان ہی سے زیادتی ہو گئی سہی لیکن کیا انصاف ہے کہ ایک بے ادبی کی وجہ سے ان کی عمر بھر کی مہربانی اور شفقت اور عنایت اور رعایت اور دلسوزی اور ہمدردی اور خیر خواہی اور پرورش اور نفع رسانی ایک دم سے سب پر پانی پھیر دیا جائے۔؟ نعیمہ:" مجھ کو در گزر کر ان کا تقصیر کینت یاد آتا ہے۔" صالحہ:" اس واسطے کہ تم نے ان کے حقوق بھلا رکھے ہیں۔" نعیمہ:" کیا تم سے اماں جان نے کہا ہے کہ سمجھا بجھا کر نعیمہ کو خطا معاف کرانے کے لیے لے آؤ؟" صالحہ:" ان کو تمھاری خطا معاف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نقصان تمھارا ہے یا ان کا؟ اور شاید ان کے دل میں یہ بات آئی بھی ہو تو تمھارے مزاج کو دیکھ کر بھلا ان کو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ تم خطا کا اقرار اور معافی کی درخواست کرو گی؟" نعیمہ:" بھلا اور جو میں گئی اور اماں جان منھ سے نہ بولیں تو مجھ کو اور شرمندگی ہو گی" صالحہ:" ممکن ہے کہ نہ بولیں کیونکہ تمھاری خطا معمولی طور کی خطا نہیں ہے۔ مگر پھر وہ ماں ہیں اور ماں بھی کیسی ماں؟ بچوں پر اور خصوصاً تم پر دل سے فدا، جان سے قربان۔ شاید تم کو کوٹھری سے نکلتا ہوا دیکھ کر عجب نہیں کہ دوڑ کر خود لپٹ جائیں اور تم کو منھ سے کہنے کی بھی نوبت نہ آئے۔" نعیمہ:" جی تو چاہتا ہے کہ جاؤں چلی بھی جاؤں مگر شرم آتی ہے۔ بھلا کل پر رکھیں تو کیسا؟" صالحہ:" تم کو خدا کا ترس نہیں آتا کہ سارا گھر فاقے سے ہے۔ رات بھر میں تمھارا اور ان سب کا کیا حال ہو گا؟" نعیمہ:" بھائی۔ ہاتھ جوڑنے کو تو رہنے دو۔ کھانا اپنے نام سے منگوا بھیجو۔"

صالحہ:" اجی مجھ سے کہو تو میں کھانے کو بھی رہنے دوں۔ بھوکی مرو گی تم یا تمھاری ماں مگر بے صفائی کھانے کا لطف بھی نہیں۔ ادھر تم افسردہ ادھر وہ آزردہ۔ کھانا کیا خاک کھایا جائے گا۔ بس اتنی دیر کی بات ہے کہ تم کوٹھری کے باہر

سلہ اسو پیٹے کہ روٹھ کر میاں کے پاس سے چلی آئی تھی پھر ان لوگوں نے بلایا نہیں ۱۲ سلہ پھیکی میں ۱۲ سلہ بے تامل ۱۲ سلہ دل داری کی
سلہ فائدہ پہنچانا ۱۲ سلہ ڈبو دیا جائے ۱۲ سلہ مراد ہے آزاس ۱۲

تک چلو۔" نعیمہ: "بھائی بس زیادہ ہم کو دق مت کرو۔ کھانا منگواؤ میں کھاؤں گی۔" صالحہ: "ہو تم اپنی ضد کی، کھانا
کھاؤ گی تو کس پر احسان کرو گی؟ کوٹھری کے باہر تک چلو تو البتہ میں جانوں کہ تم کو میری خاطر عزیز تھی۔" نعیمہ: "
چلو بس مجھ کو بچوں کی طرح مت پھسلاؤ۔ یہ بھی تمہاری خاطر ہے کہ میں مان گئی ورنہ نعیمہ ضدی ادھر کی دنیا ادھر
ہو جاتی ایک کی تو سنتی ہی نہیں۔" صالحہ: "خاک مان گئیں، نخرے مان گئیں! میں اس کو منانا منانا نہیں سمجھتی
کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بدحواس ہیں ورنہ تم کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کسی کی نہیں سنتی اور میرا
عقیدہ یہ ہے کہ بات واجبی ہو تو کیا معنی کہ سننے والا اس کو نہ تسلیم کرے۔ اور دیکھو میری اس وقت کی بات یاد
رکھنا کہ تم کو خالہ جان کے آگے ہاتھ جوڑنے پڑیں گے۔" نعیمہ: "خیر جب پڑیں گے تب جوڑ بھی لینگے۔" اس کے بعد
صالحہ کوٹھری سے نکل دوسرے قطعے میں خالہ کے پاس گئی۔ بہت سے لوگ سو گئے تھے کچھ اونگھ رہے تھے۔ حمیدہ اکیلی
بیٹھی ہوئی دل ہی دل میں نہیں معلوم کیا باتیں کر رہی تھی کہ صالحہ جاتے کے ساتھ ہی بولی: "لو خالہ جان مبارک
ہو! اور آپا کا کھانا دیجئے۔" حمیدہ سنتے کے ساتھ چونک سی پڑی اور کہنے لگی: "سچ کہو؟" بھانجی: "آپ خود ان کو کھاتے
ہوئے دیکھ لیں تب تو سہی۔" خالہ: "بھائی تم نے تو کمال ہی کیا! کیوں کر منایا؟ کس طرح سمجھایا؟ مجھ کو تو امید نہ تھی کہ
وہ کسی ڈھب سے سیدھی ہو گی۔ اس کا غصہ ہے خدا کی پناہ! جیسے کسی کو جن چڑھتا ہے۔ نہیں معلوم تم نے کیا سحر کیا
کہ ایسے بھوت کو اتارا۔ ہم سب لوگ تو دن بھر ہلاک ہوئے کوئی حکمت نہ چلی۔ کوئی تدبیر پیش رفت نہ ہوئی۔"
صالحہ: "میں تو ان کو یہاں آپ کے پاس لاتی اور آپ کے پاؤں پر ان کا سر رکھواتی لیکن کیا کروں رات زیادہ گئی
اور لوگ بھوک سے بیتاب ہیں۔ خیر ان شاء اللہ سویرے خیریت پھر دیکھا جائے گا۔ لائیے کھانا نکالیے اور جاؤں حمیدہ کو
بھی جگاؤں، ہوشیار کروں کہ اس کا تو اور بھی برا حال ہوا ہو گا۔" خالہ نے تو کھانا نکالا اور صالحہ نے جا حمیدہ کو
اٹھا بٹھایا۔ حمیدہ سو تو گئی تھی ضعف و ناتوانی کی غفلت میں پڑی ہاتھ پاؤں ... توڑ رہی تھی۔ صالحہ کی آواز
سنتے ہی آنکھ کھولنے سے پہلے کھڑی ہو گئی اور بڑی بہن کو سلام کیا۔ صالحہ نے پیار سے گلے لگا گود میں لے لیا
اور کہا: "حمیدہ اس قدر سویرے تم سو رہا کرتی ہو؟" حمیدہ: "اماں جان سے پوچھ لیتی ہوں اور جب وہ کہہ دیتی ہیں
کہ ہاں وقت آ گیا تو نماز عشا پڑھ کر سو رہتی ہوں۔" صالحہ: "تم نے کچھ کھانے کو بھی کھایا؟" حمیدہ شرمندہ ہو کر
چپ ہو رہی۔ صالحہ: "بھوک لگی ہے؟" حمیدہ نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ "چلو ہم تم کھانا کھائیں۔" حمیدہ: "
ہماری اماں جان نے کھانا کھایا؟" صالحہ: "اماں جان بھی تمہارے ساتھ کھائیں گی۔" حمیدہ: "اور ہماری آپا جان"
صالحہ: "تم کو دنیا جہاں سے کیا مطلب؟ جس کو بھوک لگی ہو گی آپ کھا لے گا۔" حمیدہ: "لے ہے آپا جان

کھائیں میں کھاؤں! اچھی خدا کے لیے تم کسی طرح ابا جان کو سمجھاؤ۔ آج تمام دن انھوں نے کچھ نہیں کھایا۔ ننھا دودھ کے لیے پھڑک پھڑک کر آخر سو گیا۔" یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی تو صالحہ نے اس کی تشفی کی کہ حمیدہ رو مت، ابا ابھی کھائیں گے۔ غرض کوئی ڈیڑھ پہر رات گئے سب نے کھانا کھایا۔ صالحہ اور نعیمہ نے ایک ساتھ کوٹھری میں اور باقی سب لوگوں نے اپنے اپنے دستور کے مطابق کھانے کے بعد سو سلا رہے۔ مگر صالحہ اور نعیمہ میں کچھ گفتگو کھانے کے بعد بھی ہوئی۔ خود ہی نعیمہ بولی: "کیوں صاحب! اب تو آپ خوش ہوئیں۔ جو کچھ تم نے کہا میں نے کیا؟" صالحہ: "خوش تو میں تب ہی ہوتی کہ جب صفائی ہو گئی ہوتی۔" نعیمہ: "اچھی! اب بھی صفائی میں کچھ باقی رہ گیا؟ رفتہ رفتہ دس پانچ دن میں بول چال بھی ہونے لگے گی۔" صالحہ: "وہ دس پانچ دن؟" نعیمہ: "اور کیا کل؟" صالحہ: "ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ تم نے خود کہا تھا کل پہ رکھو۔" نعیمہ: "میں نے تو یہ نہیں کہا کہ میں کل بولنے بھی لگوں گی۔" صالحہ: "تو خاک بھی صفائی نہیں ہوئی۔" نعیمہ: "کھانا میں نے کھایا۔ اماں جان نے کھایا۔ حمیدہ نے کھایا۔ ننھا دیکھو دودھ پی ہی رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر صفائی کیا ہو گی؟" صالحہ: "خیر میری زبردستی سے تم سب نے ایک ایک دو دو نوالے کھا لیے۔ میں اس کو کھانا نہیں سمجھتی۔ دودھ پلانے والی عورت بھلا کچھ نہ کھائے تب بھی چار چپاتیاں تو کھائے۔ تم نے پاؤ ٹکڑا بھی نہیں کھایا۔ چاولوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ تمھارے سبب سے میں بھی بھوکی اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں سمجھتی تھی کہ خیر صبح کو اس کی کسر نکل جائے گی، سو تم نے ابھی سے امید توڑ دی۔" نعیمہ: "سچ تو یہ ہے کہ اب اس گھر میں مجھ کو اپنا گذر ہوتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ اور اب میرا جی لگنا بھی مشکل ہے۔" صالحہ: "کیوں؟" نعیمہ: "میں نے تم سے کہا نہیں تھا؟ تو ایک مہینے پہلے سے ابا کا مزاج، اماں کے تیور، گھر کا رنگ ڈھنگ، سب کچھ بدلا ہوا ہے۔ گو مجھ سے ابھی تک نماز روزے کا تذکرہ نہیں کیا، لیکن بکری کی[1] ماں کب تک خیر منائے گی۔ جب بڑے بھائی تک نوبت پہنچ گئی تو بھلا میں بیچاری کس گنتی میں ہوں۔ رہے وہ اللہ رکھے اول تو مرد۔ دوسرے سب سے بڑے۔ تیسرے خدا کے فضل سے چنداں ان کے محتاج و دست نگر[2] بھی نہیں۔ آپ آنچ الگ ہو جائیں تو ان کی بلا کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ جب رجواڑے میں جا کھڑے ہوں گے اپنی شاعری کے ہنر سے مصاحب یا ناظم یا چکلہ دار ہو جائیں گے۔ میں بدنصیب ایک تو پیٹ کی بیٹی والی۔ دوسرے ایسا کوئی ہنر نہیں آتا کہ چار پیسے کا سہارا ہو۔ اس روز بد کی خبر نہ تھی ورنہ آنکھوں دیکھتے دیکھتے ساتھ والی لڑکیاں کیسے کیسے کام سیکھ گئیں کہ ہنر کی بدولت گھر بیٹھی بادشاہت کر رہی ہیں۔ مجھ کو کہیں اپنا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ ماں باپ کے گھر ایسی پڑی ہوں جیسے گلی میں کتا۔ خدا واسطے کو کسی نے ٹکڑا ڈال دیا کھا لیا۔ ورنہ میرا کیا زور اور کون دعویٰ؟

۱؎ کہاوت ہے یعنی بکری کی آخر ایک نہ ایک دن ذبح ہو کر رہے گی ۲؎ ہاتھ دیکھنے والے اصل میں، مراد محتاج ہے۔

ابا جان تو پہلے ہی سے کچھ واسطہ و سروکار نہیں رکھتے۔ لڑکیوں سے بولنے اور بات کرنے کی اُن کو عادت نہیں اماں جان کا ایک سہارا تھا سو اُنھوں نے ایسی دست درازی شروع کی کہ اب خدا ہی اُن کے ہاتھ کو روکے گا تو رُکے گا ورنہ چھوٹا تو رہی ہے۔" صالحہ: "آپا تم اسقدر بیدل کیوں ہوئی ہو؟ کیا نماز کچھ بڑا ایسا مشکل کام ہے کہ اس کی وجہ سے یہ تمام دقتیں تم کو پیش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں؟" نعیمہ: "بوا میں تو ہنسی دل لگی کی آدمی ہوں۔ بھلا مجھ سے یہ اونگھتی اداس زندگی کاہے کو نبھے گی۔ لڑائی تو خیر آج ہوئی ہے۔ میرا تو کئی کئی دن سے جی گھبرا رہا تھا" صالحہ: "پھر آخر تم نے تدبیر کیا سوچی ہے؟" نعیمہ: "ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ میں تمھارے یہاں چلی جاؤں۔" صالحہ یہ سن کر جھجکی ہوئی۔ اور دیر تک چپ رہی۔ تو نعیمہ بولی: "تم تو سن کر ایسی دم بخود ہو گئیں گویا میں سچ مچ تمھارے گھر جا رہی ہوں۔ ڈرو مت میں نے تو تمھاری محبت آزمانے کیلئے ایک بات کہی۔ ورنہ میں کہیں واں نہ جاؤں۔ یہ تو کیا اس سے بھی زیادہ مصیبت ہو تو میں دوسرے کا احسان نہ اوٹھاؤں۔" صالحہ: "یہ تو تم نے کوئی نرالی ادا سیکھی ہے چھیڑ چھیڑ کر لڑنا۔ گھر جیسے میرا ویسے تمھارا۔ جن کا گھر ہے میں اُن کی بیٹی اور تم بیٹیوں سے بڑھ کر۔ جاؤ گی تو اپنی خالہ کے گھر جاؤ گی اور احسان اٹھاؤ گی تو اپنی خالہ کا اُٹھاؤ گی میں تم کو جانے والی یا منع کرنے والی کون؟" نعیمہ: "اچھا تو میں پوچھتی ہوں اگر میں چلی جاؤں تو خالہ جان کیا کہیں گی؟" صالحہ: "جو میں کہتی تھی جو تمھاری اماں کہتی ہیں وہی خالہ جان کہیں گی، وہی ہر شخص کہے گا جو سنے گا۔ کیا خالہ جان دنیا جہان سے باہر یا انوکھی ہیں؟" نعیمہ: "اچھی گھر سے تو نہ نکال دیں گی۔" صالحہ: "یہاں تم کو کوئی گھر سے نکال رہا ہے جو وہاں بے خدانخواستہ نکال دے گا۔ آپا نہیں معلوم تم اب کیسی باتیں کرنے لگی ہو۔ ایک اماں سے کیا لڑیں سارے کنبے کو دشمن ٹھیرا لیا" نعیمہ: "لیکن خالہ جان بیچاری غریب آدمی ہیں کہاں سے میرا خرچ اُٹھائیں گی؟" صالحہ: "اب ایسی بھی گئی گزری ہوئی نہیں ہیں کہ بھانجی بیس دن تم کو نہیں رکھ سکتیں۔" نعیمہ: "مہینا بیس دن کیسا میں تو ساری عمر کے لئے جاتی ہوں۔" صالحہ: "خدا نہ کرے کہ تم ساری عمر خالہ کے یہاں پڑی رہو۔ اللہ تم کو اپنے گھر آباد کرے اور تمھاری ماں کا کلیجہ؎ تم سے ٹھنڈا ہو۔" نعیمہ: "بوا میں کبھی کبھی یہ سوچ کرتی ہوں کہ چند روز وہاں رہوں گی تو اماں جان کو بھی لڑائی جھگڑے کی باتیں بھول بسر جائیں گی۔ پھر بلوا بھیجیں گی تو چلی آؤں گی۔" صالحہ: "میرے نزدیک بھی جانے میں کچھ قباحت نہیں۔ مگر اپنی اماں جان سے اجازت لے لو۔" نعیمہ: "کیونکر پوچھوں؟" صالحہ: "یہ بھی کوئی بڑا مشکل کام ہے۔ ابھی اُن کے پاس چلی جاؤ اور جا کر کہو کہ میں خالہ جان کے یہاں جاتی ہوں۔ وہ کہہ دیں گی اچھا۔" نعیمہ:

؎ یعنی اُن کو تمہارا گھر بسنے کی خوشی ہو۔ ۱۲

سچ کہنا کہیں چلی نہ جاؤں! اتنا کام تم نہیں کر دیتیں" صالحہ "نہیں میں نہیں کرتی" نعیمہ "ہماری بہن نہیں" صالحہ "نہیں میں بہن جی نہیں بنتی۔ بیوی صاحب کو اتنا سمجھایا اتنا سمجھایا خاک بھی اثر نہ ہوا" نعیمہ "نوج کوئی ایسا بے مروت ہو" صالحہ "وہ تم سے بھی بڑھ کر؟" "اچھی میری بہن!" صالحہ "خیر میں پوچھ دونگی۔ لیکن کیا تم خالہ جان سے رخصت ہو کر نہ چلو گی اور چلتے وقت ان سے نہ ملو گی؟" نعیمہ "اسوقت جیسی ہوگی دیکھی جائے گی" صالحہ "سنو لو اگر تمھارے دل میں دغا ہو تو پہلے سے کہدو۔ ایسا نہ ہو میں پوچھنے جاؤں اور تم بے ملے چلدو تو ناحق مجھ کو شرمندگی ہو" نعیمہ "نہیں میں نے تمھارے چھیڑنے کو کہا تھا بھلا ایسا کہیں ہو سکتا ہے کہ چلتے وقت میں اماں جان سے نہ ملوں۔ تو جاؤ پوچھ آؤ" صالحہ "اسوقت رات زیادہ گئی ہے۔ آخر صبح کی نماز میں خالہ جان کے ساتھ پڑھوں گی اسیوقت پوچھ دوں گی" نعیمہ "اچھا پھر ڈولیوں کو تو اڈے پر اسیوقت کہلا بھیجو۔ ورنہ شاید وقت پر نہ ملیں" صالحہ "نہ ملیں گی تو ہمارے محلہ سے آجائیں گی" نعیمہ "نہیں۔ چلنا ہے تو بس منھ اندھیرے چلدیں۔ ننھا ڈولی میں ڈرتا ہے" صالحہ "بہتر اسی وقت کہلا دیا جائے گا" اس بعد نعیمہ اور صالحہ دونوں سو رہیں۔ ابھی تارے چھٹکے ہوئے تھے کہ صالحہ اپنے معمول پر نماز صبح کے واسطے اٹھی اور نعیمہ اس وقت غفلت کی نیند میں پڑی سو رہی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر صالحہ خالہ کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور کہا کہ بس خالہ جان اب میں جاؤں گی" خالہ "ایں ایسی جلدی کیا ہے۔ تم آگئیں ابھی آئیں تھیں کیا چلیں" صالحہ "دو چار دن بعد پھر آجاؤں گی" خالہ "ذرا نعیمہ کے مزاج کو ٹھکانے لگنے دیا ہوتا" صالحہ "وہ بھی تو میرے ساتھ جانے کو کہتی ہیں" خالہ "سچ کہو؟" صالحہ "مجھ سے کہہ بھی دیا ہے کہ تم پوچھ لو" خالہ "اسی کی مرضی ہے یا تم نے صلاح دی ہے؟" صالحہ "خود انہی کی مرضی ہے" خالہ "بھلا کچھ یہ بھی کہتی تھیں کتنے دن کے واسطے" صالحہ "دنوں کی تعین تو مجھ سے نہیں بیان کی" خالہ "خیر اس نے دنوں کی تعیین نہیں کی تو میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ آٹھ دن سے زیادہ مت رکھنا ہماری بہن بیچاری غریب آدمی ہیں ان کو تکلیف ہوگی" صالحہ "اب جیسا ان کا جی چاہے" خالہ "تم لیے تو جاتی ہو مگر اتنا تو کرنا کہ اس کو بھی نیک ہدایت دینا" صالحہ "جہاں تک مجھ سے ہوسکیگا سمجھاؤں گی اور ان کو مولویوں کے وعظ سنواؤں گی۔ خدا کی ذات سے امید تو ہے کہ ضرور اثر ہوگا" اس کے بعد صالحہ نے گھر کے نوکروں سے پوچھا کہ ڈولیوں کے واسطے رات کو جو کہلا بھیجا تھا آئیں یا نہیں معلوم ہوا کہ ڈولیاں تو سب سے پہلے کی دروازے پر لگی ہوئی ہیں۔ تب صالحہ کوٹھری کی طرف چلی اس غرض سے کہ نعیمہ کو جگا دے اور اجازت کی خوشخبری سنائے۔ دیکھا تو نعیمہ پلنگ پر نہیں ہے گئی کہ دوسرے قطعے میں بچہ کا ہاتھ منھ

دلاتی ہوں گی۔ مگر وہاں بھی نعیمہ کو نہ پایا۔ معلوم ہوا کہ جب صالحہ خالہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی نعیمہ چپکے سے اٹھ پیچھے کو ہے کھڑکی کی راہ ہو کر ڈیوڑھی میں جا سوار ہوئیں بے رخصت ہوئے چلدیں۔ اب یہ کیا موقع تھا کہ ڈولی واپس منگائی جائے۔ ناچار صالحہ اکیلی خالہ کو سلام رخصت کرنے گئی۔ تو خالہ نے کہا "اے لڑکی ایسی کیا بھاگڑ مچی ہے؟ نعیمہ کو اٹھنے دو، ناشتہ کھا پی لو۔ تب جانا۔" صالحہ: "آپا تو گئیں بھی۔" خالہ: "یہ کب؟" صالحہ: "جسوقت میں نماز آپ سے باتیں کر رہی تھی اسیوقت وہ سوار ہو گئیں۔" خالہ: "کیسی چپکے سے نکل گئی کہ میں نے اسے جاتی کو بھی نہ دیکھا۔" صالحہ: "کھڑکی کی راہ سے گئیں۔" خالہ: "تب ہی۔ مگر صالحہ تم نے دیکھا اس کا غصہ۔ کتنا تم نے اس کے ساتھ سر مارا، میں باہر کھڑی ہوئی تمھاری ساری باتیں سنتی تھی لیکن اسکا یہ اثر ہوا کہ بے ملے چلدیں۔ بھلا کہیں ایسا بھی غضب ہوا ہے کہ بیٹی ماں کے گھر سے یوں چلی جائے۔ اگر میں اس کی باتوں پر جاؤں تو جیتے جی صورت نہ دیکھوں لیکن کیا کروں یہ دل کمبخت نہیں مانتا۔ اس مزاج کی بدولت ان حالوں کو تو پہنچ گئی۔ مگر ذرا اس کو خیال نہیں، مطلق اسکو پروا نہیں۔ دیکھیے کیا اس کی تقدیر میں لکھا ہے۔ کیا اس کے نصیب میں بدا ہے۔ اس کے غم نے مجھ کو تو کھا لیا اور میں اس کے سوچ میں تمام ہو گئی۔" صالحہ: "آپ سوچ نہ کیجیے اور دل کو سنبھالیے۔ اب آپ نے ان باتوں کا خیال کیا ہے انشاء اللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے۔ یہی ہے کہ کوئی اوپر کوئی سو برس۔" اب ہم نعیمہ کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں۔ جو اس کو پیش آیا اور جیسا اسکا انجام ہوا پھر بیان کریں گے۔

فصل نہم

کلیم باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل گیا۔ نصوح نے کلیم کا تکلف خانہ اور بیہودہ کتاب خانہ جلا دیا

نعیمہ تو صبح ہوتے گئی مگر کلیم رات ہی کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب صالحہ ڈولی سے اتری لوگ اس سے ملنے ملانے میں مصروف ہوئے، کلیم آنکھ بچا تو دروازہ کھول باہر۔ اتنا بھی تو نہ کیا کہ رات کا وقت ہے لاؤ کسی سے دروازے کے واسطے تو کہتا جاؤں[۵۱]۔ جب نعیمہ کو کھانا جالیا سب گھر والے کھانا کھا کر فارغ ہو گئے اور فہمیدہ سونے کے ارادے سے مکان میں آئی تو دیکھا باہر کا دروازہ چوپٹ[۵۲] کھلا پڑا ہے۔ کلیم کو ادھر دیکھا

۵۱ کہ بند کرلو ۱۲ ۵۲ بالکل پورا ۱۲

ادھر دیکھا کہیں پتہ نہیں سمجھی کہ موقع پا کر چلدیا لیکن اسوقت نہ تو کلیم اس ارادے سے گیا تھا کہ پھر نہ آئے اور نہ فہمیدہ کو ایسا گمان ہوا۔ رات گئی تھی زیادہ بات کا چرچا کرنا مناسب جان کر سب لوگ سو سلا رہے۔ نصوح نماز صبح پڑھ کر مسجد سے واپس آرہا تھا کہ اس کو گلی کے نکڑ پر نعیمہ کی اور ڈیوڑھی سے نکلتی ہوئی صالحہ کی ڈولی ملی کلیم کی نافرمانیوں پر غصہ تو اسے رات ہی کو بہتیرا آیا اور بار بار اس کے دل نے چاہا کہ اسیوقت اِدھر یا اُدھر جو کچھ ہو فیصلہ کر دے لیکن چند در چند باتوں کے لحاظ سے وہ زہر کا گھونٹ پی کر چپ ہو رہا۔ اور مشکل سے اپنی طبیعت کو اس بات پر رضامند کیا کہ پیام زبانی کا اثر اور تحریر کا نتیجہ تو معلوم ہوا، ایکمرتبہ اور رو در رو کہہ کر بھی دیکھ لو اس پر بھی نہ سمجھے تو اپنا سر کھائے۔ اس ارادے سے پہلے مردانے مکان میں آکر ٹھیرا۔ اور جب کلیم اس کو نظر نہ آیا تو اس نے نوکروں سے پوچھا مگر کسی نے جواب صاف نہ دیا۔ تب وہ نوکروں پر خفا ہوا کہ تم لوگ کیسے نالائق ہو کہ مجھ کو اس بدبخت کا ٹھیک پتہ نہیں دیتے۔ تم اپنے پندار میں اس کے حق میں خیرخواہی کرتے ہو مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمھاری رازداری نہ صرف اس کم نصیب کے حق میں زبوں ہے بلکہ تمھارے حق میں بھی اسکا نتیجہ اچھا نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اسکی عادت اسقدر سویرے اٹھنے کی نہیں ہے ضرور ہے کہ تم نے اس کو جگا کر کہیں ٹال دیا ہے۔ میں نے تم کو اپنی آسایش کے لئے خاص خاص خدمتوں پر مامور کر رکھا ہے، اگر تمھاری وجہ سے میرے انتظام خانہ داری میں خلل واقع ہو تو تم میرے نوکر نہیں ہو بلکہ دشمن ہو، ملازم نہیں ہو بلکہ بدخواہ ہو۔ اگر میں اس ناشدنی کو فرزندی سے عاق کروں گا تو تم سب کو بھی اس کے ساتھ نوکری سے برطرف" نصوح کا کلام سنکر اعلی ادنی سب نوکر تھر تھرا اٹھے اور جو ان میں سب سے زیادہ سلیقہ مند تھا دست بستہ ہو کر بولا کہ حضور کا عتاب غلاموں کے سر و چشم پر مگر شب کو مکان زنانہ رہا اور خانہ زادوں کو اجازت ہوئی کہ اپنے اپنے گھر جا کر سو رہیں۔ اسوقت تک صاحبزادے صاحب گھر میں تشریف رکھتے تھے نمک خواروں نے صبح کو آکر ان کا جمال نہیں دیکھا جناب بیگم صاحبہ سے حضور اس کا حال دریافت فرمائیں خانہ زادوں سے ایسی گورنمکی نہ ہوگی کہ حضور سے کوئی بات مخفی رکھیں۔ یہ سنکر نصوح اندر گیا اور حسب عادت سب لوگ اس کو سلام صبح کرنے کے واسطے جمع ہو گئے مگر فہمیدہ اسوقت تک تلاوت میں مصروف تھی مگر تھوڑی دیر میں فارغ ہو گئی تو نصوح نے کہا کیوں

سر سے پیر ۱۲ — یعنی غصے کو ضبط کیا ۱۲ — مراد یہ ہے جو اس کے جی میں آئے کرے میری بلا سے ۱۲ — گمان ۱۲
بھید کو چھپانا ۱۲ — آرام ۱۲ — یعنی ہر ایک کو ایک خاص خدمت سپرد ہے ۱۲ — جس سے کچھ ہونا ہوانا نہیں ۱۲ — خارج ۱۲
نمک حرامی

کیوں صاحب بی صالحہ گئیں؟ فہمیدہ: کبھی کی گئیں۔ اب تک تو وہ گھر بھی پہنچ گئی ہوں گی۔ نصوح: اور دوسری ڈولی کس کی تھی؟ فہمیدہ: تمھاری بڑی صاحبزادی کی۔ نصوح: من کر گئیں یا بگڑ کر؟ فہمیدہ: کچھ من کچھ بگڑ کر۔ نصوح: یہ کیا؟ فہمیدہ: صالحہ نے خدا اس کو جزائے خیر دے بہت کچھ سمجھایا اور آدھی رات تک اپنا سر خالی کیا، بارے اس کے کہنے سے انھوں نے اپنا ٹھری[۱] روزہ تو افطار کیا، لڑکے کو دودھ بھی پلایا۔ یہ تو ان کا منانا تھا بگڑنا یہ کہ مجھ کو بے ملے بے رخصت ہوئے ڈولی میں بیٹھ چل دیں میں صالحہ سے باتیں کرتی رہی میں نے اس کو جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ نصوح: خیر ان سے خدا نے سبکدوش[۲] کیا۔ اب صاحبزادے صاحب کی کہو وہ کہاں ہیں؟ "سب چھوٹے بڑوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ ہم کو مطلق خبر نہیں۔" نصوح: کب سے غائب ہیں؟ فہمیدہ: مغرب کے بعد سے برابر میرے پاس بیٹھا تھا۔ میں اس کو سمجھاتی رہی۔ تمھارا خط آیا اس کو پڑھا لانے میں صالحہ کی ڈولی آ پہنچی۔ میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ پھر لوگوں کو کھانا دیا دلایا اس میں کوئی پہر ڈیڑھ پہر رات چلی گئی۔ سونے کو جو گئی تو دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے۔ نصوح: الحمد للہ[۳] خس کم جہاں پاک لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس میں کس کی خطا ہے، میری یا اس کی؟ فہمیدہ: خطا صریح اس کی ہے۔ خواہ مخواہ بھی تمھاری خطا بتاؤں تم نے اس کو ایک دفعہ چھوڑ دو دو دفعہ بلایا، خط لکھا، بس حد ہو گئی۔ علیم نے بہتیرا سمجھایا، میں نے بہت کچھ کہا سنا۔ وہ اپنی شاعری کے آگے کس کی سنتا ہے۔ تم تک جانے ہی کی اس نے ہامی[۴] نہ بھری۔ میں نے کہا تھا کہ کھانے سے فراغت پا کر پھر اس کے ساتھ سر ماروں گی، اسی غرض سے مردانے مکان میں پردا کرایا۔ مگر وہ پہلے ہی سے نکل گیا۔ کوئی کیا کرے اپنی اپنی قسمت، اپنی اپنی تقدیر۔ نصوح: جس طرح یہ نالائق میرے ساتھ پیش آیا فہمیدہ نے تمھارے ساتھ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کیا۔ اس کے بعد نصوح نے منجھلے بیٹے علیم سے کہا۔ بھلا تم نے اس کے کچھ پرچے یا کتابوں میں تو دیکھا ہوتا شاید وہ کچھ لکھ کر رکھ گیا ہو۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے نفس[۵] سرکش نے اس کو مجھ تک نہ آنے دیا۔ ورنہ میں تو ہر طرح اس کے عذرات کو سننے اور اس کے وجوہات پر لحاظ کرنے اور معقول کیسا تھا اس کو سمجھانے کیلیے موجود تھا۔ علیم: یہ بات میرے ذہن میں نہیں گزری مگر میں اب ان کی چیزوں میں دیکھے لیتا ہوں۔ اگرچہ مجھ کو اب بھی ایسی امید نہیں ہے کہ وہ کچھ لکھ کر رکھ گئے ہوں کیوں کہ اگر ان کو لکھنا ہی منظور ہوتا تو وہ آپ کے خط کا جواب ہی نہ دیتے۔ و دیگر ان کو اتنی فرصت کہاں ملی۔ کل شام کو اس بات کا چرچا شروع ہوا اور میں جانتا ہوں کہ صالحہ کے آتے ہی وہ تشریف لے گئے اس اثنا میں برابر میں ان کے پاس تھا

۱؎ نفل کا روزہ ۱۲ ۲؎ یعنی اللہ نے بہت سے بوجھ تو ہلکا ہوا ۱۲ ۳؎ خدا کا شکر ہے ۱۲ ۴؎ کوڑا کرکٹ کم ہوا تو جہان پاک ہو گیا یہ فارسی کی ضرب المثل ہے ۱۲ ۵؎ یعنی زبان سے ہاں نہ کہا ۱۲ ۶؎ سرتا جھکی سے نہ جیتے ۱۲ ۷؎ اس صحبت میں اس ... ۱۲

اور میرے چلے جانے کے بعد آ جان؟" نصوح: "پھر بھی میں اس کو داخل اتمام حجت[۵۰] سمجھ کر چاہتا ہوں کہ احتیاطاً اُس کی چیزوں میں دیکھ لیا جائے۔ چلو میں تمہارا شریک ہونگا۔" ہر چند علیم کو منظور نہ تھا کہ بھائی کی چیزوں پر باپ کی نظر پڑے۔ لیکن باپ کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر باہر مردانے میں آ کر نصوح نے نوکروں سے پوچھا کہ کلیم کا اسباب کس جگہ رہتا ہے۔ نوکر: "حضور، صاحبزادے صاحب نے دو کمرے رکھے ہیں۔ اس دکھن والے کمرے کا نام انھوں نے ریجے ہی تو ہیں، عشرت منزل[۵۱] رکھ چھوڑا ہے۔ جب اُن کے ہمجولی آتے ہیں تو سب اسی کمرے میں بیٹھ کر کھیلا اور باتیں کیا کرتے ہیں۔ اُتر والے کمرے کو خلوت خانہ[۵۲] فرمایا کرتے ہیں۔ اُس میں اُن کے پڑھنے لکھنے کی کتابیں وغیرہ ہیں۔" نصوح عشرت منزل اور خلوت خانے کا نام سنکر چونکنا ہوا اور اس نے نوکروں سے کہا اچھا پہلے اس عشرت منزل کو کھولو۔ چنانچہ عشرتخانہ کھولا گیا تو ایک تکلف خانہ تھا۔ کمرے کے بیچ میں چوکیوں کا فرش اُس پر دری۔ اُس پر سفید چاندنی اس خوش سلیقگی کیساتھ تنی ہوئی کہ کہیں دھبے یا سلوٹ کا نام نہیں صدر[۵۳] کیجانب گجرات کا نفیس قالین بچھا ہوا۔ گاؤ تکیہ لگا ہوا۔ سامنے اگالدان لب قالین بچھا ہوا۔ چوکیوں کے گرداگرد کرسیاں تھیں تو لکڑی کی لیکن آئینے کی طرح صاف اور چمکتی ہوئی۔ چھت میں پٹاپٹی کی گوٹ کا پنکھا لٹکا ہوا ہلانے کے واسطے نہیں بلکہ دکھانے کیلئے۔ اُس کے پہلو میں جھاڑ۔ جھاڑوں کے بیچ بیچ میں رنگ برنگ کی ہانڈیاں چھت کیا تھی بلا مبالغہ آسمان کا نمونہ تھا جس میں پنکھا بجائے کہکشاں کے تھا۔ جھاڑ بمنزلہ آفتاب و ماہتاب اور ہانڈیاں ہو بہو جیسے ستارے۔ چھت کے مناسب چاروں دیواریں تصویروں اور قطعات اور دیوار گیریوں سے آراستہ تھیں۔ نصوح اس ساز و سامان کو تھوڑی دیر ایک سکتے[۵۴] کے عالم میں دیکھتا رہا۔ اسکے بعد ایک آہ کھینچ کر بولا کہ افسوس کتنی دولت خداداد اس بیہودہ نمائش[۵۵] اور تکلف و آرائش میں ضائع کی گئی ہو۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ روپیہ محتاجوں کی امداد اور غریبوں کی کار برآری میں صرف کیا جاتا۔ اس کے بعد اُس کی نگاہ مقابل صدر جا پڑی تو کیا دیکھتا ہو کہ آمنے سامنے دو میزیں لگی ہیں۔ ایک پر گنجیفہ، شطرنج، چوسر، تاش، کھیل کی چیزیں اور ارگن باجے رکھے تھے۔ دوسری پر گلدان اور عطردان وغیرہ کے علاوہ ایک نہایت عمدہ طلائی جلد کی موٹی سی کتاب۔ نصوح نے نہایت شوق سے اُس کتاب کو کھولا تو وہ تصویروں کا البم[۵۶] تھا۔ مگر تصویریں کسی اعاظم، حافظ، درویش یا خدا پرست کی نہیں۔ لکھوا پکھاوجی، تان رس خاں گویا، میر ناصر احمد بین نواز، صمد خاں پہلوان، رکھو نابھا، حیدر علی قوال، نتھوا بھیر ۲ قاری محمد علی پھکڑ، تقدیہ چوری، اس قسم کے لوگوں کی۔ شیشہ آلات کی وجہ سکر نوسیح

---

[۵۰] یعنی آزما کر دیکھ لینے سے حجت میری طرف سے پوری ہو جائے گی ۱۲ [۵۱] خوشی کا گھر ۱۲ [۵۲] تنہائی اور تخلیے کا گھر ۱۲ [۵۳] میر مجلس کے بیٹھنے کی جگہ ۱۲
[۵۴] مدہوشی ۱۲ [۵۵] دکھاوا ۱۲ [۵۶] انگریزی لفظ ہے جس کتاب میں تصویریں لگی ہوں اُس کو البم کہتے ہیں ۱۲

دیوار والی تصویروں کو بے حقیقت نہیں سمجھا تھا۔ اب البم کو دیکھ کر اسے خیال آیا، آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو وہ تصویریں اور بھی بیہودہ تھیں قطعے اور طغرے اگرچہ ان کا سوادِ خط پاکیزہ تھا مگر مضمون و مطلب دین کے برخلاف، مذہب کے برعکس۔ نصوح نے دیر تک ایک میر فرش اٹھا کر ان سب کی چھوٹنی شروع کی اور بات کی بات میں کل چیزوں کو توڑ پھوڑ برابر کیا۔ اور جو کچھ باقی رہا اس کو صحن میں رکھ آگ لگا دی اور نوکروں کو حکم دیا کہ اسبابِ خلوت خانہ کھولو۔ اس میں تکلف کے معمولی ساز و سامان کے علاوہ کتابوں کی ایک الماری تھی۔ دیکھنے میں تو اتنی جلدیں تھیں کہ انسان ان کی فہرست لکھنی چاہے تو سارے دن میں بھی تمام نہ ہو۔ لیکن کیا اردو کیا فارسی سب کی سب کچھ ایک ہی طرح کی تھیں۔ جھوٹے قصے، بیہودہ باتیں، فحش مطالب، پچ مضمون، اخلاق سے بعید، حیا سے دور۔ نصوح ان کتابوں کی جلد کی عمدگی، خط کی پاکیزگی، کاغذ کی صفائی، عبارت کی خوبی، طرزِ ادا کی برجستگی پر نظر کرتا تھا تو علیم کا کتب خانہ اس کو ذخیرۂ بے بہا معلوم ہوتا تھا۔ مگر معنی و مطلب کے اعتبار سے ہر ایک جلد سوختنی اور دریدنی تھی۔ اسی تردد میں اس کو دوپہر ہو گئی۔ کئی مرتبہ کھانے کیلئے گھر سے اس کی طلب چلی مگر اسکو فرصت نہ تھی۔ بار بار کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتا تھا اور رکھ رکھ دیتا تھا آخر کار یہی رائے قرار پائی کہ ان کا جلا دینا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ بھری الماری کتابیں لکڑی کنڈے کی طرح اوپر تلے رکھ آگ لگا دی۔ نصوح کا یہ برتاؤ دیکھ اندر سے باہر تک تہلکہ اور زلزلہ پڑ گیا۔ علیم دوڑا دوڑا آیا اپنا کلیاتِ آتش اور دیوانِ شرر اٹھا لایا اور باپ سے کہا کہ جناب میرے پاس بھی یہ دو کتابیں اسی طرح کی ہیں۔ نصوح نے ان کتابوں کو بھی دو چار جگہ سے کھول کر دیکھا اور کہا کہ واقع میں ان کے مضامین بھی جہاں تک میں دیکھتا ہوں برے اور بیہودہ ہیں لیکن تمہاری نسبت مجھ کو خدا کے فضل سے اطمینان ہے چاہو تو اپنی کتابوں کو رہنے دو اگرچہ ان کا مطالعہ میرے نزدیک خالی از معصیت نہیں ہے۔ علیم: یہ کتاب جب کہ دیکھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں تو اسکا رکھنا بے سود بلکہ خطرناک ہے بہتر ہوگا اسکو بھی جلا دیا جائے۔ نصوح: شاید تم میری خاطر سے کہتے ہو اور تم کو پیچھے تاسف ہو۔ علیم: مجھ کو ہرگز تاسف نہ ہوگا بلکہ خوشی ہوگی۔ جلائی جائے وہ عمدہ نصیحت کی کتاب جو مجھ کو پادری صاحب نے دی تھی اور رہیں یہ خرافات۔ میں جانتا ہوں کہ بھائی جان کی کتابوں پر یہ آسی پادری والی کتاب کا وبال پڑا۔ ڈرنے کا مقام اور عبرت کی جگہ ہے۔ نصوح: لیکن کیا ضرور ہے کہ تمہاری کتابیں بھی اس وبال میں داخل ہوں۔ علیم: ان کے نام بھی جلنا جلنا پکارتے ہیں ارشاد ہو تو جھونک دوں۔ نصوح: تمہاری یہی مرضی ہے تو بسم اللہ۔ علیم نے آتش کو دہکتی آگ اور شرر کو جلتے انگاروں

---

۵۱ بیہودہ ۱۲ ۵۲ شہادت ۱۲ ۵۳ جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہو سکے یعنی بیش قیمت ۱۲ ۵۴ جلانے کے قابل ۱۲ ۵۵ پھاڑ ڈالنے کے قابل
۵۶ گناہ ۱۲ ۵۷ فضولیات۔ واہیات ۱۲ ۵۸ یعنی خدا کا نام لیکر (ڈال بھی) دو ۱۲

میں پھینک دیا۔ علیم کی دیکھا دیکھی میاں سلیم نے بھی واسوخت امانت لا باپ کے حوالے کی۔ اور کہا کہ ایک دن کوئی کتاب فروش کتابیں بیچنے لایا تھا۔ بڑے بھائی جان نے فسانۂ عجائب۔ قصۂ گل بکاؤلی۔ آرائش محفل۔ مثنوی میر حسن۔ مضحکات نعمت خان عالی۔ منتخب غزلیات چرکین۔ ہزلیات جعفر زٹلی۔ قصائد ہجویہ مرزا رفیع السودا۔ دیوان جان صاحب۔ بہار دانش با تصویر۔ اندر سبھا۔ دریائے لطافت میر انشاء اللہ خان۔ کلیات رند وغیرہ بہت سی کتابیں اس سے لی تھیں میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر بولے کیوں سلیم تم بھی کوئی کتاب لوگے؟" میں: "جو آپ تجویز فرمائیں۔" بھائی جان: "کون سی کتاب تم کو دے دوں؟ یہ کتابیں جو میں نے لی ہیں اول تو میرے شوق کی ہیں۔ دوسرے تم کو ان کا مزہ نہیں ملیگا۔" کتاب والے کی ساری گٹھری میں سے یہ واسوخت اور دیوان نظیر اکبرآبادی دو کتابیں انھوں نے میرے لیے نکال لیں اور کہا کہ واسوخت تو خیر مگر یہ دیوان بڑی عمدہ کتاب ہے۔ میاں نظیر کے اشعار آج تک کسی نے جمع نہیں کیے تھے۔ اس کے حاشیے پر وہ بھی ہیں۔ چونکہ بھائی جان نے دیوان کی بہت تعریف کی تھی میں نے اس کو نہایت شوق سے کھولا تو پہلے ہی چوہوں کا اچار[1] نکلا۔ اسکے مضمون سے میری طبیعت کچھ ایسی کھٹی ہوئی کہ میں نے دونوں کتابیں پھیر دیں۔ مگر بھائی جان نے یہ واسوخت زبردستی میرے سر مڑھی[2]۔ ایکدن اتفاق سے حضرت بی صاحب کے بڑے نواسے نے میرے جزدان میں دیکھ کر کہا کہ "ہا میاں سلیم تم بڑے چھپے رستم نکلے" میں: "کیوں۔" حضرت بی صاحب کے نواسے: "تم کو ایسی کتابوں کا بھی شوق ہے؟" میں: "مجھکو بھائی جان نے دی ہے کیوں کتاب اچھی نہیں ہے؟" حضرت بی صاحب کا نواسہ: "اچھی بری تو میں نہیں جانتا۔ لیکن اگر نانی اماں دیکھ پائیں تو شاید ہم لوگوں کو تمہارے پاس اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت کریں۔ بھلا کوئی ایسی گندی باتوں کی کتاب بھی پڑھتا ہے۔" تب سے میں نے اس کتاب کو طاق میں ڈال دیا تھا۔ آج مجھ کو یاد آ گئی تو میں نے کہا یہ بھی اپنی مراد کو پہنچ جائے۔" جب کلیم کا خرمن عیش و عشرت جل بھن کر خاک سیاہ ہو لیا تو نصوح اندر گھر میں گیا اور بیوی نے اس سے پوچھا کیوں جس پرچے کی جستجو تھی ملا؟" نصوح: "نہیں پرچہ تو نہیں ملا لیکن میرا مطلب حاصل ہو گیا۔" فہمیدہ: "وہ کیا؟" نصوح: "مجھ کو اس بات کی تلاش تھی کہ کلیم کے دلی خیالات معلوم کروں کہ آخر اس کو جو اس قدر گریز ہے کہ میرے پاس تک آنے سے بھی اس نے انکار کیا تو اس کی وجہ کیا ہے۔" فہمیدہ: "پھر تم نے کیا وجہ دریافت کی؟" نصوح: "وجہ کیا دریافت کی اس کی ساری حقیقت معلوم ہو گئی بلکہ شاید رو در رو گفتگو کرنے سے بھی یہ بات پیدا نہ ہوتی جو مجھ کو اب حاصل ہوئی۔" فہمیدہ: "آخر کچھ میں بھی سنوں۔" نصوح: "میں نے اس کے عشرت منزل اور خلوت خانے کو دیکھا اور اس کے کتابخانہ[3] کی سیر کی۔" فہمیدہ: "عشرت منزل اور خلوت خانہ کیسا؟" نصوح: "تم تو کچھ مجھ سے بھی زیادہ بے خبر ہو۔ آج تک تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صاحبزادے

۱؎ اچار کیسا تھا یہ لفظ کیا مزہ دے رہا ہے ۱۲ ۲؎ سر مڑھی محاورہ ہے ۱۲ ۳؎ کتب خانہ۔ یہاں مراد ہے اس کی کتابیں وغیرہ ۱۲

بنت اقبال نے دو کمرے اپنے واسطے خاص کر رکھے ہیں۔ ایک کا نام عشرت منزل کہ چھوٹا ہے اور دوسرے کا خلوت خانہ۔ جس کمرے میں ان کے شیاطین الانس[۵۱] جمع ہوتے ہیں وہ عشرت خانہ ہے اور جہاں استراحت[۵۲] فرماتے ہیں وہ خلوت خانہ ہے۔ اسی خلوت خانے میں کتاب خانہ بھی ہے۔ فہمیدہ: "اتنی بات تو میں بھی جانتی ہوں کہ کلیم نے دو کمرے رکھے ہیں، مگر عشرت منزل اور خلوت خانہ میں نے آج ہی سنا ہے۔" نصوح: "تم نے ان کمروں کو اندر سے بھی دیکھا؟" فہمیدہ: "نہیں۔ مردانے میں کبھی کاہے کو جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ کل رات البتہ علیم کے اصرار سے پردہ کروا کے گئی تھی۔ خوب ہوا کہ تم نے ان کمروں کو نہ دیکھا۔" فہمیدہ: "کیوں؟" نصوح: "اب میں ان کمروں کی تمام تر تفصیل[۵۳] تم سے کیا بیان کروں۔ بس مولانا[۵۴] روم قدس اللہ سرہ العزیز[۵۵] کا شعر ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل[۵۶] ۔۔۔ اندروں قہر خدائے عزوجل

گویا ان ہی کمروں کی شان میں ہے۔ ظاہر آباد، باطن خراب۔" فہمیدہ: "کوئی کہتا تھا کہ تم نے غصے میں آ کر دیوان خانے میں آگ لگا دی۔" نصوح: "اگرچہ وہ مکان جس میں وحشیوں کے سے کام ہوتے ہوں اسی قابل ہے مگر میں نے مکان میں تو آگ نہیں لگائی۔" فہمیدہ: "کچھ دھواں سا اوپر والے میں ضرور اٹھ رہا تھا۔" نصوح: "وہ تو چند کتابیں تھیں جن کو بے ہودہ سمجھ کر جلا دیا۔" فہمیدہ: "ایسے غصے سے بھی خدا پناہ میں رکھے!" نصوح: "غصے کی تو اس میں کوئی بات نہ تھی۔" فہمیدہ: "کتاب کا جلانا غصے کی بات نہیں تو کیا عقل کی بات ہے؟ میں نے تو سنا ہے کہ کاغذ کا جلانا بڑا گناہ ہے۔ نیک بندے لوگ کہیں ذرا سا پرزہ پڑا پاتے ہیں تو اٹھا کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ کتاب کو بھولے سے ٹھوکر لگ جاتی ہے تو توبہ توبہ کر کے چومتے اور ماتھے چڑھاتے ہیں۔" نصوح: "تم سچ کہتی ہو مگر یہ لوگوں کی زیادتی ہے۔ کاغذ بھی کپڑے کی طرح ایک بے جان چیز ہے۔ کتاب کے عمدہ مضامین جن میں دینداری اور خدا پرستی اور نیکوکاری کا بیان ہوتا ہے وہ البتہ قابل ادب ہیں۔" فہمیدہ: "خیر کچھ ہی ہو مگر کتاب ہے تو ادب کی چیز۔ پھر تم نے جلائی کیوں؟" نصوح: "جن کتابوں کو میں نے جلایا ان کے مضامین شرک اور کفر اور بے دینی اور بے حیائی اور فحش اور بدگوئی اور جھوٹ سے بھرے ہوئے تھے۔" فہمیدہ: "کتابوں میں ایسی بری بری باتیں بھی ہوتی ہیں؟" نصوح: "کتابیں بھی آدمی بناتے ہیں اور آدمی ایسا شریر[۵۷] ہو کہ اس نے تمام دنیا میں بدی اور خدا کی نافرمانی پھیلا رکھی ہو۔ کیا تم شعر اور شاعری کے نام سے واقف نہیں ہو؟" فہمیدہ: "واقف کیوں نہیں؟ کتابوں میں اکثر شعر ہوتے ہیں مگر ان میں تو کوئی ایسی بات دیکھنے میں نہیں آئی

ف۵۲ آرام فرماتے ہیں یعنی سوتے ہیں ۱۲ ف۵۳ حال ۱۲ ف۵۴ مولوی ۱۲ ف۵۵ ان کی مثنوی نہایت مشہور ہے صوفیوں کے گروہ کے پیشوا تھے ۱۲ ف۵۵ خدا ان کے بھید کو پاک کرے مدت ہوئی کہ ان کو چھوڑ کر دنیا خدا کی بارگاہ میں جا پہنچے ہیں اور صفائی ہو ف۵۶ یعنی اس مکان کا حال کافر کی گور کا سا تھا باہر سے آراستہ اندر خدا کا غضب نعوذ باللہ منہ ۱۲ ف۵۷ نافرمان جو کسی سے نہ جھکے ۱۲

جھکاتے ہیں ۱۲

سنتی ہوں کہ کلیم کو شعر بنانے کا بڑا شوق ہے۔ اور مردوں میں بڑی تعریف کی بات گنی جاتی ہے " نصوح " شاعری اپنی ذات سے بُری نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ زبان دانی کی عمدہ لیاقت کا نام شاعری ہے ضرور تعریف کی بات ہے لیکن لوگوں نے ایک عام دستور قرار دے رکھا ہے کہ اس لیاقت کو ہمیشہ بُرے اور بیہودہ خیالات میں صرف کرتے ہیں اس وجہ سے دینداروں کی نظر میں شاعری عیب گناہ ہے۔ اب شاعری اسی کا نام ہے کہ کسی کی ہجو[۵۱] کہیے کہ وہ داخل غیبت[۵۲] ہے یا مدح[۵۳] لکھیے کہ وہ کذب و بطالت[۵۴] ہے۔ یا عشق و عیاشی کے ناپاک خیالات میں کوئی مضمون سوچیے کہ وہ خلاف شریعت ہے۔ یا مسائل دین اور اہل دین کے ساتھ تمسخر[۵۵] و استہزا[۵۶] کیجیے کہ وہ کفر و معصیت ہے " فہمیدہ " یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ پڑھنے لکھنے کی چیزوں میں بھی لوگوں نے خرابیاں پیدا کی ہیں " نصوح " کیا تم کو اپنا گلستان پڑھنا یاد نہیں " فہمیدہ " یاد کیوں نہیں جس دن حمیدہ کا دودھ چھڑایا ہے اس کے اگلے دن میں نے گلستان شروع کی تھی " نصوح " بھلا تم کو یہ بھی یاد ہے کہ میں تمہارے سبق سے آگے آگے جا بجا سطروں پر سیاہی پھیر دیا کرتا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ صفحے کے صفحے ایسے آپڑے ہیں کہ مجھ کو اوپر سے سادہ کاغذ لگا کر ان کو چھپانے کی ضرورت ہوئی " فہمیدہ " خوب اچھی طرح یاد ہے۔ چوتھائی کتاب سے کم تو نہ کٹی ہوگی " نصوح " تم پڑھتی تھیں تب چوتھائی بھی کٹی اگر کوئی دوسری عورت یا لڑکی پڑھتی ہوتی تو پوری آدھی کی خبر لیتا۔ وہ تمام بیہودہ باتیں تھیں جن کو میں کاٹتا اور چھپاتا پھرتا تھا " فہمیدہ " سچ کہو لوگ ایسی مشکل جان کر چھوڑ دیتے ہیں " نصوح " بڑی مشکل یہ تھی کہ میں ان واہی اور فحش باتوں کو تمہارے روبرو بیان نہیں کرسکتا تھا۔ پھر یہ اس کتاب کا حال ہے جو پند[۵۷] و اخلاق میں ہے اور تصنیف بھی ایسے بزرگ کی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہ نکلے گا کہ ان کا نام لے اور شروع میں حضرت اور آخر میں رحمۃ اللہ علیہ[۵۸] یا قدس اللہ سرہ العزیز نہ کہے۔ یعنی ان کا اعتقاد اولیاء اللہ میں ہے اور جو کتابیں میں نے بتلائیں کتابیں کاہے کو تھیں۔ گالی، پھکڑ، ہزلیات، بچر، بکواس، ہذیان، خرافات۔ میں نہیں جانتا ان میں سے کونسا نام ان کے لیے زیادہ زیبا ہے " فہمیدہ " مگر جلانا کیا ضرور تھا۔ پڑی رہنے دی ہوتیں۔ یا پھنکوا دی جاتیں۔ آخر داموں کی چیز تھی " نصوح " شاید اگلی گرمیوں کا ذکر ہے کہ بدرو میں سانپ نکلا تھا اور اس کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب ایسے خوف زدہ ہو گئے تھے کہ صحن کا نکلنا بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ اور کیسا کچھ تقاضا تھا کہ جس طرح ہو سکے سانپ کو پکڑوا کر مار ڈالنا چاہیے۔ سانپ کی نسبت تم نے ہرگز نہیں کہا کہ پڑا بھی رہنے دو۔ یا

۵۱ برائی۔ مذمت ۱۲ ۵۲ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہنا ۱۲ ۵۳ تعریف ۱۲ ۵۴ دونوں لفظوں کے معنی جھوٹ ۱۲ ۵۵ مسخرا پن ۱۲ ۵۶ ہنسی۔ ٹھٹھا ۱۲ ۵۷ نصیحت ۱۲ ۵۸ عمدہ باتیں ۱۲ ۵۹ ان پر خدا کی رحمت ۱۲ ۶۰ شمار ۱۲، ۶۱ [illegible] ۱۲

شاید کوئی سپیرا دو چار ٹکے پیسے دے کر مول لیجائیگا ۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کتابیں اُس سانپ سے زیادہ موذی[۱] اور اُس سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں ۔ اور اُن کی قیمت چوری اور ٹھگی کے مال سے بڑھ کر حرام ۔ کلیم کو اور پھنکار کیا ہے ۔ اسی سانپ کا زہر اُس کو چڑھا ہوا ہے ۔ اور شیطان نے بھی منتر اُس پر پڑھ کر پھونک دیا ہے ۔ فہمیدہ ۔ پھر آخر اس زہر کا تریاق[۲] اور اس منتر کا توڑ بھی کچھ ہے یا نہیں ؟" نصوح ۔ کیوں نہیں ۔ دین و اخلاق کی کتابیں ۔ مگر کوئی اُن کو دیکھنے والا بھی ہو ۔ نہ یہ کہ ہر روز نئے سانپ کے کٹورے جاؤ اور تریاق سے بھاگو اور نفرت رکھو تو انجام کیا ہوگا ؟ ہلاکت ۔

کلیم کا پہلے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ اور پھر اپنے ایک قرابت دار فطرت کے یہاں جا کر رہنا اور دونوں مرتبہ زک اٹھانا اور قید ہونا اور آخر کار باپ ہی کی سفارش سے رہائی پانا

اب ہم کو کلیم اور نعیمہ دونوں بھائی بہنوں کا حال بیان کرنا چاہئے کہ باپ کے گھر سے نکل کر ان پر کیا بیتی ۔ سو چونکہ کلیم پہلے نکلا پہلے اُسی کا حال بیان کرتے ہیں ۔ کئی بار اُس کو باپ نے بلوایا یہاں تک کہ ہار کر رقعہ لکھا ۔ ماں نے بہتیرا سمجھایا ۔ بھائی نے بہت کچھ کہا سنا لیکن وہ ہی رو[۳] براہ نہ ہوا ۔ اور جب دیکھا کہ فہمیدہ صالحہ کے اُتروانے میں مصروف ہو آتا ہے بجائے بے پوچھے کہے گھر سے اس طرح نکل کھڑا ہوا کہ گویا اُس کا کچھ تعلق ہی نہ تھا ۔ شاید اُس کے ذہن میں بھی یہ بات اس وقت نہ گزری ہوگی کہ وہ عمر بھر کے واسطے گھر سے جا رہا ہے اور عزیز و اقارب جن سے وہ ایسے سرسری[۴] طور پر جدا ہوتا ہے جیتے جی اُن کو نہ دیکھ سکے گا ۔ یہ نکلنا اُس کا کچھ نیا نکلنا نہ تھا ۔ بلکہ معمولی عادت اور ہمیشہ کی خصلت تھی ۔ گھر سے نکل جانے کی اُس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ ذرا ذرا سی ادعائی[۵] ناخوشی پر وہ آگے دن بھاگا کرتا تھا ۔ اگر ادھر اُس کا نکلنا معلوم ہوا اور اُدھر نوکروں کے جاسوس اُس کی جستجو میں دوڑے ۔ شروع شروع میں تو نوکروں ہی کے بلانے سے چلا آتا ہے ۔ پھر چندے یہ معمول رہا کہ خود میاں نصوح جاتے تو صاحبزادے بلند اقبال کو منا لاتے ۔ اب تھوڑے دنوں سے نصوح کے عمل میں بھی تاثیر گھٹ گئی تھی تو بی فہمیدہ کی ڈولی بدر ماری پھرا کرتی تھی ۔ اس دفعہ بھی وہ ضرور یہ توقع جی میں رکھ کر نکلا کہ گلی سے نکلتے نکلتے نوکر اُس کے پیچھے دوڑے گے اور اسی امید میں اُس نے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے گھر پہنچتے پہنچتے کوئی سینکڑوں ہی مرتبہ پیچھے پھر پھر کر دیکھا

[۱] دینیات و الاخلاق ۱۲ [۲] زہر کا توڑ ۱۲ [۳] سیدھے پیر آیا ۱۲ [۴] آسان ۱۲ [۵] زبردستی کی دل سے بنائی ہوئی ۱۲

مگر واقع میں یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ اب کلیم کے سوائے بقول نعیمہ گھر کا باوا آدم بدلا ہوا تھا۔ نہ پہلی سی ماں، نہ اگلا سا باپ۔ نوکر ڈھونڈھیں کیوں اور دوڑیں کس لئے۔ پھر بھی کلیم اس سے بےخبر نہ تھا کہ اس مرتبہ ایک خاص طرح کا بگاڑ ہے۔ وہ جانتا تھا کہ دینداری کا نیا چرچا گھر میں ہو رہا ہے۔ خلاف توقع نعیمہ ایک تھپیڑ کھا چکی ہے۔ سلیم اور حمیدہ جو گھر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے کلیم اور نعیمہ کے تختۂ مشق[1] تھے اب سب سے زیادہ باپ اور ماں دونوں کے چہیتے ہو رہے ہیں۔ یعنی جن کی بڑی بلی چوہی عزت تھی وہ ذلیل ہیں۔ اور جو بے وقعت تھے اُن کا طوطی[2] بول رہا ہے۔ پہلے جب کبھی کلیم گھر سے ناخوش ہو کر نکلا تو کھانے کپڑے کے روپئے پیسے کے لین دین پسماں یا بھائی بہنوں سے لڑائی جھگڑے کے سبب لیکن اس دفعہ دین کی بحث تھی نہ لین کی۔ باپ سے لڑائی تھی، نہ بھائی بہنوں سے۔ ذرا سی عقل معاملہ فہم[3] بھی کلیم کو ہوتی تو وہ ایسی حالت میں گھر سے نکلنے پر دلیری نہ کرتا۔ لیکن جیسا کہ نصوح نے تجویز کیا تھا اس پر شاعری کی تھپکار تھی اور سر پر شامت اعمال سوار۔ اور واقع میں جب انسان شبانہ روز داد و تحسین[4] کی فکر میں منہمک[5] رہے گا تو ضرور ہے کہ خود پسندی، خود بینی، خود ستائی[6] کے عیوب اس کی طبیعت میں راسخ[7] ہوں۔ شعر و سخن کے اعتبار سے ہم بھی کلیم کو شاباش دیتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاملہ[8] اچھا باندھتا ہے۔ تضمین[9] میں گرہ خوب لگاتا ہے۔ بندش بھی افاضی ہوتی ہے۔ قصیدہ بھی برا نہیں۔ طبیعت مضمون آفرین سی مائل ہے۔ مثنوی تو خیر مگر رباعی اس کی لاجواب ہوتی ہے۔ مقطع میں تخلص کا نباہ یا تو متاخرین میں مومن مرحوم میں دیکھا یا اب ماشاء اللہ میاں کلیم میں۔ صنائع لفظی کے اتنے التزام پر بے ساختگی[10] کی ادا قابل آفرین ہے۔ قصیدے[11] کی تشبیب[12] بعینہ سے سودا کے لگ بھگ ہونے والی ہے۔ چشم بد دور چھ سات برس کی مشق میں دو دیوان کا مرتب ہو جانا کچھ تھوڑی بات نہیں۔ شہر میں بھلا کچھ نہیں تو [illegible] غزلیں لوگوں کے زبان زد ہوں گی۔ سچ ہے قبول سخن خداداد بات ہے۔ الغرض شاعری میں کلیم کی لن ترانیاں[13] چنداں بیجا نہ تھیں۔ لیکن دنیا کے معاملات میں از بسکہ اس کو غور اور خوض کرنے کی عادت نہ تھی اسی وجہ سے اکثر اس کی رائے غلطی پر ہوتی تھی۔ وہ گھر سے نکل کر الیسلئے بلاتکلف مرزا ظاہر دار بیگ کی طرف کو چلا جیسے مطلق العنان[14] گھوڑا تھان کی طرف رخ کرتا ہے۔ مرزا کی ظاہرداری نے اس کو اسقدر دھوکا[15] دے رکھا تھا کہ وہ ان کو ماں باپ بھائی بہن خویش و اقارب سب سے بڑھ کر اپنا خیر خواہ سب سے زیادہ اپنا دوست سمجھتا تھا

۱؎ لڑکوں کے مشق کرنے کی تختی ۱۲ ۲؎ محاورہ ہے یعنی پیش پیش ہیں ۱۲ ۳؎ معاملے کے سمجھنے والی ۱۲ ۴؎ تعریف کرنے کو داد دینا کہتے ہیں جیسے شاعر نے اپنا کوئی شعر سنایا سننے والے نے واہ واہ کی تو یہ واہ واہ داد ہے تحسین اور داد ہم معنی ہیں ۱۲ ۵؎ مشغول۔ مصروف ۱۲ ۶؎ اپنی تعریف کرنا ۱۲ ۷؎ مضبوط ہوئے ۱۲ ۸؎ عاشق معشوق کا ناز و نیاز ۱۲ ۹؎ کسی غزل پر مصرعے لگا کر اس کو مخمس مسدس بنا دینا ۱۲ ۱۰؎ [illegible] ۱۲ ۱۱؎ [illegible] خوبیاں ۱۲ ۱۲؎ عبارت کی چستی ۱۲ ۱۳؎ شعر کی ایک قسم اکثر لوگوں کی مدح میں قصیدے کہے جاتے ہیں ۱۲ ۱۴؎ [illegible] ۱۵؎ مشہور اردو گو شاعر کا نام ہے [illegible] ۱۲

اور بے امتحان اور بے آزمائش اُسکو مرزا پر ایسا تکیہ[1] اور اعتماد تھا کہ شاید دانشمند آدمی کو متواتر[2] تجربوں کے بعد بھی کسی دوست پر نہیں ہو سکتا۔ بات اصل یہ ہے کہ مردم شناسی کی جو ایک صفت ہے کلیم میں مطلق نہ تھی۔ مرزا سے زیادہ اُس کو اپنی نسبت مغالطہ تھا اور اُس نے اپنے تئیں ایسا عزیز الوجود[3] فرض کر رکھا تھا کہ ایک سے ایک لائق نوکری کی جستجو میں مارے مارے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی۔ اور کلیم کے ذہن میں از خود یہ خناس[4] سمایا ہوا تھا کہ گویا تمام ہندوستانی سرکاریں اس کے قدوم[5] میمنت لزوم[6] کی متمنی[7] اور منتظر ہیں۔ اور جس طرف کو چل کھڑا ہو گا وہاں کا والی ملک اُس کی تشریف آوری کو بس غنیمت سمجھے گا۔ گھر سے نکلا تو محض تہی دست[8]۔ لیکن اس خیال میں مگن[9] کہ اب کوئی دم جاتا ہے کہ مالک خزائن الارض[10] بننے والا ہوں۔ چلا جوتیاں چٹخاتا ہوا۔ مگر اس تصور میں مست کہ فیل کوہ پیکر[11] مع ہودج زر[12] اس کی سواری کیلئے آرہا ہے۔ باوجودیکہ شب خوابی کے کپڑوں کے سوائے بدن پر کچھ نہ تھا تاہم خلعت ہفت پارچہ کی اُمیدیں ہیں ؎

نظر اُس کی نخوت[13] کے زینے پہ تھی ۔۔۔ کہ شانوں سے اُتری تو سینے پہ تھی

قصہ کوتاہ کلیم شیخ چلی[14] کے سے منصوبے سوچتا ہوا اپنے دوست مرزا کے مکان پر پہنچا۔ ہر چند ابھی کچھ ایسی بہت رات نہیں گئی تھی لیکن مرزا جیسے نکھٹے بے فکرے کبھی کے لمبی تان کر سو چکے تھے۔ کلیم نے جو دروازے پر دستک[15] دی تو جواب ندارد۔

اس مقام پر مرزا کا تھوڑا سا حال لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص کی کیفیت یہ تھی کہ شاید اس کا نانا وہ بھی حقیقی نہیں ابتدائے عملداری سرکار میں صاحب رزیڈنٹ کی اردلی کا جمعدار تھا اول تو ایسے عالیجاہ سرکار، دوسرے باعتبار منصب اردلی کا جمعدار، تیسرے ان دنوں کی بے عنوانی[16]، اُس پر خود اُس کی رشوت ستانی بہت کچھ کمایا۔ یہاں تک کہ اس کا اعتداد دلی کے روداروں[17] میں ہو گیا۔ مرزا کی ماں اوائل عمری[18] میں بیوہ ہو گئی۔ جمعدار نے باوجودیکہ دور کی قرابت تھی جستہ للہ اُسکا تکفل[19] اپنے ذمے لیا۔ جمعدار اپنی حیات میں

[1] بھروسا ۱۲ [2] پے درپے بار بار ۱۲ [3] اسکو یہ خیال تھا کہ دنیا میں میرا ہونا بھی بس غنیمت ہے اور میری طرح کے لائق آدمی کم پیدا ہوتے ہیں ۱۲ [4] شیطان مراد ہے غرور ۱۲ [5] آنا تشریف لانا ۱۲ [6] جس کو برکت لازم ہے ۱۲ [7] آرزومند ۱۲ [8] خالی ہاتھ مفلس ۱۲ [9] خوش ۱۲ [10] زمین کے خزانوں کا مالک ۱۲ [11] پہاڑ جیسا بڑا ۱۲ [12] سونے کی عماری ۱۲ [13] اس کی نظر گویا غرور کی سیڑھی پر تھی کیونکہ وہ کبھی کندھوں کو دیکھتا تھا کبھی سینے کو یعنی نظر کندھوں سے اتر کر سینے پر پڑتی ہے ۱۲ [14] شاید ان ہی کی حکایت ہے کہ بیچنے کو گھڑے میں شہد لیے چلے جاتے تھے راہ میں منصوبہ باندھا کہ شہد بیچکر مرغی کا جوڑا لوں اور بچے نکلواؤں۔ مرغیاں بیچکر بکریاں پالوں پھر گائیں اور بھینسیں اور بڑا آدمی ہو جاؤں کسی امیر کے گھر بیاہ کروں بیٹا ہو دروازے پر معلم رکھ کر اُس کو پڑھواؤں آتے آتے پڑھنے کی آواز سنکر لڑکے کو پیار کروں پیار کرنے کے تصور میں جھٹکے تو شہد کا گھڑا ٹوٹ گیا ۱۲ [15] ہتھیلی بجانا۔ دستک کی عوض لوگ کنڈی کھڑکھڑا دیا کرتے ہیں ۱۲ [16] بے قاعدگی بد انتظامی ۱۲ [17] عزت داروں ۱۲ [18] شروع عمر ۱۲ [19] پرورش ۱۲

تو اتنا سلوک کرتا رہا کہ مرزا کو بیٹی اور اس کی ماں کو بیوگی بھول کر بھی یاد نہ آئی ہوگی لیکن جمعدار کے مرتے پر اس کے بیٹے، پوتے، نواسے کثرت سے تھے انھوں نے بے اعتنائی کی۔ اور اگرچہ جمعدار بہت کچھ وصیت کر مرے تھے مگر ان کے ورثہ نے بہزار وقت محل سرائے کے پہلو میں ایک بہت چھوٹا سا قطعہ اُن کے رہنے کو دیا اور سات روپے مہینے کے کرائے کی دکانیں مرزا کے نام کر دیں یہ تو حال تھا کہ مرزا، مرزا کی ماں، مرزا کی بیوی، تین تین آدمی اور سات روپے کی کل کائنات اُس پر مرزا کی شیخی اور نمود۔ یہ سخرہ اس لئے بیجا ہتا تھا کہ جمعدار کے بیٹوں کی برابری کرے جن کو صد ہا روپیہ ماہوار کی مستقل آمدنی تھی۔ اگرچہ جمعدار والے اُس کو منہ نہیں لگاتے تھے مگر یہ بے غیرت زبردستی اُن میں گھستا تھا۔ یہ کسی کو بھائی جان کسی کو ماموں جان کسی کو نانو جان بناتا اور وہ لوگ اس کی ادعائی رشتوں ناتوں سے چلتے اور دق ہوتے۔ اونچی حیثیت کے لوگوں میں بیٹھنا اس کے حق میں اور بھی زبون تھا۔ اُن کی دیکھا دیکھی اس نے تمام عادتیں امیر زادوں کی سی اختیار کر رکھی تھیں۔ مگر امیر زادگی نبھے تو کیسے نبھے۔ دکانیں گرو ہوتی جاتی تھیں۔ ماں بیچاری بہتیرا بکتی مگر کون سنتا تھا۔ مرزا کو جب دیکھو پاؤں میں ڈیڑھا شیشے کی جوتی۔ سر پر دوہری بیل کی بھاری کام دار ٹوپی۔ بدن میں ایک چھوڑ دو دو انگرکھے اوپر تلے، شبنم یا ململ کی تن زیب۔ نیچے کوئی طرحدار ڈھاکے کا نینسو۔ جاڑا ہوا تو بانات مگر سات سات روپے گز سے کم نہیں۔ خیر یہ تو صبح و شام۔ اور تیسرے پہر کا شانی مخمل کی آصف خانی جس میں حریر کی سنجاف کے علاوہ گنگا جمنی کمخواب کی عمدہ بیل ٹنکی ہوئی۔ سرخ نیفہ۔ پائجامہ اگر ڈھیلے پائنچوں کا ہوا تو کلی دار اور اس قدر نیچا کہ ٹھوکر کے اٹھائے سے دو دو قدم لگے۔ اور اگر تنگ موہری کا ہوا تو نصف ساق تک چوڑیاں اور اوپر جلد بدن کی طرح مڑھا ہوا۔ ریشمی ازار بند گھٹنوں میں لٹکتا ہوا۔ اور اس میں بے قفل کی کنجیوں کا گچھا۔ غرض دیکھا تو مرزا صاحب اس ہیئت کذائی سے چھیلا بنے ہوئے سر بازار چھم چھم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کلیم سے اور مرزا سے محفل مشاعرہ میں تعارف ہوا شدہ شدہ مرزا صاحب کلیم کے مکان پر تشریف لانے لگے۔ یہاں تک کہ چند روز سے تو دونوں میں ایسی گاڑھی چھنے لگی تھی کہ گویا یک جان و دو قالب تھے۔ کلیم کو تو مرزا کے مکان پر جانیکا کبھی بھی اتفاق نہیں ہوا۔ مگر مرزا شام کو تو کبھی کبھی لیکن صبح کو بلاناغہ آتے اور تمام تمام دن کلیم کے پاس رہتے۔ مرزا نے اپنا حال اصلی کلیم پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کلیم یہی جانتا تھا کہ جمعدار کا تمام ترکہ مرزا کو ملا۔ اور وہ جمعدار کی محل سرا کو مرزا کی محل سرا اور جمعدار کے دیوان خانے کو مرزا کا دیوان خانہ اور جمعدار کے بیٹے پوتوں کے نوکروں کو مرزا کے

۵۱ بے پروائی ۱۲ ۵۲ مراد ہے سرمایہ ۱۲ ۵۳ زبردستی کے بنائے ہوئے ۱۲ ۵۴ نیم آستین ۱۲ ۵۵ ریشمی کپڑے کی ۱۲ ۵۶ سنہری روپہلی ۱۲ ۵۷ آدھی پنڈلی تک ۱۲ ۵۸ پائجامے کی چنٹ ۱۲ ۵۹ ایسی صورت اور وضع کیساتھ ۱۲ ۶۰ پٹکے ۱۲ ۶۱ شعر شاعری کی محفل ۱۲ ۶۲ جان پہچان ۱۲ ۶۳ تھوڑا تھوڑا ۱۲ مراد ہے گہری دوستی ۱۲

نوکر سمجھتا تھا۔ اور یہی غلط فہمی میں وہ گھر سے نکلا تو سیدھا جمعدار کی محلسرائے کی ڈیوڑھی پر جا موجود ہوا۔ بار بار پکارنے اور کنڈی کھڑکھڑانے سے دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں اور ان میں سے ایک نے پوچھا کون صاحب ہیں اور اتنی رات گئے کیا کام ہے؟ کلیم: "جاؤ مرزا کو بھیج دو۔" لونڈی: "کون مرزا؟" کلیم: "مرزا ظاہر دار بیگ جن کا مکان ہے اور کون مرزا؟" لونڈی: "یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہے۔" اتنا کہہ کر قریب تھا کہ لونڈی پھر کواڑ بند کرے۔ جلدی سے کلیم نے کہا "کیوں جی۔ کیا یہ جمعدار صاحب کی محلسرا نہیں ہے؟" لونڈی: "ہے کیوں نہیں؟" کلیم: "پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی مرزا ظاہر دار بیگ نہیں۔ کیا ظاہر دار بیگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں ہیں؟" لونڈی: "جمعدار کے وارثوں کو خدا سلامت رکھے۔ موا ظاہر دار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا کون ہوتا ہے۔" دوسری لونڈی: "اری کمبخت کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں وہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بتایا کرتا ہے (کلیم کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں میاں وہی ظاہر دار بیگ نا جن کی رنگت زرد زرد ہے، آنکھیں کرنجی، چھوٹا سا قد، دبلا ڈیل۔ اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔" کلیم: "ہاں ہاں وہی ظاہر دار بیگ۔" لونڈی: "تو میاں اس مکان کے پچھواڑے اپلوں کی ٹال کے برابر ایک چھوٹا سا کچا مکان ہے وہ اس میں رہتے ہیں۔" کلیم نے وہاں جا آواز دی۔ تو کچھ دیر کے بعد مرزا صاحب ننگ دھڑنگ جانگیا پہنے ہوئے باہر تشریف لائے اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے اور بولے "آہا آپ ہیں۔ معاف کیجئیگا۔ میں سمجھا کوئی اور صاحب ہیں مجھ کو کپڑا پہن کر سونے کی عادت نہیں۔ میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہم رکاب چلوں۔" کلیم: "چلئے گا کہاں، میں آپ ہی کے پاس تک آیا تھا۔" مرزا: "پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو تو میں اندر پردہ کرا دوں؟" کلیم: "میں آج شب کو آپ ہی کے یہاں رہنے کی نیت سے آیا ہوں۔" مرزا: "بسم اللہ تو چلئے اسی مسجد میں تشریف رکھیے۔ بڑی فضا[۵۱] کی جگہ ہے۔ میں ابھی آیا۔" کلیم نے جو مسجد میں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت چپّالی چھوٹی سی مسجد ہے۔ وہ بھی مسجد ضرار[۵۲] کی طرح ویران، وحشت ناک۔ نہ کوئی حافظ ہے نہ ملّاں، نہ طالب العلم، نہ مسافر ہزارہا چمگادڑیں اس میں رہتی ہیں کہ ان کی تسبیح[۵۳] بے ہنگام سے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ فرش پر اس قدر بیٹ پڑی ہے کہ بجائے خود کنکریٹ کا فرش بن گیا ہے۔ مرزا کے انتظار میں کلیم کو چار و ناچار اسی مسجد میں ٹھیرنا پڑا مرزا آئے بھی تو اتنی دیر کے بعد کہ کلیم مایوس[۵۴] ہو چکا تھا قبل اس کے کہ کلیم شکایت کرے مرزا صاحب لگے لو دفع دخل مقدر

---

۵۱ یعنی مسجد کا صحن خوب وسیع ہے ۱۲ ۵۲ پیغمبر صاحب کے وقت میں منافق لوگوں نے ضد میں آکر دوسری مسجد کو اجاڑنے کیلئے ایک مسجد بنائی تھی پیغمبر صاحب نے اس کو ڈھا دیا۔ یہ اس مسجد کی طرف اشارہ ہے ۱۲ ۵۳ بے وقت کی تسبیح سے مراد اُن کا شور و غل ہے ۱۲ ۵۴ ناامید ۱۲

فرمانے لگے "بندے کے گھر میں کئی دن سے طبیعت علیل ہے خفقان کا عارضہ، اختلاج قلب [۵۲] کا روگ ہے، اب میں جو
آپ کے پاس سے گیا تو اُس کو غشی میں پایا اس وجہ سے دیر ہوئی۔ پہلے یہ تو فرمائیے کہ اس وقت بندہ نوازی فرمانے
کی کیا وجہ ہے؟" کلیم نے باپ کی طلب، اپنا انکار، بھائی کی التجا، ماں کا اصرار، تمام ماجرا کہہ سنایا۔ مرزا "پھر اب
کیا ارادہ [۵۳] کیا ہے؟" کلیم "سوائے اس کے کہ اب گھر لوٹ کر جانیکا ارادہ تو نہیں ہے۔ اور جو آپ کی صلاح ہو" مرزا "خیر
نیت شب حرام صبح تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحت [۵۴] فرمائیے میں جا کر بچھونا وغیرہ بھیجے دیتا ہوں۔ اور مجھ کو
مریضہ کی تیمارداری کے لئے اجازت دیجئے کہ آج اس کی علالت میں اشتداد [۵۵] ہے۔" کلیم "یہ ماجرا کیا ہے؟ تم تو کہا
کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دوہری محل سرائیں، متعدد دیوان خانے کئی پائیں باغ ہیں۔ حوض اور حمام اور کٹرے
اور گنج اور دوکانیں، اور سرائیں ہیں تو جانتا ہوں عمارت کی قسم سے کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کو تم نے اپنی ملک
نہ بتایا ہو۔ یا یہ حال ہے کہ ایک متنفس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو جگہ میسر نہیں جو جو حالات تم نے اپنی زبان
سے بیان کئے ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام ترکے پر تم قابض اور متصرف ہو لیکن میں اُس تمام جاہ و
حشمت کا ایک شمہ بھی نہیں دیکھتا۔" مرزا "آپ کو میری نسبت سخن سازی کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہے
اتنی مدت مجھ سے آپ سے صحبت رہی مگر افسوس ہے آپ نے میری طبیعت اور میری عادت کو نہ پہچانا۔ یہ اختلاف حالت
جو آپ دیکھتے ہیں اس کی ایک وجہ ہے بندے کو جمعدار صاحب مرحوم و مغفور نے متبنّی [۵۶] کیا تھا اور اپنا جانشین کر
مرے تھے شہر کے کل رؤسا اس سے واقف و آگاہ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ [۵۷] اندازیاں
کیں۔ بندے کو آپ جانتے ہیں کہ بکھیڑے سے کوسوں بھاگتا ہے صحبت ناملائم [۵۸] دیکھ کر کنارہ کش ہو گیا لیکن
کسی کو انتظام کا سلیقہ بندوبست کا حوصلہ نہیں۔ اسی روز سے اندر باہر واویلا مچی ہوئی ہے۔ اور اس بات کے
مشورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منا لے جائیں۔" کلیم "لیکن آپ نے کبھی اسکا تذکرہ بھی نہیں کیا۔" مرزا "اگر میں آپ سے
یا کسی سے تذکرہ کرتا تو استقلال مزاج سے بے بہرہ اور غیرت و حمیت سے بے نصیب ٹھیرتا۔ اب آپ کو کھڑے کھڑے
تکلیف ہوتی ہے اجازت دیجئے کہ میں جا کر بچھونا بھجوا دوں اور مریضہ کی تیمارداری کروں۔" کلیم "خیر مقام مجبوری
ہے لیکن پہلے ایک چراغ تو بھجوا دیجئے، تاریکی کی وجہ سے طبیعت اور بھی گھبراتی ہے۔" مرزا "چراغ کیا میں نے
تو مدت سے روشن کرانیکا ارادہ کیا تھا لیکن گرمی کے دن ہیں پروانے بہت جمع ہو جائیں گے اور آپ زیادہ پریشان

---

۵۱ کلام پر کوئی اعتراض بڑھتا ہوا معلوم ہوا اور پہلے سے اس کو جواب دے دیا جائے ۱۲ ۵۲ دل کی دھڑکن ۱۲ ۵۳ یہ فارسی کی مثل ہے یعنی رات کے ارادے کی کچھ سند نہیں ۱۲ ۵۴ آرام ۱۲ ۵۵ سختی زور ۱۲ ۵۶ لے پالک ۱۲ ۵۷ یعنی ہمیں طرح طرح کے خلل ڈالے ۱۲ ۵۸ ناموافق مزاج ۱۲

ہو جائے گا اور اس مکان میں ابابیلوں کی بھی کثرت ہے، روشنی دیکھ کر بولنے شروع ہوں گے اور آپ کا بیٹھنا دشوار کر دیں گے۔ تھوڑی دیر صبر کیجئے کہ ماہتاب نکلا آتا ہے۔ کلیم جب گھر سے نکلا تو کھانا تیار تھا لیکن وہ اس قدر طیش[۵۰] میں تھا کہ اس نے کھانے کی مطلق پروا نہ کی اور بے کھائے نکل کھڑا ہوا۔ مرزا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرزا خود پوچھیں گے تو کہہ دوں گا۔ مرزا کو ہر چند کھانے کی نسبت پوچھنا ضرور تھا کیونکہ اول تو کچھ ایسی رات زیادہ نہیں گئی تھی، دوسرے یہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لڑ کر نکلا ہے۔ تیسرے دونوں میں بے تکلفی غایت درجے کی تھی لیکن مرزا قصداً اس بات سے متعرض[۵۱] ہی نہ ہوا اور کلیم بیچارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے پہلے اس کی انتڑیوں[۵۲] نے قل ہو اللہ پڑھنی شروع کر دی تھی جب اس نے دیکھا کہ مرزا کسی طرح اس پہلو پر نہیں آتا اور عنقریب تمام شب کے واسطے رخصت ہوا چاہتا ہے تو بیچارے نے بے غیرت بن کر خود کہا کہ سنو یار، میں نے کھانا ابھی نہیں کھایا۔ مرزا: سچ کہو، نہیں جھوٹ بہکاتے ہو۔ کلیم: تمہارے سر کی قسم میں بھوکا ہوں۔"

مرزا: مردِ خدا تو آتے ہی کیوں نہیں کہا، اب اتنی رات گئے کیا ہو سکتا ہے۔ دکانیں سب بند[۵۳] ہو گئیں اور جو ایک دو کھلی بھی ہیں تو باسی چیزیں رہ گئی ہوں گی جن کے کھانے سے فاقہ بہتر۔ گھر میں تو آج آگ تک نہیں سلگی۔ مگر ظاہراً تم سے بھوک کی سہار ہونی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیو اشتہا[۵۴] کو زیر کرنا بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ جاؤں چھدامی بھڑبھونجے کے یہاں سے گرما گرم خستہ چنے کی دال بنوا لاؤں۔ بس ایک کی بھوک کو دو تم کو دونوں کو کافی ہو گی۔ سہ رات کا وقت ہے۔ ابھی کلیم کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ مرزا جلدی سے اٹھ باہر گئے اور چشم زدن[۵۵] میں سب چنے بھنوا لائے۔ مگر دینے کے کہہ کر گئے تھے یا تو کھا کے لائے یا راہ میں دو چار پھنکے لگائے اس واسطے کہ کلیم کے روبرو دو تین مٹھی چنے سے زیادہ نہ تھے۔ مرزا: یار ہو بڑے خوش قسمت اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا ہاتھ تو لگا کر دیکھو تو کیسے کھلے رہے ہیں۔ اور سوندھی سوندھی خوشبو بھی عجیب ہی دلفریب ہے کہ بس بیان نہیں ہو سکتا۔ عجیب ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عطر نکالا مگر بھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن منتقل[۵۶] نہیں ہوا۔ کوئی فن ہو، کمال بھی کیا چیز ہے! دیکھئے اتنی رات گئی ہے مگر چھدامی کی دکان پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ بندے نے تحقیق سنا ہے کہ حضور والا[۵۷] کے خاصے[۵۸] میں چھدامی کی دکان کا چنا بلاناغہ لگ کر جاتا ہے۔ اور واقع میں ذرا آپ غور سے دیکھئے کیا کمال کرتا ہے کہ بھوننے میں چنوں کو سڈول بنا دیتا ہے۔ بھئی تمہیں تمہارے سر کی قسم سچ کہنا

۵۰ غصہ ۱۲ ۵۱ یعنی اس کا ذکر ہی نہ چھیڑا ۱۲ ۵۲ محاورہ ہے قاعدہ ہے کہ بھوک کے وقت پیٹ قراقر کرنے لگتا ہے اسی کو انتڑیوں کا قل ہو اللہ پڑھنا کہتے ہیں ۱۲ ۵۴ بھوک کے دیو کو دبانا ۱۲ ۵۵ پل بھر میں۔ پلک مارنے میں ۱۲ ۵۶ یعنی کسی کو یہ نہیں سوجھا کہ بھنے ہوئے چنوں کا عطر نکالتا ۱۲ ۵۷ مراد ہے بادشاہ ۱۲ ۵۸ خاص شاہی کھانا ۱۲

ایسے خوبصورت خوش قطع[1] کول چنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے؟ دال بنانے میں اُس کو یہ کمال حاصل ہے
کہ کسی دانے پر خراش تک نہیں، ٹوٹنے پھوٹنے کا کیا مذکور! اور دالوں کی رنگت دیکھئے کوئی بسنتی ہے کوئی
پستئی۔ غرض دو اتنا رنگ خوشنما ہوں تو صدہا قسم کے غلے اور پھل زمین سے اُگتے ہیں لیکن چنے کی لذت کو
کوئی نہیں پا۔ آپ نے وہ ایک لطیفے کی حکایت سنی ہے؟ کلیم فرمائے مرزا جنا! بکر تیہ حضرت میکائیل کیخدمتمیں جنکو ارزاق عباد
کا اہتمام سپرد ہے فریاد لیکر گیا کہ یا حضرت میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ جوں ہی میں نے زمین سے سر باہر نکالا تبر ستم[2]
چلنے لگا۔ ما کولات[3] اور بھی ہیں مگر جیسے جیسے ظلم مجھ پر ہوتے ہیں کسی پر نہیں ہوتے نشو و نما[4] کیساتھ تو میری قطع و
برید ہونے لگتی ہے میری کونپلوں کو توڑ کر آدمی ساگ بناتے اور مجھے کچے کو کھا جاتے ہیں۔ جب بار آور ہوا[5] تو خدا
جھوٹ نہ بلوائے آدمی بکری بن کر لاکھوں من بوٹ چبا جاتے ہیں۔ اس سے نجات ملی تو ہوے کرنے شروع کیے
پکا تو شاخ و برگ بھس بنکر بیلوں اور بھینسوں کے دوزخِ شکم کا ایندھن ہوا۔ رہا دانہ اُس کو چکی میں دلیں
گھوڑوں کو کھلائیں، بھاڑ میں بھونیں، بیسن بنائیں کھولتے ہوئے پانی میں اُبالیں گھنگنیاں پسائیں، غرض شروع
سے آخر تک مجھ پر طرح طرح کی آفتیں نازل ہوتی ہیں چنے کا حضرت میکائیل کے دربار میں اس طرح سے بلبلانا
چڑ بڑ پوپنا سن کر حاضرینِ دربار اسقدر ناخوش ہوئے کہ ہر شخص اُسے کھانے کو دوڑا چنانچہ یہ ماجرا دیکھ کر بے
حکم کے اخیر رخصت ہوا سو حضرت یہ چنے ایسے لذت کے بنے ہیں کہ فرشتوں کے دندان آز[6] بھی ان پر تیز ہیں۔
افسوس ہے کہ اسوقت نمک مرچ سہم نہیں پہنچ سکتا ورنہ میر مدو کے کبابوں میں یہ خستگی اور یہ سوندھا پن کہاں
غرض مرزا نے اپنی چرب زبانی[7] سے چنوں کو گھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکا تو تھا ہی اُسکو
بھی ہمیشہ سے کچھ زیادہ مزیدار معلوم ہوئے۔ مرزا نے گھر جا کر ایک میلی دری ایک کثیف[8] سا تکیہ بھیجدیا۔ دو ہی
گھڑی میں کلیم کی حالت کا اسقدر متغیر ہو جانا عبرت کا مقام ہے۔ یا تو خلوت خانے اور عشرت منزل میں تھا یا اب
ایک مسجد میں آکر پڑا اور مسجد بھی ایسی جس کا حال تھوڑا سا ہم نے اوپر بیان کیا۔ گھر کے الوانِ نعمت[9] کو لات
مار کر نکلا تھا تو پہلے ہی وقت چنے چبانے پڑے۔ نہ چراغ نہ چارپائی، نہ بہن نہ بھائی، نہ مونس نہ غمخوار، نہ نوکر
نوکر نہ خدمتگار، مسجد میں اکیلا ایسا بیٹھا تھا جیسے قید خانہ میں حاکم کا گنہگار یا قفس میں مرغ نوگرفتار۔
اور کوئی ہوتا تو اس حالت پر نظر کر کے متنبہ ہوتا۔ اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا اور اسوقت

---

[1] خوش مزاج ۱۲ [2] ظلم کا کلہاڑا ۱۲ [3] کھانے کی چیزیں ۱۲ [4] اُگنے اور بڑھنے ۱۲ [5] پھل لایا ۱۲ [6] حرص کے دانت ۱۲ [7] چکنی چپڑی باتوں سے ۱۲ [8] میلا کچیلا ۱۲ [9] رنگ سنگ کی نعمتیں یعنی کھانے ۱۲

نہیں تو سویرے گجردم[۵۱] باپ کے ساتھ نماز صبح میں جا شریک ہوتا۔ لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے تھے اُس نے رات بھر میں ایک قصیدہ تو مسجد کی ہجو میں تیار کیا۔ اور ایک مثنوی مرزا کی شان میں۔ صبح ہوتے آنکھ لگ گئی تو نہیں معلوم مرزا یا محلے کا کوئی اور عیار[۵۲]، ٹوپی، جوتی، رومال، چھتری، تکیہ، دری یعنی جو چیز کلیم کے بدن سے منفک[۵۳] اور اُس کے جسم سے جدا تھی لے کر چنپت ہوا[۵۴]۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سو کر اٹھتا تھا اور آج تو ایک وجہ خاص تھی۔ کوئی پہر سوا پہر دن چڑھے جاگا تو دیکھتا کیا ہے کہ فرش مسجد پہ پڑا ہے اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لیں ہیں تو سیروں گرد کا بھبوت اور چمگادڑوں کی بیٹ کا ضماد[۵۵] بدن پر تھپا ہوا ہے۔ حیران ہوا کہ قلب ماہیت[۵۶] ہو کر میں کہیں بھتنا تو نہیں بن گیا۔ مرزا کو ادھر دیکھا اُدھر دیکھا کہیں پتہ نہیں۔ مسجد بھی ویران اُس میں پانی کہاں۔ صبر کر کے بیٹھ رہا کہ کوئی اللہ کا بندہ ادھر کو آ نکلے تو اس کے ہاتھ مرزا کو بلواؤں۔ اور یا منہ ہاتھ دھو کر خود مرزا تک جاؤں اس میں دوپہر ہونے آئی۔ بارے ایک لڑکا کھیلتا ہوا آیا جوں ہی زینے پر چڑھا کہ کلیم اُس سے عرض مطلب کرنے کے لئے لپکا۔ وہ لڑکا اُس کی ہیئت کذائی دیکھ ڈر کر بھاگا۔ خدا جانے اُس نے اس کو بھوت سمجھا یا سڑی[۵۷] خیال کیا۔ کلیم نے بہتیرا پکارا اُس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا۔ ناچار کلیم نے بہزار مصیبت دوسرے فاقے سے شام پکڑی۔ اور جب اندھیرا ہوا تو اُلّو کی طرح اپنے نشیمن[۵۸] سے نکلا سیدھا مرزا کے مکان پر گیا اور آواز دی تو یہ جواب ملا کہ وہ تو بڑے سویرے کے قطب صاحب سدھارے ہیں۔ کلیم نے چاہا کہ اپنا تعارف ظاہر کرے ممکن ہو تو منہ دھونے کو پانی مانگے اور مرزا کی پھٹی پرانی جوتی اور ٹوپی، تاکہ کسی طرح گلی کوچے میں چلنے کے قابل ہو جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے کہا "کیوں حضرت آپ مجھ سے بھی واقف ہیں؟" اندر سے آواز آئی "ہم تمھاری آواز تو نہیں پہچانتے اپنا نام و نشان بتاؤ تو معلوم ہو" کلیم "میرا نام کلیم ہے اور مجھ سے اور مرزا ظاہر دار بیگ سے بڑی دوستی ہے بلکہ میں شب کو مرزا صاحب ہی کی وجہ سے مسجد میں تھا" گھر والے "وہ دری اور تکیہ کہاں ہے جو رات تمھارے سونے کے لئے بھیجا گیا تھا؟" تکیہ اور دری کا نام سن کر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامل تھا کہ اندر سے آواز آئی "مرزا زبردست بیگ دیکھنا یہ مردوا کہیں چل نہ دے۔ دوڑ کر تکیہ دری تو اس سے لو" کلیم یہ بات سن کر بھاگا۔ ابھی گلی کے نکڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے چور چور کر کے جا لیا۔ ہر چند کلیم نے مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوق معرفت ثابت کئے مگر زبردست کا ٹھینگا سر پر[۵۹]۔ اُس نے ایک نہ مانی

۵۱ علی الصباح جس وقت بھکا گجر بجتا ہے ۱۲ ۵۲ چالاک ۱۲ ۵۳ علیحدہ ۱۲ ۵۴ چلتا بنا ۱۲ ۵۵ لیپ ۱۲ ۵۶ مراد ہے کہیں آدمی تھا اب کہیں بدل کر بھتنا تو نہیں بن گیا ۱۲ ۵۷ دیوانہ مجنوں ۱۲ ۵۸ گھونسلا ۱۲ ۵۹ کہاوت ہے یعنی زبردست کی مار تہی پڑتی ہے ۱۲

اور پکڑ کر کوتوالی لے گیا۔ کوتوال نے سرسری طور پر دونوں کا بیان سنا اور کلیم سے اُسکا حسب نسب پوچھا ہرچند کلیم اپنا پتا بتانے میں جھینپتا تھا مگر چاروناچار اُس کو بتانا پڑا لیکن اُس کیحالت ظاہری ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ اُسکا سچ بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کوتوال نے سنکر یہی کہا کہ میاں نصوح جنکو تم اپنا والد بتلاتے ہو میں اُن کو خوب جانتا ہوں اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ اُن کے بڑے بیٹے کا یہی نام ہے جو تم نے اپنا بیان کیا محلے کا پتہ گھر کا نشان بھی جو تم نے کہا سب ٹھیک۔ مگر کلیم تو ایک مشہور معروف آدمی ہے آج شہر میں اُس کی شاعری کی دھوم ہے تمھاری یہ حیثیت کہ ننگے سر ننگے پاؤں، بدن پر کپچر[۱] پھٹی ہوئی۔ مجھ کو باور نہیں ہوتا اچھا اب بات کو کیا ہو سکتا ہے جرم سنگین[۱] ہے ان کو حوالات میں رکھو۔ صبح ہو، میں ان کے والد کو بلواؤں، تو ان کے بیان کی تصدیق کر یا ہو[۲]۔ کلیم پھنکر بولا کہ میں وہی بدنصیب شخص ہوں جسکی شعرگوئی کا شہرہ آپ نے سنا ہے اور آپ کو یقین نہو تو میں افکار تازہ آپ کو سناؤں"۔ چنانچہ کل شب کو جو کچھ مسجد و مرزا کی شان میں کہا تھا سنایا اُس پر کوتوال نے اتنی رعایت کی کہ دو سپاہی کلیم کے ساتھ کیئے اور اُن کو حکم دیا کہ ان کو میاں نصوح کے پاس لیجاؤ اگر وہ ان کو اپنا فرزند بتائیں تو چھوڑ دینا ورنہ واپس لا کر حوالات میں قید رکھنا۔ کلیم پر اس کیفیت سے باپ کے روبرو آنا جیسا کچھ شاق[۳] گزرا ہوگا ظاہر ہے مگر کیا کر سکتا تھا سپاہی اُس کو کشاں[۴] کشاں لے ہی گئے۔ محلے کی مسجد جس میں نصوح نماز پڑھا کرتا تھا اُس کے گھر سے بہت قریب تھی۔ صحن مسجد میں ایک شاداب[۵] چمن تھا اور چمن کے بیچ و بیچ میں ایک پکا مرتفع[۶] چبوترا عجیب تفریح[۷] کا مقام تھا۔ نصوح بیشتر نماز عشا کے بعد خصوصاً چاندنی راتوں میں اُس چبوترے پر بیٹھ کر پھول بوٹوں میں خدا تعالیٰ کی صنعت[۸] کا ملاحظہ کیا کرتا تھا۔ اُس کو بیٹھا دیکھ دو چار نمازی بھی جمع ہو جاتے تھے اور نصوح کو وعظ و پند کے طور پر ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملتا تھا۔ نصوح اور اُس کے مستمعین[۹] مسجد کے چبوترے پر جمع ہوتے جاتے تھے کہ کوتوالی کے سپاہی چبوترے کے پاس کلیم کو لیے آ پہنچے۔ یہ اتفاق من جانب اللہ[۱۰] شاید اس وجہ سے پیش آیا کہ جو لوگ کلیم کی نظر میں صرف اس وجہ سے ذلیل تھے کہ وہ اپنے خالق کی پرستش کرتے تھے یا اپنے اور اپنے بال بچوں کے پیٹ بھرنے کیلئے محنت مزدوری کر کے روٹی حلال کی پیدا کرتے تھے اُن کے سامنے اُسکی گردن نخوت[۱۱] کی نیچی ہو۔ اب وہ اُن ہی قل ہو اللہ والے، مردہ شوؤں اور بھک منگوں اور گداؤں کے روبرو اس حیثیت سے کھڑا تھا کہ منکر نکیر[۱۲] کیطرح دو سپاہی اسکی گردن پر سوار نہ سر پر ٹوپی نہ پاؤں میں جوتی دو دو وقت کا فاقے

[۱] بھاری سخت ۱۲ [۲] ناگوار ۱۲ [۳] کھنچے کھنچے ۱۲ [۴] ہرا بھرا ۱۲ [۵] اونچا ۱۲ [۶] یعنی وہاں بیٹھنے سے طبیعت خوش ہو جاتی ہے ۱۲ [۷] کاری گری ۱۲ [۸] سننے والے ۱۲ [۹] خدا کی طرف ۱۲ [۱۰] غرور ۱۲ [۱۱] ان دو فرشتوں کا نام ہے جو قبر میں سوال کرتے ہیں ۱۲

سے منہ سوکھ کر ذری سا نکل آیا تھا آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے ہونٹوں پر پپڑیاں جم رہی تھیں۔ کپڑوں کا وہ حال تھا کہ ایسے لباس سے ننگا ہوتا تو بہتر تھا جوں نصوح کی نظر بیٹے پر پڑی گویا اک تیر سا کلیجے میں لگ گیا۔ اگر پہلا سا نصوح ہوتا تو نہیں معلوم عورتوں کی طرح ڈاڑھیں مار کر روتا یا سر پیٹنے لگتا یا دوڑ کر بیٹے کو لپٹ جاتا۔ یا سپاہیوں سے بے پوچھے گچھے دست بگریباں ہو پڑتا یا خدا جانے اضطراب جاہلانہ میں کیا کرتا۔ مگر اب اُسکے جملہ حرکات و سکنات معلّم دین داری کے مطیع اور مؤدب خدا پرستی کے تابع تھیں۔ اُس نے ایکدم سرد بھر کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ تو کہا اور اُف بھی نہ کی سپاہیوں نے اُس سے کلیم کی نسبت پوچھا تو اُس نے آنکھیں نیچی کر کے کہا کہ "جب حضرت نوح اپنے بیٹے کو ڈوبتے دم تک بیٹا بیٹا پکارتے گئے تو میں اس کے فرزند ہونے سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں؟" سپاہی تو اتنا سنکر رخصت ہوئے اور کلیم کو رفقائے نصوح میں سے کسی نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ نصوح بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر بولا کیوں کلیم! میں نے ایسا کونسا قصور کیا تھا کہ تم کو میری طلعت منحوس تک دیکھنی گوارا نہ ہوئی؟ تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ شفقت اولاد ماں باپ کی طبیعت میں مخمر اور اُن کی جبلّت میں داخل ہے۔ وہ شفقت جو اسوقت مجھ کو اس بات کی محرّک ہوئی کہ میں سپاہیوں کے پنجے سے تمھاری نجات کا باعث ہوا۔ وہی شفقت مجھ کو اس بات پر بھی مجبور کرتی تھی اور کرتی ہے اور کرے گی کہ میں تم کو ایسی راہ نہ چلنے دوں جو تمھاری ابدی ہلاکت کا باعث اور دائمی تباہی کا موجب ہے۔ میں نے تم سے نہیں کہا کہ میرے لئے کمائی کرو۔ میری آسایش کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اُٹھاؤ اور اگر میں ایسا کہتا بھی تو مجھ کو اس کا منصب اور حق تھا۔ میں نے جس کمائی کو کہا وہ تمھارے ہی کام آئے گی۔ اور جس محنت کی تم کو تکلیف دی وہ تم ہی کو آرام دے گی۔ اگر کسی بیمار کا طبیب مہربان سے پرہیز، کسی سیاح بدرقہ خیرخواہ سے گریز کرنا روا ہو تو بیشک تم بھی مجھ سے نفرت رکھ سکتے ہو۔ کیوں کلیم! کیا ہمیشہ تمھاری خوشی مجھ کو منظور، تمھاری رضاجوئی مجھ کو ملحوظ نہیں رہی؟ اب جو تم نے مجھ کو اپنا دشمن قرار دیا، اپنا عدو ٹھیرایا تو دشمنی کا سبب؟ عداوت کا موجب؟ میں نے سنا ہے کہ تم مجھ کو دیوانہ اور مجنون اور مختل الحواس تجویز کرتے ہو۔ سو میں تمھاری اس تشخیص صحیح اور تجویز درست اور اس فراست صائب پر جرح نہیں کرتا میں باؤلا اور سڑی اور

ف۱ یعنی اسکا ہاتھ سپاہیوں کے گریبان میں ہوتا اور ان کے ہاتھ اس کے گریبان میں یعنی سپاہیوں کیساتھ ہاتا پائی کی نوبت پہنچ جاتی ۱۲ ف۲ حضرت نوح کا بیٹا کافر تھا طوفان آیا تو وہ حضرت نوح کی کشتی میں بھی نہ آیا اور ڈوب مرا حضرت نوح علیہ السلام آخر تک اس کو بلاتے اور اس کیلئے خدا کی درگاہ میں دعا کرتے رہے ۱۲ ف۳ صورت شکل ۱۲ ف۴ خمیر میں داخل ۱۲ ف۵ اصل طبیعت ۱۲ ف۶ یعنی جس مہربانی نے مجھ سے یہ بات کروائی ۱۲ ف۷ ہمیشہ کی ۱۲ ف۸ جو شخص سیر کرتا پھرتا ہو ۱۲ ف۹ راہ بتانیوالا ۱۲ ف۱۰ شکل سے ایک بات کو جان لینا ۱۲ ف۱۱ ٹھیک درست ۱۲ ف۱۲ اعتراض ۱۲

پاگل سہی لیکن اگر کوئی باؤلا تمھاری راہ میں کانٹے پڑے دیکھ کر تم کو آگاہ کرے تو کیا اس کی بات کو نہ سننا، اُس کی نصیحت کو نہ ماننا، اس کی فریاد کیطرف ملتفت نہ ہونا شیوہ دانشمندی ہے؟ پھر تم کو یہ بھی سوچنا چاہئے تھا اور چاہئے کہ آیا میں اکیلا اس جنون میں مبتلا ہوں یا اور بندگان خدا بھی میری ہی سی رائے، میرے ہی سے خیالات رکھتے ہیں۔ کلیم میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جتنے بزرگان دین ہو گزرے ہیں (خدا اُنکی پاکیزہ اور مطہر روحوں پر رحمت کا سلسلہ نازل کرے) اور جتنے نیک بندے اب موجود ہیں (خدا اُن کی حیات میں برکت دے) کوئی اس جنون سے خالی نہیں بلکہ جسکو جتنا یہ جنون زیادہ اسیقدر وہ برگزیدہ[۵۱] اور خدا رسیدہ زیادہ کیا اس بات کا اقرار کرنا جنون ہے کہ ہم بندے ہیں اور اسکا کہ ہم پر کچھ حق ہے جسنے ہم کو پیدا کیا جو ہمکو رزق دیتا ہے جو ہمکو جلاتا اور مارتا ہے جو پانی برساتا اور زمین سے ہمارے لیے سرمایہ حیات اگاتا ہے جسنے ہماری جانوں کی شادابی[۵۲] و تازگی کیلئے آب شیریں اور خوش گوار[۵۳] کے سوتے[۵۴] زمین میں جاری کر رکھے ہیں، اور ہماری روحوں کے انبساط[۵۵] کیلئے ہوا کا ذخیرہ کافی مہیا فرما دیا ہے، جس کے حکم سے چاند سورج اپنے معمول سے نکلتے اور غروب ہوتے ہیں تاکہ کام کرنے کیلئے دن ہو اور آرام لینے کیلئے رات جس نے دنیا کے قوی ہیکل[۵۶] اور زبردست جانوروں کو ہمارا مطیع[۵۷] اور منقاد بنا دیا ہے کہ اُن سے ہم سواری لیتے، اُن پر اپنا بوجھ لادتے، اُن کے گوشت اور پوست اور دودھ سے مستفید ہوتے ہیں، جسنے انسان کو گویائی اور بیان کی قوت عطا کی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنا ما فی الضمیر[۵۸] اپنے ابنائے جنس[۵۹] پر ظاہر کر سکتا ہے جس نے انسان ضعیف البنیان کو عقل کی قوت اور دانش کی طاقت دیکر روئے زمین کا بادشاہ اور مخلوقات کا حاکم بنایا ہے جسنے کائنات میں سے ہر موجود کو اس کی مناسب حالت خلق کیا ہے؟ اگر دنیا کے سارے درخت قلموں میں صرف کر دیئے جائیں اور ساتوں سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ کام میں لایا جائے۔ اور پڑھے لکھے لوگ جتنے ابتدائے آفرینش سے اب تک ہو چکے اور اب موجود ہیں اور آئندہ پیدا ہونے والے ہیں سب کے سب بلکہ اس کی تعریف اس کے احسانات۔ اُس کے انعامات روز قیامت تک بیٹھے لکھا کریں تو گھستے گھستے درخت ہو چکیں، سمندر سوکھ جائیں، لکھنے والے تھک کر بیٹھ رہیں، مگر اُس کے حق واجب کا ایک عشر عشیر[۶۰] بھی ادا نہ ہو کلیم فنا ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ دنیا میں کوئی اُسکا منکر نہیں اور نہ اُس سے انکار ممکن ہے ہیضے کی وبا کو دفع ہوئے برس نہیں گزرا۔ تمھارے دیکھتے دیکھتے کیسے کیسے لوگ چٹ کر گئے، توانا، اچھے چنگے، چلتے پھرتے، امیر و غریب، عالم و جاہل، بھلے اور برے، سبھی طرح کے صدہا ہزارہا ہدف تیر قضا[۶۱] ہو گئے سدا ایک نام اللہ کا۔ دنیا پر کیا منحصر ہے

۵۱ مقبول ۱۲ ۵۲ سرسبزی ۱۲ ۵۳ خوش ذائقہ ۱۲ ۵۴ چشمے ۱۲ ۵۵ تفریح خوشی ۱۲ ۵۶ مضبوط جثے کے ۱۲ ۵۷ فرمانبردار
۵۸ جو کچھ دل میں ہو ۱۲ ۵۹ نرا بنی آدم ۱۲ ۶۰ دسویں حصہ کا دسواں حصہ یعنی کل کا دسواں حصہ ۱۲ ۶۱ موت کے تیر کا نشانہ ۱۲

وعدے[۱] سے دم زیادہ نہ کم۔ مرنا برحق۔ اچھا پھر مرے پیچھے کیا ہوگا؟ وہی عقیل ہے، وہی فہیم ہے، وہی ذیرک ہے، وہی دانشمند، جو اس سوال کا جواب معقول دے، جو اس معمے کو حل کرے۔ جو یہ پہیلی بوجھے۔ کلیم! انسان کی خاص طرح کی خلقت یعنی اسکا وجود عاقل ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ ضرور اس سے کوئی بڑی خدمت متعلق اور اس کے ذمے زیادہ جوابدہی ہے۔ اگر اسکا صرف یہی کام ہوتا کہ پیٹ بھر لے اور سو رہے اور گرمی سردی سے اپنے تئیں بچائے تو اس کے لیے زیادہ عقل کی ضرورت نہ تھی؟ جانور اپنے بڑے بڑے جثوں[۲] کی پرداخت[۳] پر بخوبی قادر ہیں حالانکہ عقل سے بے بہرہ اور دانش سے بے نصیب ہیں پس اس خدمت اور اس ذمہ داری کو دریافت کرنا شرط انسانیت ہے۔" نصوح کا وعظ سنکر اس کے ہمراہیوں کے دلوں میں دینداری کے ولولے اور خدا پرستی کے جوش تازہ ہو گئے حاضرین میں کلیم کے سوائے کوئی متنفس نہ تھا جس پر تھوڑی یا بہت رقت طاری[۴] نہ ہوئی ہو۔ لیکن کلیم بقول سعدی شیرازی[۵]؎

باسیہ دل[۶] چہ سود گفتن وعظ نرود میخ آہنی در سنگ

سکوت[۷] کی حالت میں سرنگوں[۸] تھا۔ اسکا سکوت یا تو اس وجہ سے تھا کہ نصوح کا سلسلۂ سخن[۹] بلافصل تھا اور اسکو بیچ میں بات کہنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یا وہ دوسرے منصوبے سوچ رہا تھا۔ اسکا سرنگوں ہونا بھی کچھ گناہ کی ندامت سے نہ تھا بلکہ اپنی حالت کی شرمندگی سے۔ جب نصوح نے دیکھا کہ وہ ہاں یا نہیں کچھ بھی نہیں کہتا تو اس نے ذرا گرم ہو کر اتنی بات کہی کہ "بڑی دقت تمہارے معاملے میں مجھ کو یہ درپیش ہے کہ تمہارا مافی الضمیر مجھ پر منکشف[۱۰] نہیں ہوتا۔ شروع میں تم نے میرے سامنے آنے سے گریز کیا اور اب مواجہہ[۱۱] بھی ہوا تو بے سود ابھی تک کلیم نے کوئی لفظ منھ سے نہیں نکالا تھا کہ نصوح کے ہمراہی جو کلیم کے حالات سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دینداری کی تاکید پر گھر سے نکل گیا ہے۔ بول اٹھے کہ اے حضرت میاں کلیم ماشاء اللہ[۱۲] بڑے ذہین اور زیرک[۱۳] اور عاقل ہیں۔ جو کچھ آپ نے فرمایا انھوں نے گرہ[۱۴] باندھا۔ اگرچہ باقتضائے سن[۱۵] اب تک لہو ولعب کی طرف متوجہ تھے مگر اب آپ دیکھیے گا کہ انشاء اللہ ایسے جوان صالح اور متشرع[۱۶] اور متقی[۱۷] بنیں گے کہ اپنے ہم عمروں کیلئے نمونہ ہوں گے۔ آپ گھر میں تشریف لیجائیے یہ بھی آپ کے ساتھ جائیں، کپڑے بدلیں اور

---

۱ یعنی موت کے وعدے سے ۱۲ ۲ جسموں ۱۲ ۳ پرورش ۱۲ ۴ یعنی رویا نہ ہو ۱۲ ۵ سیاہ دل کے آگے وعظ کہنے سے کیا فائدہ لوہے کی میخ پتھر میں تھوڑا ہی جا سکتی ہے ۱۲ ۶ خاموشی ۱۲ ۷ جھکا ہوا سر ۱۲ ۸ یعنی اس کی بات ایک لڑی تھی مسلسل ۱۲ ۹ ظاہر ۱۲ ۱۰ آمنا سامنا ۱۲ ۱۱ جو خدا چاہے یہ جملہ نظر بد سے بچنے کے لیے کہہ لیا کرتے ہیں ۱۲ ۱۲ دانا ۱۲ ۱۳ یعنی قبول کر لیا اس پر عمل کریں گے ۱۲ ۱۴ یعنی جوانی کی عمر کے تقاضے سے ۱۲ ۱۵ پابند شرع ۱۲ ۱۶ پرہیزگار ۱۲

آپ کی نصیحت پر عمل کریں جس میں دنیا اور دین دونوں کا فائدہ ہو۔ نصوح نے پھر کلیم کی طرف مخاطب ہو کر کہا، ’’کیوں صاحب کچھ تم بھی تو اپنے دل کا ارادہ بیان کرو۔‘‘ کلیم: ’’مجھکو تو آپ اتنی اجازت دیجئے کہ گھر سے اپنی ضرورت کی چیزیں منگوا لوں‘‘ نصوح: ’’سخت افسوس ہے کہ تم دنیا کی چند روزہ اور عارضی ضرورتوں کا تو اہتمام کرتے ہو اور دین کی بڑی ضرورت سے غافل ہو

غم[۹۱] دین خور کہ غم غم دین ست ہمہ غمہا فروتر از این ست

ضرورت کی چیزیں منگوا لینا کیا معنی تم شوق سے گھر میں چلو غالباً میری نسبت تم کو اس گھر میں زیادہ تو رہنا ہے پس وہ گھر میرا کیوں فرض کر لیا گیا ہے۔ تمھاری ماں بہت بیتاب ہے، چھوٹے بڑے سب فکرمند ہیں میرے جرم کی سزا دوسروں کو دینا شیوۂ انصاف سے بعید ہے۔‘‘ کلیم: ’’مجھ کو معلوم ہے کہ آپ چند روز سے دینداری اور خدا پرستی کے نام سے نئے نئے دستور، نئے نئے طریقے، نئے نئے قاعدے، گھر میں جاری کرنے چاہتے ہیں اور اس جدید انتظام میں جیسا کچھ اہتمام آپ کو منظور ہے میں کیا گھر میں کوئی متنفس اس سے بےخبر نہیں رہ سکتا۔ ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سے جان چکا ہے کہ اس انتظام جدید کی مخالفت کیساتھ گھر میں رہ نہیں سکتا پس میں نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی مجھ کو اپنی مخالفت آپ کے روبرو ظاہر کرنے کی ضرورت نہ ہو مگر آپ کے اصرار نے مجھ کو مجبور کر دیا اور اب ناچار مجھ کو کہنا پڑا کہ میں شروع سے اس انتظام کا مخالف ہوں اور میرا گریز میری رائے کے ظاہر کر دینے کے لئے کافی تھا۔ میں ایک بال برابر اپنی طرز زندگی کو نہیں بدل سکتا۔ اور اگر جبراً اور سخت گیری کے خوف سے میں اپنی رائے کی آزادی باقی نہ رکھ سکوں تو تف[۹۲] ہے میری ہمت پر اور نفرین ہے میری غیرت پر۔ اور میں اس میں بھی کلام نہیں کرتا کہ آپ کو اپنے گھر میں ہر طرح کا انتظام کا اختیار حاصل ہے۔ مگر اس جبری انتظام کے وہی لوگ پابند ہو سکتے ہیں جن کو اسکی واجبیت تسلیم ہو یا جو اس کی مخالفت پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور چونکہ میں دونوں شقوں[۹۳] سے خارج ہوں میں نے اپنی عافیت[۹۴] اسی میں سمجھی کہ گھر سے الگ ہو جاؤں۔ اور اگرچہ میری اسوقت کی حالت پر کہنا زیب نہیں دیتا لیکن ذرا مجھ کو دہلی سے نکلنے دیجئے تو پھر آپ اور سب لوگ دیکھ لیں گے کہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا قاعدہ ہے کہ وطن میں آدمی بےقدر رہتا ہے چنانچہ آپ کے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہے کہ مجھ کو گھر سے نکلنے پر بھیک مانگی نہیں ملے گی لیکن میں کہتا ہوں کہ یہی آپ کا فرزند نالائق و ناخلف ہوگا اور کسی امیر کی مصاحبت

---

۹۱ دین کا غم کھاؤ یعنی سوچ کرو تو دین کا کرو کیونکہ سوچنے کی چیز اگر ہے تو دین ہے باقی سب دین کے بعد ۱۲ ۹۲ تھو ۱۲ ۹۳ صورتوں ۱۲ ۹۴ آسائش ۱۲

ہو گی یا کسی ریاست کی وزارت میں ایسا بھی احمق نہیں ہوں کہ آپ پر نامہربانی کی تہمت لگاؤں۔ آپ وہی بات فرماتے ہیں جو آپ میرے حق میں بہتر سمجھتے ہیں لیکن میری بے ادبی اور گستاخی معاف ہیں اپنے تئیں محتاجِ تعلیم و ہدایت نہیں سمجھتا۔ رہا گھر سو اُس میں صرف اسی شرط سے چل سکتا ہوں کہ آپ میرے نیک و بد سے بحث، میرے بھلے برے سے تعرض نہ کرنے کا قول واثق[51] اور وعدہ حتمی[52] کریں۔" نصوح: "اس کا یہ مطلب کہ تم نے مجھ کو منصبِ پدری سے معزول[53] کیا۔" کلیم: "نہیں آپ نے مجھ کو فرزندی سے عاق فرمایا۔"

اس کے بعد نصوح گھر میں آنے کی نیت سے اٹھا اور اُس کا ارادہ تھا کہ طوعاً و کرہاً[54] جس طرح ممکن ہو کلیم کو ساتھ لے جائے۔ مگر کلیم نہیں معلوم کیوں کر نصوح کے تیوروں[55] کو تاڑ گیا کہ اُس کو اٹھتا دیکھ چبوترے سے جست کی۔ صحن میں تھا اور صحن سے تڑاپا لوا ماٹے کے باہر۔ لوگوں نے دوڑ کر دیکھا تو وہ بازار کے پرے سرے پر جا چکا تھا۔ یہ دیکھ کر نصوح ہکا بکا[56] سا ہو کر رہ گیا۔ اور جس طرح اُس نے بیٹے کو سپاہیوں کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھ کر انا للہ کہا تھا اب بیٹے کے جدا ہوتے وقت بھی وہ انا للہ کہہ کر چپ ہو رہا۔ غرض کلیم نہ گھر گیا اور نہ گھر سے اُس کو کوئی چیز یعنی نصیب ہوئی اسی طرح اُلٹے پاؤں پھر کر چلا گیا۔ نصوح کے پہنچتے پہنچتے تمام ماجرا کسی نے گھر میں جا کہا اور مستورات[57] میں بیٹھے بٹھائے ایک کہرام مچ گیا۔ فہمیدہ بے تاب ہو کر باؤلوں کی طرح دروازے میں آ کھڑی ہوئی اور قریب تھا کہ پردے سے باہر نکل آئے کہ نصوح جا پہنچا۔ بی بی کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا کہ خیر تو ہے کہاں کھڑی ہو؟ فہمیدہ میاں کو دیکھ کر بلبلا[58] گئی اور گھبرا کر پوچھا کہ "میرا کلیم کہاں ہے؟" نصوح: "میرا کلیم؟ اگر کلیم تمہارا ہوتا تو تمہارے گھر میں ہوتا اور تمہارے اور باپ اور بھائی کے اتنے اصرار اور اتنے سمجھانے اور اتنی منت اور اتنی خوشامد پر بے پوچھے بے کہے گھر سے نہ چلا جاتا۔" فہمیدہ: "اچھی خدا کے لیے ذرا مجھ کو اُس کی صورت دکھا دو۔ میں نے سنا ہے کہ سر سے ننگا ہے، پاؤں میں جوتی نہیں۔ اُس نے کاہے کو کبھی زمین پر پاؤں رکھا تھا کنکر تلووں میں چبھتے ہوں گے کون سے وہ موئے سپاہی تھے میرے بچے کے پکڑنے والے؟ گھورا ہو تو الٰہی دیدے پھوٹیں۔ ہاتھ لگایا ہو تو خدا کرے پورے پور[59] ٹوٹیں۔ واری تجھے وہ سپاہی اور قربان کیا تھا وہ کوتوال۔ میرا بچہ اور چوری کرنے کے قابل!" نصوح: "کیسی بدعقلی کی باتیں کرتی ہو۔ چلو گھر میں چل کر بیٹھو۔ باہر گلی میں تمہاری آواز جاتی ہے۔ تمہاری اس بیتابی کی محبت نے اولاد کو دنیا اور دین دونوں سے تو کھو دیا اب دیکھیے کیا کرے گی۔" فہمیدہ: "اچھا پھر کلیم گیا تو کہاں گیا؟"

---

۵۱ مضبوط ۱۲ ۵۲ پکا ۱۲ ۵۳ موقوف ۱۲ ۵۴ چار و ناچار ۱۲ ۵۵ دلی ارادہ ۱۲ ۵۶ حیران ۱۲ ۵۷ عورتوں ۱۲ ۵۸ بلبلا اٹھی ۱۲ ۵۹ انگلیوں کے سرے ۱۲

نصوح: جانے میری جوتی کہاں گیا مجھ سے پوچھ کر گیا ہو تو بتاؤں نہیں معلوم خدا کی خوار کہاں تھا اور کیسے
لوگوں میں تھا کہ جو رسوائی ہفتاد پشت سے مخفی ہوئی تھی وہ اس مردک[51] کی وجہ سے ہوئی۔ اب مجھ کو شہر میں
منھ دکھانا مشکل ہے۔ یا تو خدا اُس کو نیک ہدایت دے۔ یا میں اُس کو تو کیا بددعا دوں مجھ کو ایمان سے اٹھالے
کہ ان تکلیفوں سے مجھکو نجات ہو۔ فہمیدہ: کیونکر تمہارے دل نے صبر کیا اور کن آنکھوں سے تم نے بیٹے[52] کو اس
حالت میں دیکھا؟ نصوح: جسطرح اُس کی اس گستاخی پر صبر کیا تھا کہ میں نے بار بار بلایا اور وہ نہ آیا اسی طرح
میں نے اُس کی وہ حالت دیکھ کر صبر کیا اور جن آنکھوں سے اُس نملوت خانے عشرت منزل اور کتب خانہ کی
رسوائی اور خرابی اور تفضیح کو دیکھا تھا اُن ہی آنکھوں سے اُس کو کھلے سر ننگے پاؤں ہاتھ بندھا ہوا سپاہیوں کی
حراست[53] میں دیکھا۔ یہ جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔ فہمیدہ: تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ اُس کو مجھ تک
لے آتے۔ نصوح: اگر میں اُس کو تم تک نہ لا سکا تو مجھ سے پہلے تم اُس کو مجھ تک نہیں لا سکیں اور نہ تم اُس کو
جانے سے روک سکیں۔ فہمیدہ: کہاں تم مرد، کہاں میں عورت۔ نصوح: تو کیا تمہاری مرضی یہ تھی کہ میں یا
اُس سے کشتی لڑتا۔ بس ایسے افلاس[54] سے مجھ کو معاف رکھئے۔ غرض نصوح سمجھا بجھا کر بی بی کو گھر میں لے گیا اور
یہ بات اُس کے ذہن نشین کر دی کہ رونے اور رنج کرنے سے مطلق فائدہ نہیں۔ البتہ خدا سے اُس کے حق میں
زاروتانے[55] ساتھ دعا کرنی چاہیے کہ یار اداس کو واپس لائے۔ اُدھر کلیم نے خالہ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا۔ مگر
اس وقت تک اُس کو نعیمہ کا حال معلوم نہ تھا اگر کہیں خالہ کے یہاں چلا گیا ہوتا تو سب سے بہتر بات تھی۔ سرِ دست
اُس کی ہمدردی کرنے کو نعیمہ وہاں موجود تھی اور چونکہ اُس کی خالہ کا سارا خاندان نیک اور دیندار تھا۔ کلیم کو
نصوح کے خیالات سے مانوس[56] کرنے کے لیے وہاں ہر طرح کا موقع تھا۔ لیکن عصیان[57] خدا کا وبال اور
عقوق[58] والدین کی شامت ابھی بہت سی گردشیں اس کی تقدیر میں تھیں جوں گلی سے باہر نکلا کہ میاں فطرت
اُس کو مل گئے۔ یہ حضرت[59] نصوح کے چچا زاد بھائیوں میں تھے اور اُن سے اور نصوح سے موروثی عداوت
تھی جیسی کہ دنیا دار خاندانوں میں اکثر ہوا کرتی ہے۔ رشتہ داری کی وجہ سے ایک کے حالات دوسرے سے
مخفی[60] نہ تھے۔ فطرت سن چکا تھا کہ نصوح کو دینداری کا نیا خبط اچھلا ہے جس کی وجہ سے اُس کے تمام خاندان
میں ایک کھلبلی مچ رہی ہے۔ جو دقتیں بیچارے نصوح کو اصلاحِ خاندان میں پیش آتی تھیں فطرت کو سب کی

۵۱ مرد کی تصغیر، حقارت کی راہ سے مردک کہا ۱۲ ۵۲ بہرہ ۱۲ ۵۳ پیار۔ محبت ۱۲ ۵۴ رونا گڑگڑانا ۱۲ ۵۵ آشنا ۱۲ ۵۶
نافرمانی ۱۲ ۵۷ ماں باپ کیساتھ بے ادبی ۱۲ ۵۸ چھیڑ کے طور پر حضرت کہا نہ ادبا ۱۲ ۵۹ پوشیدہ ۱۲ ۶۰ ہل چل ۱۲

خبر لگتی تھی اور بہانے کے مذکور کا ایک شخص حکیم ہوتا تھا۔ کلیم کی عادتوں سے تو واقف تھا ہی فطرت اپنے یہاں کہا کرتا تھا کہ میاں نصوح لاکھ دینداری جتائیں مگر عجب جانیں کہ بڑے بیٹے کو ابھی راہ پر لائیں۔ کلیم کو جو ننگے سر ننگے پاؤں سر بازار جاتے ہوئے دیکھا تو فطرت نے چھیڑ کر پوچھا کہا میاں کلیم تم نے بھی سے احرام حج باندھ لیا؟ کلیم: احرام حج نہیں احرام ہجرت۔ فطرت: وہی تو کہوں مجھکو تمہاری دینداری اور دانشمندی سے شیخ وقت کی تقلید نہایت مستبعد معلوم ہوتی تھی۔ کلیم: جی نہیں شیخ کیا مجھ میں جیسی ارادت شاعروں کو ہے، معلوم۔ فطرت: بس بس مجھکو بھائی نصوح کا اپنی اولاد کیساتھ اور اولاد میں بھی تمہارے ساتھ کہ آج ماشاء اللہ فخر خاندان ہو یہ طرز مدارات دیکھ کر ہم لوگ تو جیسے ہینے کو اجنبی اور غیر ہیں۔ ویسی ہی بدمزاجیوں نے کنبے والوں سے میل ملاپ چھڑا دیا۔ ورنہ انصاف شرط ہے ہمارا ان کا کیا بانٹا ہے اپنا کھانا اپنا پہننا۔ لڑنا کسلیے جھگڑا کیوں۔ اور فکر یہ ہے کہ جسقدر حضرت سن رسیدہ ہوتے جاتے ہیں مزاج جوان ہوتا جاتا ہے۔ بھائی صاحب قدر تمہاری والدہ کو نہیں معلوم ایسے آتش مزاج بے مروت آدمی کیساتھ اس نیکبخت نے کیونکر نباہ کیا۔ مگر عورت ذات موذی کے پنجۂ غضب میں گرفتار ہے کیے تو کیا کرے۔ میاں کلیم، تم اسکو سچ جانا کہ تم لوگوں کی مصیبت کو خیال کرکے بھائی ہمارا تو کلیجہ بیچین رہتا ہے۔ یہ خون کا جوش ہے ورنہ ملنا ملانا ترک۔ آنا جانا موقوف۔ سلام پیام مسدود۔ کیا کریں کچھ بس نہیں چلتا بھلا پھر اس حالت سے تم جاتے کہاں ہو کلیم: خالہ جان کے یہاں جانیکا ارادہ ہے۔ فطرت: تمہارے باپ کے ڈر سے دیکھنا ہی چاہیئے کہ گھر میں گھسنے دیں۔ کلیم: نہیں ان کو ایسی تو قطع نہیں۔ فطرت: خیر ذات شریف خود تشریف لیجائیں۔ ہمکو کیا روک ہے؟ کلیم: اسکا خدشہ تو ضرور ہے۔ دیوار پھاندنے ہیں کچھ دیر کا کام ملا جب چھت پر جو کچھ حضرت سلام پیام۔ فطرت: یہ کہ ہم تو نہیں سکتا لیکن تم جو کچھ ہو خدانخواستہ کوئی تمہارے یا بھائی نصوح کے دشمن نہیں ہیں اسے میاں۔ رشتہ داروں ہی بات تو خدا نے ایسی ہی ہوا کرتی ہے شکوہ غیر کا نہیں کرتے گلہ دوری سے نہیں ہوتا جو ہمکو تمہارا اور تمکو ہمارا درد ہوگا وہ خالہ کو نہیں ہو سکتا۔ بھائی نصوح ابھی جیسے باہیں بچار پڑے۔ خدا شاہد ہے دونوں وقت میں خود محلے میں آکر خبر لیجاتا تھا۔ جوری اماں جان ہمیشہ حلال خوری سے تمہارے یہاں کے حالات پوچھا کرتی ہیں۔ مجھ سے تو یہ سوائی گوارا نہیں ہو سکتی کہ تم اس حالت میں ایسے بے وقت خالہ کے یہاں جاؤ۔ چلو شب کو ہمارے یہاں آرام کرو۔ ایسا ہی ہو گا تو صبح کو خالہ کے یہاں بھی ہو آنا۔ لو یہ میرا دوپٹہ تو سر پر لپیٹ لو۔ لوگ تو ہے جلتے ہیں۔ اور چلو پاس کے پاس ہی پیچھے سے ہو کر نکل چلیں۔ الغرض میاں فطرت لو تو پھو کر کے کلیم کو اپنے گھر لیگئے اور نصوح کی جلن سے اسکی ایسی بزرگ داشت کی کہ کسی گھر والے کبھی نہ کرتے ہوں گے۔ کلیم نے جب سے دینداری اور صلاح و تقویٰ کی چھیڑ چھاڑ شروع تھی کیا ماں کیا باپ کیا بھائی سب کو اپنے لئے سے برخلاف پایا۔ اب جو فطرت نے بغرض اسکی دلجوئی اور خاطرداری کی اسکی ہاں میں ہاں ملائی اور نصوح کو بخیل اور بدمزاج اور سخت گیر ٹھہرایا یہ احمق سمجھا کہ بس فطرت اور اسکے گھر والوں سے بڑھ کر کوئی اسکا خیرخواہ نہیں۔ ابتک تو وہ باپ سے صرف اختلاف رائے رکھتا تھا اب اسکو باپ سے ایک نفرت اور عداوت پیدا ہوگئی فطرت نے جلی کٹی باتیں لگا کر یہ خیال اسکے دل سے بالکل دور کر دیا کہ نصوح کو اسکی تدین نے اولاد کیساتھ روک ٹوک کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اور چونکہ کلیم اپنے پندار میں یہی سمجھتا تھا کہ اسوقت تک میں ہی اکیلا گھر سے نکلا ہوں فطرت کے بہکانے سے اسکو یقین ہوگیا کہ دینداری اور خدا پرستی کا حیلہ تھا ورنہ فی الاصل باپ کو اسکا گھر سے نکالدینا مرکوز تھا۔ کلیم اسوقت دو مخالفوں کی کشمکش

[illegible footnotes]

میں تھا۔ باپ اس کو صراطِ مستقیم کی طرف کھینچتا تھا اور فطرت گمراہی اور ضلالت کی طرف۔ لیکن فطرت حریف غالب تھا اس واسطے کہ اول تو خود کلیم کا میلانِ طبع اسی کی جانب تھا، دوسرے نصوح ایک نئی اور نامانوس اور دشوار گذار راہ پر اس کو لیجانا چاہتا تھا۔ جس میں زہد و ریاضت اور اتقا اور نفس کشی اور انکسار اور فروتنی خوفِ عاقبت کی چند در چند تکلیفیں اور مصیبتیں در پیش تھیں۔ اس راہ میں کلیم کو بدرقہ اور راہنما تو خیر، رفیق اور ہم سفر کا ملنا بھی مشکل تھا۔ برخلاف اس کے فطرت اس کو ایک شارعِ عام دکھاتا تھا ایسا آباد کہ گویا اس سرے سے اس سرے تک بازار لگا ہے۔ اور نہ صرف منزل بمنزل بلکہ قدم بہ قدم تن آسانی اور عیاشی اور خود پسندی اور کبر اور بے فکری اور مطلق العنانی طرح طرح کی آسائشیں اور انواع و اقسام کی راحتیں موجود و مہیا تھیں۔ اس راہ میں کلیم کو بیٹھے کا خط یعنی سفر میں حضر کا لطف حاصل تھا۔ غرض کلیم میاں فطرت سے شیر و شکر کی طرح ملا نصوح نے جب یہ خبر سنی تو سخت افسوس کیا نہ اس وجہ سے کہ وہ فطرت سے عداوت رکھتا تھا کیونکہ عداوت تو دینداری کے اعتبار سے بڑا گناہ ہے اور نصوح سے اس کے ارتکاب کی امید نہیں کیجا سکتی تھی۔ لیکن اس کا یہ خدشہ کچھ بیجا نہ تھا کہ فطرت اصلاح میں کوشش نہیں کریگا۔ فطرت کے یہاں کلیم کو اور تو کسی طرح کی تکلیف نہ تھی مگر اس کی مرضی کی کتابیں یہاں نہیں ملتی تھیں۔ تب اس نے فطرت سے بیان کیا کہ دن بھر خالی بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبرایا کرتی ہے۔ اگرچہ میں نے اپنے حالات میں ایک مثنوی کہنی شروع کر دی ہے۔ اور سو سوا سو شعر ہو بھی گئے ہیں مگر فکرِ سخن بے اطمینانِ خاطر بن نہیں پڑتا اگر آپ صلاح دیں تو میں اپنی چند کتابیں گھر سے منگوا بھیجوں

فطرت: مجھ کو بھائی نصوح سے توقع نہیں کہ وہ اتنی رعایت بھی تمہارے حق میں جائز رکھیں خصوصاً اس حال میں کہ تم میرے نزدیک ہو۔ تمہارا یہ جرم ان کے مذہب میں تکفیر کیلئے کافی ہے مگر ہاں اپنی والدہ سے کہلا بھیجو اُن کا قابو چلے گا تو البتہ دریغ نہ کریں گی۔ کلیم تو متردد تھا کہ کس سبیل سے کتابیں منگوائے مگر فطرت ابلیس کہ عیاری اور چالاکی کے موکل اس کے مطیع تھے خود بول اٹھا کہ اجی یہ کونسی بڑی بات ہے مجھ سے کہیے تو بھائی نصوح کی چارپائی اٹھوا منگوا دوں اور ان کے فرشتوں کو خبر نہ ہو۔ غرض فطرت نصوح کے گھر گیا اور کسی ڈھب سے اس نے سارا حال معلوم کیا اور وہ آگ جو نصوح نے کلیم کی کتابوں میں لگائی تھی فطرت نے کلیم سے جا لگائی

سیدھی راہ ۱۲ مد مقابل ۱۲ طبیعت کا جھکاؤ ۱۲ ناآشنا ۱۲ جس میں گذرنا مشکل ہو ۱۲ ترک دنیا ۱۲ محنت مشقت یہاں مراد ہے نماز روزہ وغیرہ عبادات ۱۲ پرہیزگاری ۱۲ نفس کو مارنا مراد ہے دنیا کی لذتوں سے دست کش ہونا ۱۲ عاجزی ۱۲ رستہ دکھانے والا ۱۲ ساتھی ۱۲ سڑک ۱۲ آزادی ۱۲ مزہ ۱۲ وطن ٹھہر۔ دیس میں رہنا ۱۲ شعر کی ایک قسم جس میں سب شعروں کے ایک ردیف قافیہ الگ ۱۲ کافر ٹھہرانا ۱۲ پس و پیش کر رہا تھا ۱۲ طریق ۱۲ ہوشیاری ۱۲ فرشتے یا جنات ۱۲ خبردار ۱۲

اک تم خانہ ویرانی اُس پر فطرت کی آتش بیانی، کلیم پر اس آتش بیانی کی خبر نے وہ اثر کیا جو حضرت موسیٰ پر آتش طور نے کیا تھا سننے کے ساتھ ایسا بیخود ہو گیا گویا بجلی گری تپ میں آیا تو مزاج ایسا برافروختہ تھا کہ شاید نصوح اُس وقت موجود ہوتا تو یہ مردک دست و گریبان ہو کر لپٹ جاتا۔ کوئی ناگفتنی جلی کٹی بات اُس نے اُٹھا نہ رکھی۔ مگر لال پیلا ہو کر خاموش ہو رہا اور اس بات کے درپے ہوا کہ باپ سے اسکا انتقام لے کلیم نے جو طریقے انتقام کے سوچے تھے وہ سخت بیہودہ تھے جب اُس نے اپنی تدبیروں کو فطرت پر عرض کیا تو اُس نے سب کی تحمیق کی اور کہا کہ ابھی تم نرے صاحبزادے ہو۔ میں تم کو ایسی تدبیر بتاؤں کہ ہم کیسہ و ہم خریطہ" کلیم "وہ کیا؟" فطرت "گاؤں پر آخر تمہارا نام چڑھا ہوا ہے، اس پر دخل کرو" کلیم " ع این خیال است و محال است و جنون اُن کے متعدد کارندے اور نوکر چاکر اس پر مسلط ہیں" فطرت "گاؤں تمہارا ہو تو نوکر اور کارندے تمہارے یا اُن کے" کلیم "ولیکن میں صرف اسم فرضی ہوں" فطرت "اسکا ثبوت؟" کلیم "ثبوت انکا قبض و دخل اور اُن کے روپے سے گاؤں کا خرید ہونا" فطرت "اُن کا قبض و دخل بجائے تمہارا قبض و دخل اور انکا روپیہ عین تمہارا روپیہ ہے۔ بائع نے تمہارے نام سے بیع دی۔ گاؤں میں پٹہ قبولیت تمہارے نام سے ہوتا ہے۔ خزانہ سرکار میں مال گزاری تمہارے نام سے سیاہہ ہوتی ہے۔" کلیم "جب میں سرے سے اسم فرضی ہوں تو نام کا ہونا میرے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا" فطرت "ولیکن اگر اسم فرضی سے انکار کیا جائے تو اُس کی تردید کچھ آسان نہیں ہے" کلیم "میری سمجھ میں تو نہیں آتا کیونکر ایک امر واقعی کی تکذیب ہو سکتی ہے" فطرت "ہاں یہ شاعری نہیں ہے، دنیا داری ہے۔ اس کو ایک خاص سلیقہ درکار ہے" کلیم "غرض اس تدبیر کا پیش رفت ہونا تو ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ کوئی اور بات سوچیے" فطرت "جب تم ایسے سہل کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا تو گھر سے نکلنے کا حوصلہ تم نے ناحق کیا یہی اسم فرضی کا حق مجھ کو حاصل ہوتا تو پھر دیکھتا" کلیم "فرض کر لیجیے کہ آپ کو حاصل ہے" فطرت "کیوں کر فرض کر لوں؟ جیسے تم اسم فرضی مالک ہو ویسا ہی ایک فرضی بیع نامہ میرے نام کرا دو تو البتہ میں فرض کر سکتا ہوں" کلیم "اگر ملکیت فرضی کا بیع نامہ مجھے بکار آمد ہو سکتا ہے تو گاؤں کی کیا حقیقت ہے میں تو سلطنت روم کا بیع نامہ آپ کے نام لکھ دوں ع بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را" فطرت "بھلا گاؤں تم کتنے پر بیع

ف۱ زبان درازی ۱۲ ف۲ طور پہاڑ پر جب خدائے تعالیٰ کا نور جلوہ گر ہوا تو حضرت موسیٰ پچھاڑ کھا کر گر پڑے اور بیہوش ہو گئے ۱۲ ف۳ گرم مشتعل بھڑکا ہوا ۱۲ ف۴ نہ کہنے کے قابل ۱۲ ف۵ یعنی سب نے کہا کہ یہ احمقوں کی سی تدبیر ہے ۱۲ ف۶ دشمنی مراد ہے انتقام ۱۲ ف۷ زمانہ ۱۲ ف۸ یہ صرف خیال ہے اور ان ہونی بات ہے اور جنون ہے ۱۲ ف۹ تعینات ۱۲ ف۱۰ بیچنے والا ۱۲ ف۱۱ یعنی تمہارے نام سرکار میں جمع ہوتی ہے ۱۲ ف۱۲ رد کرنا ۱۲ ف۱۳ جھوٹا کر دینا ۱۲ ف۱۴ خواجہ حافظ شیرازی کی غزل کا مصرع ہے یعنی معشوق کے تل کے بدلے سمرقند اور بخارا کا مالک بخش دوں

کر دو گے؟ کلیم: کسی فرضی قیمت پر۔ فطرت: بھلا اس کا اندازہ بھی؟ کلیم: فرض کیجیے کہ سو روپے۔ فطرت: مجھ سے ہزار نقد لیجیے۔ کلیم: سچ؟ فطرت: سچ۔ کلیم: واللہ بیچا۔ فطرت: واللہ لیا۔ کلیم کو فطرت کی قسم پر اعتبار نہ ہوتا تھا۔ فطرت نے گھر میں جا ہزار روپے کا توڑا لا سامنے رکھ دیا۔ ادھر روپے گنے گئے اور ادھر بیع نامہ لکھ پڑھ کر تیار ہو گیا۔ کلیم نے سوچا کہ میں نے یہ سودا کیا کیا ایک غنیمت بارِدہ مفت ہاتھ آئی۔ اس وقت تو بات کی پچ کر کے فطرت نے روپیہ دے دیا ہے، ایسا نہ ہو پھر چھینڈ[۵۲] کرے۔ بہتر ہے کہ چلتے بنیے۔ یہ سوچ روپے کا توڑا بغل میں داب کر کلیم رخصت ہوا تو سیدھا چاندنی چوک میں آیا۔ مجلدار خاں کا کمرہ اسی روز خالی ہوا تھا کہ اس نے سر قفلی[۵۳] جا دی۔ دلی جیسا شہر اور کلیم جیسا ناعاقبت اندیش[۵۴] اور مسرف[۵۵]، اور اس طرح کا مال مفت۔ بات کی بات میں فرش فروش، جھاڑ، فانوس، ساز و سامان، نوکر چاکر سب کچھ موجود ہو گیا۔ یہاں تک کہ اگلے ہی دن پہلے مشاعرے کی محفل اس کے بعد ناچ کا جلسہ ہوا۔ جتنے یار آشنا تھے سب کے نام رقعے تقسیم ہوئے اور کلیم کے سارے شیاطین الانس پھر بدستور جمع ہو گئے۔ حتیٰ[۵۶] کہ وہ مرزا ظاہر دار بیگ بھی اتنے بڑے بےغیرت کہ سن کر دوڑے آئے اور کلیم اتنا بڑا احمق کہ ایسا دھوکا کھا کر پھر ان سے صاف ہو گیا جس کیفیت سے کلیم نے دو مہینے گذارے ناگفتہ[۵۷] بہ ہے۔ وہ بدکرداری کی تپ کہنہ[۵۸] رکھتا تھا۔ اب یہ دو مہینے گویا بحران[۵۹] کے تھے۔ ہزار روپے کی کل جمع پونجی اور بے دریغ خرچ۔ ابھی تیسرا مہینہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ہزار تمام ہو گئے۔ پہلے سے بھی بزاز، درزی، حلوائی، کبابی، نان بائی، میوہ فروش، گندھی، بساطی، وغیرہ کا حساب باقی تھا۔ نوکروں کا دو مہینہ چڑھ چکا تھا اب آٹا دال تک ادھار آنے لگا۔ شدہ شدہ ہر طرف سے طلب تقاضا شروع ہوا۔ استعمال سے پہلے اسباب خانہ داری کے بکنے کی نوبت پہنچی تو کلیم خواب غفلت سے بیدار ہوا۔ لیکن اب اسکا تنبہ[۶۰] کچھ چنداں سود مند نہ تھا۔ اس کے یار دوست دستور کے موافق اس کے پاس کا آنا جانا قاطبۃً[۶۱] ترک کر چکے تھے۔ نوکر چاکر بھی گھر بیٹھے سے تھے اور جو تھے تنخواہ کے نہ ملنے سے ایسے گستاخ ہو گئے تھے کہ کام خدمت تو درکنار روز سوال جواب لیتے تھے جو چیز جس کی تحویل[۶۲] میں تھی حیلے بہانے سے اس کو اپنا مال سمجھتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ دو چار قرض خواہ اس کے در دولت[۶۳] پر نہ ہوں۔ کلیم نے چاہا کہ پہلے کی چال سے مگر اس کے بغلی کے دشمنوں یعنی نوکروں کی وجہ سے اسکا منصوبہ فاش[۶۴] ہو گیا۔ اور جوں باہر نکلتے

۵۱ لوٹ کا مال ۱۲ ۵۲ کوئی ناحق کی حجت نکال کھڑی کرے ۱۲ ۵۳ کرایہ دار تھوڑا سا کرایہ پیشگی دے کر سر خط لکھوا لیتا ہے اس کو سر قفلی کہتے ہیں جس کو دیکر تالہ کھولا جاتا ہے ۱۲ ۵۴ انجام نہ سوچنے والا ۱۲ ۵۵ فضول خرچ ۱۲ ۵۶ یہاں تک ۱۲ ۵۷ جس کا نہ کہنا ہی بہتر ۱۲ ۵۸ پرانا بخار ۱۲ ۵۹ تپ کی شدت کا دن ۱۲ ۶۰ جاگنا۔ آگاہ ہونا ۱۲ ۶۱ قطعاً ۱۲ ۶۲ سپردگی ۱۲ ۶۳ ڈیوڑھی راہ سے دولت کہا اور دروازہ مراد ہے ۱۲ ۶۴ ظاہر۔ آشکارا ۱۲

نوکروں کا لباس بدل کر باہر نکلا تھا کہ سرہنگانِ دیوانی کے پنجۂ غضب میں گرفتار ہو گیا۔ اس غفلت شعار کو
اب معلوم ہوا کہ کیسی ڈگریاں یک طرفہ اس پر جاری ہیں۔ ان پیادوں کی حراست میں جس کیفیت سے کلیم نے رات
گزاری ایسی سخت ناگوار تھی کہ اس کو بار بار ظاہر دار بیگ کی مسجد کا اعتکافِ شبینہ حسرت کے ساتھ یاد آتا تھا۔
اگلے دن کچہری کے وقت پیادوں نے کلیم کو لیجا حاکمِ عدالت کے روبرو حاضر کیا۔ احاطۂ کچہری میں پہنچتے ہی پہلے نصوح مثلِ تصویر سوالی
کلیم باپ کو دیکھ کر بے اختیار رو دیا۔ مگر پیادوں کے خوف اور اپنی ندامت کے سبب کچھ نہ کہہ سکا۔ نصوح کا کچہری میں آنا بھی ان ہی حضرت
کی وجہ سے تھا۔ فطرت نے اس بہانہ فرضی کا ایک طومار بنا کھڑا کیا۔ دو چار [illegible] کارندوں کو لگا رکھا تھا اور چند کاشتکاروں کو بہکا کے
پیچھے دو دو چار چار آنے کی کمی کر کے استمراری پٹے کر دیے۔ دلی شہر کے چند آبرو باختہ غنڈوں کے ساتھ لے گاؤں
پر زبردستی دخل کر لیا۔ نوبت بہ عدالت پہنچی۔ مقدمے میں کچھ ایسے پیچ پڑ گئے تھے کہ دروغ کو فروغ ہو گیا
کلیم نے تو اپنے نزدیک ایک نہیں کیا تھا۔ نصوح بیچارے کو مفت میں پانچ چھ ہزار کا گاؤں ہارنا پڑا۔ اسی
تقریب سے نصوح حاضرِ کچہری تھا کہ کلیم اس کو دوسری مرتبہ پیادوں کے ہاتھ میں گرفتار نظر آیا۔ گو باپ بیٹوں میں
بالمشافہ بات چیت تو درکنار دعا سلام کا بھی اتفاق نہیں ہوا لیکن ایک کو دوسرے کی کیفیت معلوم ہو گئی۔
باپ ابھی کچہری کے احاطے سے پاؤں باہر نہیں رکھا تھا کہ بیٹا جیلخانے جا داخل ہوا۔ کلیم نے ہرچند شاعری اور
امیرزادگی کے چند در چند استحقاق ثابت کیے مگر مالکانِ مجلس نے ایک نہ مانی اور اس کو ایسا ایسا رگیدا کہ دوسرے ہی
دن جیل روانہ کیا۔ اس بےکسی میں کلیم کو باپ یاد آیا اور اگرچہ اپنی حرکات پر نظر کرنے سے اس کو بالکل ناامیدی
تھی مگر غلبۂ شفقت یا تخفیفِ [illegible] مرتا کیا نہ کرتا بے غیرتی کا ٹھیکرا آنکھوں پر رکھ کر باپ کو یہ خط لکھا۔ مجھ کو
حیرت ہے کہ میں کون ہوں اور کس کو یہ خط لکھتا ہوں۔ اور یقین ہے کہ اس خط کے پہنچنے پر مجھ سے زیادہ حیرت آپ کو
ہوگی۔ اتنی گستاخی، اتنی نافرمانی، اتنی بےحیائی، اتنی مخالفت پر جو مجھ نالائق، نابکار، ناہنجار، گستاخ، گردن
زدنی، ننگِ خاندان سے ۔۔۔ بدنام کنندۂ نکونامے چند سے سرزد ہوئی ہیں کیا کوئی بھی ایسا کہہ سکتا کہ مجھ کو
آپ کے ساتھ نسبتِ فرزندی باقی ہے۔ لیکن تو یہ خط بے ادب بیٹے کی طرف سے ہے اور نہ باپ کے نام سے
بلکہ معصیت نامہ ہے عرضی تقرّب [illegible] کا وثیقہ اور استغفار کی دستاویز اور ندامت کا اقرار اور حاجت مندی کا

---

۱ یعنی عدالت دیوانی کے سپاہی پیادے ۱۲ ۲ غفلت جس کی عادت ہو ۱۲ ۳ مدعا علیہ حاضر ہو کر جواب دہی کیے
اور دعویٰ ڈگری ہو جائے تو ڈگری یک طرفہ کہلاتی ہے ۱۲ ۴ پہرہ ۱۲ ۵ مسجد میں رات کا رہنا ۱۲ ۶ تصویر یعنی وہ کہتا تھا
[illegible] ۱۲ ۷ [illegible] ۱۲ ۸ [illegible] ۱۲ ۹ [illegible] ۱۲ ۱۰ [illegible] ۱۲
[illegible] ۱۲ ۱۱ [illegible] ۱۲ ۱۲ [illegible] ۱۲ ۱۳ [illegible] ۱۲ ۱۴ [illegible] ۱۲ ۱۵ [illegible] ۱۲ ۱۶ ڈوبا ہوا تنکے کا سہارا
[illegible] ۱۲ ۱۷ [illegible] ۱۲ ۱۸ گردن مارنے کے لائق ۱۲ ۱۹ جس سے سارے خاندان کو
[illegible] ۲۳ [illegible] ۲۴ [illegible] ۲۵ اقرار [illegible] ۲۶ [illegible] ۲۷ [illegible]

کا اظہار ہے۔ گنہگار، روسیاہ، شرمسار، ظالم، جفاکار، تیرہ روزگار، کلیم کی طرف سے صاحبِ کرمِ عمیم[۵۱] و خلقِ عظیم[۵۲] بردبار، حلیم، رؤف الرحیم، محسن[۵۳] و ولی نعمت، مہربان، سراپا شفقت، نیکوکار، کم آزار، خیر خواہ بلا اشتباہ کے نام ہر چند میری رسوائی یہاں تک پہنچی کہ جب سے مردود[۵۴] مطرود[۵۵] ہوا طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا اور انواع و اقسام کی لذتوں میں گرفتار ہوں لیکن یہ سمجھنا کہ میں نے جیسا کیا ویسا پایا بیجا اور غلط ہے۔ کیا ہزار تو پایا ایک کیا میں تو بھگتا چھٹانک بلکہ ایک اور چھٹانک بھی بھگتن جانتا نہیں۔ زنہار نہیں۔ ہر چند میں معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہے کہیں زیادہ ہے اس سے جو عبارت میں ہے لیکن خود مجھ کو اپنی توبہ سے تشفی اور ندامت سے تسلی نہیں۔ اس واسطے کہ میری توبہ درماندگی[۵۶] کی توبہ اور ندامت حالتِ ابتلا[۵۷] کی ندامت ہے۔ توطیہ[۵۸] بر طرف تمہید یکسو۔ نہ مجھکو توبہ پر تکیہ نہ ندامت پر ناز۔ خدا کو جس کا میں سب سے بڑھ کر گنہگار ہوں اپنا شفیع[۵۹] قرار دیتا ہوں اور دیکھتا ہوں تا کرم او چہ کند[۶۰]۔ الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین[۶۱]۔ قطعہ

شاہا[۶۲] ز کرم بر من درویش نگر ۔۔۔ بر حال من خستۂ دل ریش نگر
ہر چند نیم لائق بخشایش تو ۔۔۔ بر من منگر بر کرم خویش ... نگر

سلیم کے رسالوں[۶۳] میں اتفاق سے ایک جملہ مجھ کو نظر پڑا اور پسند آیا وہ یہ تھا کہ توبہ ربر[۶۴] ہے اور گناہ پنسل کی تحریر لیکن جب کہ توبہ و ندامت نے مجھ کو آلودگیٔ گناہ سے پاک کر دیا تو پھر میں آپکا برخوردار ہوں اور آپ میرے والد بزرگوار۔ مجھکو آپ سے ہر طرح کا دعویٰ اور آپ کو مجھ سے ہر قسم کی توقع۔ سات سو روپے کی عرض اس وقت میری جان پر بنی ہے۔ آپ مجھ کو اگر ہبہ، صدقہ، زکوۃ، خیرات جان کر نہ دیں تو قرض حسنہ[۶۵] دیں۔ قیدی کے چھڑانے، غلام کے آزاد کرنے کا ثواب آپ پر مخفی نہیں۔ اگر روپیہ کل تک نہ آیا تو میری زندگی دشوار ہے۔ کلیم شاعر تو تھا ہی باتوں کا جادو بنانے کی اس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ اس کے جھوٹے ڈھکوسلوں پر تمام

---

۵۱ عام احسان ۱۲ ۵۲ بڑی عمدہ عادتیں ۱۲ ۵۳ احسان کرنیوالے جنہوں نے اپنی نعمت سے پالا پرورش کیا ۱۲ ۵۴ راندہ ہوا ۱۲ ۵۵ نکالا ہوا ۔ دھتکارا ہوا ۱۲ ۵۶ ایسے دبے جھکی ۵۷ آفت میں پھنس جانے کی حالت ۱۲ ۵۸ لفریب تمہید ۵۹ وسیلہ سفارش کو ۶۰ دیکھتا ہوں کہ اسکا کرم کیا کرشمے دکھاتا ہے ۱۲ ۶۱ غصے کے روکنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے اور اللہ احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے ۱۲ ۶۲ اے بادشاہ مجھ فقیر پر کرم کی نگاہ سے دیکھ۔ مجھ درماندہ اور شکستہ دل کے حال پر نظر کر۔ ہر چند میں تیرے کرم کے لائق نہیں ہوں لیکن تو مجھ پر نہیں اپنے کرم پر جا ۱۲ ۶۳ چھوٹی سی کتاب کو رسالہ کہتے ہیں ۱۲ ۶۴ یعنی جس طرح ربر سے پنسل کا لکھا ہوا مٹ جاتا ہے اسی طرح توبہ سے گناہ محو ہو جاتے ہیں ۱۲ ۶۵ قرآن میں ایک جگہ قرضاً حسناً آیا ہے۔ اس سے قرض حسنہ نام پڑگیا۔ عرف میں قرض بے سود ۱۲

مجلس کو وجد[۵۱] ہوتا تھا۔ باپ کے لیے اُس نے تو یہ رُباعی[۵۲] کا ایسا مضمون سوچا کہ اس کا خط گویا سات سو روپے کی درشنی ہنڈی تھی۔ جانے کی دیر تھی اور روپیے ملنے کی دیر نہ تھی لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ قاصد نہیں نامہ بر[۵۳] نہیں خط جائے تو کیسے جائے۔ ہانسی حصار کی طرف کا سپاہی کچھ حرف شناس سا تھا اور جب اُسکو پہرے وغیرہ سے فراغت ہوتی تو وہ قصہ شاہ روم۔ سپاہی زادہ بنجارہ نامہ۔ کنز المصلی منظوم اس قسم کے اردو کے رسالے نثر کو پریشان، نظم کو ناموزوں کر کے اپنی کرخت سنگ لاخ[۵۴] بولی میں پڑھا کرتا تھا کلیم کو شاعری کے ذریعے سے اُس سپاہی کیساتھ تعارف پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ منت سماجت سے کلیم نے اُس کو خط پہنچا دینے پر آمادہ کیا۔ اور اُجرت یہ ٹھیری کہ کلیم اُس کے اور اُس کے دو بیٹوں کے سہجے[۵۵] بنا دے۔ نام ان کمبختوں کے اتفاق سے ایسے ٹیڑھے تھے کہ بیچارہ کلیم بہتیرا غور کرتا تھا کسی ڈھب سے نہیں کھپتے تھے۔ اور واقع میں نتھے خاں چمن خاں بدھو خاں کے ناموں کے سہجے کوئی کہے تو کیا کہے اس پر خرابی یہ کہ نتھے خاں جاہل کندۂ ناتراش پسند کرنے والا سخن فہم۔ کلیم بہتر سے بہتر سہجے لکھکر بیچارہ سنکر ہنس دیتا اور کہتا کہ بچا جی یہ تو ٹھیک نہیں بیٹھا بڑی بڑی خرابیوں سے کوئی چھ سات دن میں کلیم نے نتھے خاں کی فرمایش پوری کی۔ غرض کلیم کا خط باپ تک پہنچا۔ وہ اس طرح کی طلب تھی کہ اس میں امروز فردا کی گنجایش ہو۔ نصوح نے خط پڑھتے کے ساتھ ساتوں کے ساتوں سو روپیے عذر گن دیئے کلیم اس مرتبہ بھی باپ سے نچوکا ضرورت تھی پانسو کی اور منگوائے سات سو پانسو دے کر تو ٹی پائی۔ باقی بچے دو سو اس میں کپڑے لتے سامان سفر درست کر اسیوقت دولت آباد کا راستہ لیا۔

کلیم نوکری کی جستجو میں دولت آباد گیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا۔ لڑائی میں زخمی ہوا اور مردوں کی طرح چار کہاروں پر لد کر دلی آیا

یہ دولت آباد ایک چھوٹی سی ہندوستانی ریاست ہے البتہ کوئی پانچ چھ لاکھ روپیے سال کا محاصل[۵۶] اس میں ہو سکتا تھا لیکن ایک نوجوان ناتجربہ کار مسند نشین ہوا۔ خوشامدی صلاح کار بچے مصاحب موقع پا کر آ جمع ہوئے اور دولت آباد کو چھوٹا لکھنؤ[۵۷] بنا دیا۔ جہاں جہاں اس مذاق کے لوگ تھے سب فری میشن[۵۸] کی طرح ریاست

[۵۱] جوش و خروش ۱۲ [۵۲] دکھا دے گی ۱۲ [۵۳] خط کا پہچانے والا ۱۲ [۵۴] سخت ۱۲ [۵۵] پتھر کی طرح کی ۱۲ [۵۶] نام اس طرح شعر میں لکھ دینا کہ جزو مطلب بن جائے ۱۲ [۵۷] دیہاتی بولی کی نقل کرنی منظور ہے یعنی یہ کہ یہ ادب بیٹھا کو تشدید کے ساتھ بیٹھا بٹھو ۱۲ [۵۸] آمدنی ۱۲ [۵۹] لکھنؤ کا دربار عیاشی میں ضرب المثل تھا اسی سے وہاں کی سلطنت تباہ ہوئی ۱۲ [۶۰] انگریزوں میں ایک قسم کا فرقہ ہے جس کا حال کوئی نہیں بتاتا اور جس کو معلوم ہے بتا نہیں سکتا ۱۲

دولت آباد کے حالات معلوم تھے۔ کلیم بھی سن سن کر دولت آباد کا ایسا مشتاق تھا جیسے زاہد مرتاض[۱] جنت کا
غرض کلیم دو منزلہ[۲] طے کرتا ہوا دولت آباد پہنچا اور قبل اس کے کہ کسی سے تعارف پیدا کرے اس نے اپنا سامان
ظاہر درست کر کے پھر ایک مرتبہ سرائے میں امیری ٹھاٹھ[۳] لگا بیٹھے۔ مدح رئیس میں قصیدہ تو اس نے سفر ہی میں
کہنا شروع کر دیا تھا صرف عرض حال اور قطعہ دعائیہ باقی تھا۔ جلدی جلدی تمام کر اسی قصیدے کو ذریعہ
دربار دولت پر جا حاضر ہوا مگر شامت اعمال اور باپ کی ناخوشی کا وبال اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہونے
دیتا تھا۔ اس کے دولت آباد میں چند روز پہنچنے سے پہلے یہاں بساط الٹ چکی تھی۔ بدنظمی ریاست کی خبریں
صاحب ریذیڈنٹ[۴] کو پہنچیں۔ اور انھوں نے بذات خاص دولت آباد پہنچ کر رئیس سے کل اختیارات منتزع
کر کے امور ریاست کا اہتمام ایک کمیٹی کو تفویض کیا جس میں ریاست کے چند قدیم نمک خوار تھے جو رئیس کی بے
اعتدالیاں دیکھ کر ترک خدمت کر کے گھر بیٹھ رہے تھے۔ اور اس کمیٹی کے میر مجلس انتظام الدولہ مدبر الملک
نواب بیدار دل خان بہادر والی عافیت نگر قرار دیئے گئے۔ کہ رشتے میں رئیس دولت آباد کے ماموں بھی ہوتے
تھے اور ان کا حسن انتظام ان اطراف میں ضرب المثل[۵] تھا۔ اور خود صاحب ریذیڈنٹ بہادر بھی بلا ناغہ ماہ بماہ اپنی
شرکت سے کمیٹی کی آبرو افزائی[۶] کیا کرتے تھے۔ رئیس کو مصارف ضروری کیلئے کمیٹی سے دست برداشتہ کچھ روپیہ
ملتا تھا۔ نابکار مصاحب ایک ایک کر کے نکالے جا چکے تھے غرض جس چاٹ پر کلیم دوڑا آیا تھا وہ بات اب باقی نہ تھی
ناواقفیت کی وجہ سے کلیم نے اطلاع کرائی تو خود اُس ہی کی طرح طلبی آئی۔ یہ تو اس توقع سے خوشی خوشی اندر گیا کہ
بانکے ٹیڑھے رنگیلے چھبیلے وضعدار لوگ بیٹھے ہوں گے۔ مگر جا کر دیکھتا ہے تو بڑے بڑے ثقہ شائستہ[۷] مولوی
پگڑ اور عمامے باندھے بیٹھے ہیں۔ کوئی ورد کر رہا ہے کوئی کتاب دیکھ رہا ہے کوئی اوراد[۸] میں مصروف ہے
اتنا قدم رکھتے ہی بے ساختہ[۹] مطلع پڑھا ؎

جانتے تھے جسے بت خانہ حرم ہیں ۔۔۔ سمجھے تو جا کے کہ نکلے ہم ہی کہاں سے ہم ہیں

مولوی کی شکل دیکھ کر قریب تھا کہ کلیم اس طرح بھاگ کھڑا ہو جیسے لاحول[۱۰] سے شیطان۔ مگر اُس کو خیال ہوا کہ امیروں
کے کارخانے ہیں عجب کیا ہے کہ کوئی خانقاہ بھی ہو۔ چل کے رئیس سے ملا[۱۱] چاہیئے دیکھو ذرا حال تو

سلہ جو شخص ترک دنیا کر کے عبادت کی سخت محنت اٹھاتا ہو ۱۲ سلہ یعنی دو دو منزلیں ایک ایک دن میں چل کر ۱۲ سلہ سامان [illegible] ۱۲ سلہ یعنی اس کی [illegible] ۱۲ سلہ [illegible] ۱۲ سلہ [illegible]
[illegible]

[illegible]

دریافت کریں۔ بارے قریب جا کر اُس نے ایک پیر مرد کو مجرا عرض کرتا ہوں کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ لفظ مجرا اُس کے اُن بزرگ کے کان کھڑے ہوئے اور فوراً آنکھ سے عینک اتار سیدھے ہو کر کلیم کو دیکھنے لگے تب اُس نے ابتداءً رکوع جھک کر ان کو سلام کیا یعنی اپنا مجرا دکھایا۔ اُس بزرگ نے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مِن اَینَ اَنتَ فی ادفالک نجّاک اللہ من المہالک"۔ کلیم: "حضرت قبلہ میں فہم عربی سے قاصر ہوں"۔ مولوی صاحب: "کہاں سے اتفاق مجیئی ہوا؟" کلیم: "دہلی سے"۔ مولوی صاحب: "تقریب؟" کلیم: "امتحانِ بخت اور آزمائش نصیب"۔ مولوی صاحب: "علم و عمل؟" کلیم: "مدحت طرازی اربابِ دول"۔ مولوی صاحب: "غرض و غایت؟" کلیم: "تحصیلِ جاہ و ثروت"۔ تب اُن بزرگ نے مختصر طور پر کلیم کو وہاں کے حالات سے مطلع کر دیا اور کہا کہ یہاں لاشئے محض ہے وہ بھی لا بشرط شئے نہیں بلکہ بشرط لاشئے اور بے اجازتِ خاص حضرت مولانا صدرِ اعظم کے کسی کو اس تک پہنچنے کا امکان نہیں۔ کلیم: "صدرِ اعظم صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں؟" مولوی صاحب: "دیکھو یہیں کہیں ہوں گے"۔ کلیم: "اُن کی شناخت؟" مولوی صاحب: "سِیمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ"۔ کلیم: "میں نہیں سمجھا"۔ مولوی صاحب: "ایک بڑے متقی سے آدمی ہیں۔ نیلی لنگی اوڑھے ہوئے حجرۂ شمالی کے صحن میں طلبہ کو درس دے رہے ہوں گے یا فصل خصومات میں مصروف ہوں گے"۔ کلیم: "ان کو کیا خدمت ہے؟" مولوی صاحب: "جیسے حرفِ ندا لفظ ادعو کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح مولانا صاحب ادام اللہ فیوضہم نائب الرئیس ہیں"۔ کلیم: "میں اُن کی خدمت میں جا سکتا ہوں؟" مولوی صاحب: "لا باس بہ"۔ غرض کلیم صدرِ اعظم صاحب کے پاس پہنچ گیا تو وہ اُس کی نظر میں کچھ بھی نہ جچے۔ یہ سمجھا تھا کہ وزیرِ اعظم اور نائب الرئیس ہیں تو بڑے کروفر کے ساتھ ہوں گے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ولایتی تھا ایک بڑے سے مولوی ہیں۔ وراثت کا ایک جھگڑا اُن کے روبرو پیش ہے اور بیٹھے اپنے ہاتھ سے حساب مناسخہ لگا رہے ہیں۔ کلیم کو ایک اجنبی صورت دیکھ کر انھوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا کہ ان سے فارغ ہو لوں تو آپ سے بات کروں۔ جب تک مقدمہ پیش رہا کلیم غور سے دیکھتا اور سنتا رہا۔ مولوی صاحب بلا کی

---

۹۱ لکھنؤ والوں کا بڑا مؤدب سلام ۱۲ ۹۲ تم بھٹکتے ہوئے کہاں سے آتے ہو خدا تم کو ہلاکت کی جگہ سے نجات دے ۱۲ ۹۳ یعنی میری فہم عربی کے سمجھنے سے کوتاہی کرتی ہے مطلب یہ ہے کہ میں عربی نہیں سمجھتا ۱۲ ۹۴ کہاں سے آنے کا اتفاق ہوا ۱۲ ۹۵ یعنی دولتمندوں کی تعریف کیا کرتا ہوں ۱۲ ۹۶ یعنی امیروں کی مدح کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں بڑا امیر اور بڑے مرتبے کا آدمی ہو جاؤں ۱۲ ۹۷ مطلب تو یہ ہے کہ یہاں کچھ بھی نہیں مگر اس کو مولوی صاحب نے منطقی اصطلاحوں میں بیان کیا اور اس میں منطق کے ایک بڑے مشکل مسئلے کی طرف اشارہ ہے جس کا سمجھنا مبتدی کو مشکل ہے ۱۲ ۹۸ وزیر اعظم وہی نواب احمد دل خان ۱۲ ۹۹ اُن کا حلیہ یہ ہے کہ اُن کی پیشانی پر سجدے کے نشان ہیں ۱۲ ۱۰۰ جھکے ہوئے ۱۲ ۱۰۱ یعنی اور لوگوں کے جھگڑے چکاتے ہوں گے ۱۲ ۱۰۲ مشغول ۱۲ ۱۰۳ یہ علم نحو کا ایک مسئلہ ہے ۱۲ ۱۰۴ اللہ ان کے فیض جاری رکھے ۱۲ ۱۰۵ رئیس کے نائب ۱۲ ۱۰۶ کچھ مضائقہ نہیں ۱۲ ۱۰۷ شان و شوکت ۱۲ ۱۰۸ علم فرائض کے ایک قاعدے کا نام ہے جس کی رو سے وارثوں کے حصے ٹھیک کیے جاتے ہیں ۱۲

موشگافیاں[90] کر رہے تھے تب تو کلیم نے سمجھا کہ واقع میں یہ شخص[91] بڑے پائے کا آدمی اور منصب وزارت کے قابل ہے بارے جب مقدمہ طے ہو چکا تو صدر اعظم صاحب کلیم کی طرف مخاطب ہوئے کہ ہاں حضرت فرمائیے۔ کلیم بندہ ایک غریب الوطن ہے۔ رئیس کی جود و سخا[92] کا شہرہ سن کر مدت سے مشتاق تھا۔ یہ حال ہے، باقی میری معروض ہے۔ صدر اعظم: آپ کی سماعت صحیح لیکن اگرچہ جود[93] و صفت محمود[94] ہے مگر اعتدال[95] شرط ہے۔ شامت[96] اسراف[97] سے غنا[98] باقی نہ رہا۔ فرنگیوں نے حفظ ریاست کی نظر سے رئیس کو ممنوع التصرفات[99] مسلوب الاختیار[100] کر رکھا ہے۔ کلیم: مطلب گنجینہ نہیں سائل خزینہ نہیں ؎

صدف کو چاہیے کیا ایک قطرہ چشمہ یم سے
بجھا لیتا ہے اپنی پیاس کام غنچہ شبنم سے

کلیم نے اس طرح کڑک کر بے دھڑک شعر پڑھا کہ تمام حاضرین اس کی یہ حرکت خارج از سیاق ادب[101] دیکھ کر متعجب ہوئے۔ صدر اعظم صاحب کا منصب، ان کا علم و فضل، ان کی پیری اور وہ ہیبت[102] جو ان کی تہذیب کو لازم تھی یعنی صدر اعظم صاحب کی حالت مجموعی اور اس سے قطع نظر خود کلیم کی حالت اس کی مقتضی تھی کہ وہ پاس ادب ملحوظ رکھتا۔ مگر وہ ایسی ہی بیباکی کو ہنر[103] سمجھتا تھا اور صفت حاضر جوابی[104] پر مرتا تھا۔ شعر اس کا تکیہ کلام تھا۔ بات کہتا تو مقفّٰی کلام کہتا تو موزوں۔ گفتگو روزمرہ میں بھی اس کی یہی کیفیت تھی۔ اور جو کوئی اس کو ٹوکتا تو وہ جواب دیتا کہ ع شاعری[105] تو شعار ہے اپنا۔ کلیم کو صدر اعظم کے حضور میں بے باکانہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوئی لیکن جو امر ان کی حیرت کا موجب تھا وہی ان کو کلیم کے روکنے سے بھی مانع تھا یعنی صدر اعظم صاحب کی ہیبت۔ لوگوں سے زیادہ صدر اعظم صاحب کو حیرت ہوئی ہوگی مگر ان کی تہذیب اس درجے کی تھی کہ انھوں نے کلیم کو نظر بھر کر بھی تو نہیں دیکھا، اظہار ناخوشی و ناپسندیگی تو بڑی بات ہے۔ صدر اعظم: رئیس سے تو توقع عبث ہے مگر انتظام جدید در پیش ہے اگر میں سمجھوں کہ کوئی خدمت آپ انجام دے سکیں گے تو انشاء اللہ مجلس شوریٰ[106] میں جس کو لوگ کمیٹی ناظم ریاست کہتے ہیں آپ کے استحقاق پیش کر دیے جائیں گے اور غالب ہے کہ کوئی خدمت بھی آپ کو مفوض[107] ہو جائے۔ متعدد[108] مناصب[109] خالی ہیں خصوصاً انتظام فوجداری حدود ریاست میں۔ کلیم: چندے حضور مجھ کو اپنی خدمت خاص میں رکھیں اور اس نالایق کی

---

[90] بال کی کھال نکال رہے ہیں ۱۲ [91] رتبے درجے ۱۲ [92] فیاضی ۱۲ [93] سخاوت ۱۲ [94] یعنی تعریف کی بات ہے ۱۲ [95] میانہ روی ۱۲ [96] فضول خرچی ۱۲ [97] تمول۔ دولتمندی ۱۲ [98] یعنی منع کر دیا آئندہ کسی طرح کا دخل نہ دے ۱۲ [99] یعنی کل اختیارات چھین لیے ۱۲ [100] ادب کے قاعدے سے باہر ۱۲ [101] رعب ۱۲ [102] مراد ہے متانت۔ وقار ۱۲ [103] گویائی ۱۲ [104] اشعار تو پہلی بار اس نے پڑھے [105] کو کہتے ہیں جو جلد بدیہہ ابتداءً ہوا ہے مراد ہمیشہ کی عادت ۱۲ [106] وہ مجلس جس میں انتظام کے متعلق اصلاح و مشورہ کیا جائے ۱۲ [107] سپرد ۱۲ [108] کئی ۱۲ [109] عہدے ۱۲

ہنرمندی اور بے ہنری حضور پر منکشف ہو جائے پھر جس خدمت کیلئے ارشاد ہو گا بسر و چشم اُس کو بجا لائے گا۔ اگرچہ خدمتِ فوجداری ہی کیوں نہ ہو ؎

طالب ہوں علم[ف۱] کا کہ علم سے ہی ہم رقم — نیزہ سمجھ کے لیتا ہوں میں ہاتھ میں قلم"

صدر اعظم: فرنگیوں نے جو انتظام کیا ہے وہ ایسی تنگ دلی کے ساتھ کیا ہے کہ اُس میں بہت تھوڑی گنجائش ہے پس قبل اس کے کہ میں آپ کو اپنے پاس کی کوئی خدمت دوں مجھ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کس کام کی انجام دہی پر قدرت رکھتے ہیں" کلیم: بقول غالب ؎

آج مجھ سا نہیں زمانے میں — شاعرِ نغز گو[ف۲] خوش گفتار

صدر اعظم: لیکن انتظام جدید کے مطابق ریاست میں کوئی خدمت شاعری باقی نہیں۔ کلیم ؎

گر سخن گو نہیں تو خاک نہیں — سلطنت[ف۳] ہے عروس بے زینت

صدر اعظم: یہ جو کچھ آپ سمجھیں" کلیم: لیکن ریاست پر کیا منحصر ہے، حضور بھی تو وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں آپکی سرکار میں کیا کمی ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی[ف۴] قصہ مختصر" صدر اعظم: نعوذ باللہ المنان[ف۵] من ہذا اللسان میں بیچارہ نام کا نائب الرئیس اور وزیر ہوں ورنہ فی الحقیقت ایک ذرۂ حقیر ہوں" کلیم: یہ حضور کا کسر نفس[ف۶] ہے بقول ظہوری ؎

سر[ف۷] خدمت بر آستان دارد — پائے رفعت بر آسمان دارد

میں بھی اس بلاد دور دست[ف۸] اور دیار اجنبی میں اتفاق سے آنکلا ہوں اور میں دیکھتا ہوں تو آپ کی سرکار باقتدار میں ایک شاعر کی ضرورت بھی ہے جو آپ کے محامد[ف۹] و اوصاف کو مشتہر کرکے خیر خواہان[ف۱۰] دولت کو راسخ العقیدت اور دشمنان رو سیاہ[ف۱۱] کو مبتلائے ہیبت کرتا رہے" صدر اعظم: یہ آپ کی کریم النفسی[ف۱۲] ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ مجھ کو ضرورت ہو تو ایسے شخص کی ہے کہ جو مجھ کو میرے عیوب پر مطلع کیا کرے" کلیم: اگر مدح و ستائش پسند نہیں تو بندہ وصل[ف۱۳] و ہجر و شوق و انتظار و ناز و نیاز و آسوختت و رباعی و تاریخ و سجع و چیستان و معما بندی

ف۱ شاعر کہتا ہے کہ میں سپاہی مزاج آدمی ہوں اور علم کو جو طلب کرتا ہوں تو اسی وجہ سے کہ علم کے معنے جھنڈے کے ہیں اور علم دونوں ایک صورت سے لکھے جاتے ہیں اور قلم کی پور کو بھی نیزہ کہتے ہیں اسی سبب سے میں ہاتھ میں لیتا ہوں ۱۲ ف۲ نادر شعر کہنے والا ۱۲ ف۳ یعنی شاعر کے بدون سلطنت بے سنگار کی دلہن ہے ۱۲ ف۴ الغرض خدا کے بعد سب سے بڑے تم ۱۲ ف۵ خدائے کریم زبان کی آفتوں سے بچائے ۱۲ ف۶ خاکساری تواضع ۱۲ ف۷ جس کی بلندی کے اعتبار سے دیکھو تو آسمان پہ پاؤں ہیں اور تواضع اس درجے کی ہے کہ چوکھٹ پر سر دھرے بیٹھا ہے ۱۲ ف۸ جو شہر فاصلہ پر واقع ہیں ۱۲ ف۹ عمدہ تعریف کی باتیں ۱۲ ف۱۰ مراد خیر خواہ یعنی جو آپ کے خیر خواہ ہیں ان کی خیر خواہی اور بھی پکی اور مستحکم ہو جائے ۱۲ ف۱۱ یعنی جو آپ کے دشمن ہیں خدا ان کا منہ کالا کرے وہ میرے اشعار سن کر آپ سے زیادہ ڈرنے لگیں ۱۲ ف۱۲ یعنی آپ کی مہربانی ہی چاہتی ہے کہ آپ کی طبیعت میں کبر ہو اس لئے آپ ہیچ کی نسبت الیہا خیال کرتے ہیں ۱۲ ف۱۳ جدائی ۱۲

و تضمین و محاکمہ و رزم و بزم و تشبیہ و استعارات و تجنیس و تمثیلات سراپا ہر طرح کے مضامین پر قادر ہے جو طرز مرغوب طبع ہو اسمیں طبع آزمائی کرے گا " رکھتا اگرچہ عیب تعلی سے عار ہوں ٭ لیکن منتخب روزگار ہوں " صدر اعظم " آپکے ہنرمند بے نظیر و بے مانند ہونے میں شک نہیں لیکن افسوس ہے کہ مجھ کو اس فن کی طرف رغبت نہیں " کلیم " حضور جیسے عالم باکمال کا ایسے فن شریف سے کہ ہم حفظ نفس و ہم قوت روح - رغبت نہ رکھنا میری قسمت کی نارسائی ہے " صدر اعظم " اگرچہ میں اپنے نفس میں انواع و اقسام کی خباثتیں پاتا ہوں لیکن خداوند کریم کا اتنا شکر گذار ہوں کہ اب تو خیر ایسی باتوں سے محترز رہنے کی میری عمر ہے - نہیں عنفوان شباب میں بھی خدا کے فضل سے میں ایسی باتوں کو نہایت ناپسند کرتا تھا " کلیم " سبب کیا، وجہ کیا، موجب جہت کیا، ؟ " صدر اعظم " جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایسے مضامین میں اشتغال و انہماک رکھنے سے ذہول و غفلت استخفاف معصیت - استحسان لہو و لعب - اختیار مالایعنی کے سوائے کچھ اور بھی حاصل ہے ؟ " کلیم " اب اس خصوص میں کچھ عرض کرنا سوء ادب ہے - وہی خدمت فوجداری مجھ کو تفویض فرمائی جائے " صدر اعظم " مجھ کو کچھ عذر نہیں - مگر آپ مجھ سے استشارہ کریں تو بحکم المستشار مؤتمن میں صلاح نہیں دے سکتا اس واسطے کہ رئیس کے ضعف حکومت نے ان مفسدوں کو جو مستقر الریاست سے دور رہتے ہیں ایسا عسیر الانقیاد کر رکھا ہے کہ کوئی فصل بے جنگ و جدال وصول نہیں ہوتی اور ملازمان فوجداری کو ہمیشہ ان کیساتھ معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے - آپکے ذمہ ریاست کے حقوق سوابق نعمت ثابت نہیں - کیا ضرورت ہے کہ ابتداءً ایسی خطرناک خدمت اختیار کیجائے " کلیم " حالت اضطرار کو کیا کیجئے " صدر اعظم " اگر اضطرار ہے تو بلیس روپیہ ماہانہ کا جمع خرچ نویس دفتر ملکی ایک منصب جدید ہونیوالا ہے - چندے آپ اس پر قناعت کریں - میرے نزدیک کنج عافیت کے بیس فوجداری کے پچاس پر ترجیح رکھتے ہیں " کلیم " یہ حضور کی مسافر نوازی ہے لیکن بندہ اس خدمت معاف رکھا جائے کہ ہر کسے را بہر کارے ساختند " یہ کچھ لالہ بھائیوں ہی کو زیبا ہے " صدر اعظم " میں

---

۱ شعروں اور مصرعے لگا کر مثلاً مخمس یا مسدس کرنا ۱۲ ۲ دو مخالفوں میں تصفیہ ۱۲ ۳ لڑائی ۱۲ ۴ مجلس ۱۲ ۵ ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند ٹھہرانا جیسے کسی بہادر کو کہنا کہ اپنے زمانے کا رستم ہے ۱۲ ۶ ایک چیز کی خاصیتوں کو دوسری چیز میں مان لینا جیسے ... ۱۲ ۷ ایک صورت کے الفاظ جیسے علم اور علم ۱۲ ۸ سہرے پاؤں تک معشوقوں کے اعضا کی تعریف ۱۲ ۹ بڑائی ۱۲ ۱۰ اس میں نفس کو بھی مزہ ملتا ہے اور روح میں توانائی بھی آتی ہے ۱۲ ۱۱ پرہیز کرنے کی ۱۲ ۱۲ رات دن ایک بات کے پیچھے پڑے رہنا ۱۲ ۱۳ بھولنا - غافل ہو جانا ۱۲ ۱۴ گناہ کو ہلکا خیال کرنا ۱۲ ۱۵ کھیل کود کی باتوں کو اچھا سمجھنا ۱۲ ۱۶ جو چیز درکار نہیں اسکو اختیار کرنا ۱۲ ۱۷ گستاخی بے ادبی ۱۲ ۱۸ عہدہ ۱۲ ۱۹ جس سے صلاح پوچھی جائے وہ ایک طرح کا امانت دار ہوتا ہے ۱۲ ۲۰ دار السلطنت یعنی رئیس کے رہنے کی جگہ ۱۲ ۲۱ مشکل سے حکم ماننے والے ۱۲ ۲۲ لڑائی جھگڑا ۱۲ ۲۳ پچھلے احسان ۱۲ ۲۴ سخت بے بسی کی حاجتمندی ۱۲ ۲۵ آمدنی کی رقمیں ۱۲ ۲۶ کونا جس میں آدمی آرام سے بیٹھتا ہے ۱۲ ۲۷ ہر ایک شخص کو ایک خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے ۱۲

انما الکلیۃ پھر آپ سے کہتا ہوں کہ جس خدمت کے آپ خواستگار ہیں فی نفسہ خصوصاً اس وقت میں محل خطرہ ہے
کلیم: ع از خطر میندیشد ہر کہ ہمتش عالی ست ؛ صدر اعظم: اچھا تو آپ آل کار کی نسبت تامل صحیح کر لیجیے
پھر دیکھا جائے گا" غرض کلیم صدر اعظم سے رخصت ہو کر اپنی جگہ واپس آیا، مگر حصول مطلب سے مایوس، صدر اعظم
سے بدعقیدت۔ یہاں سرائے میں بعض لوگوں نے اس سے صدر اعظم کی ملاقات کی کیفیت پوچھی تو اس نے نہایت
حقارت سے کہا: جی بس شعر فہمی عالم بالا معلوم شد۔ او از دلی دور چوں دم بر داشتم مادہ خر بر آمد۔ کوڑہ مغز
جسد بے روح۔ جماد بے حس۔ افسردہ دل مردہ۔ ع سنگ نشنید بجائے گیپائی ؛ نہ نا نہ جانے انقلاب
دیکھئے ایوان ریاست کیا ہو فتحپوری کی مسجد ہے" اگرچہ کلیم کو ایسی دل برداشتگی بہم پہنچی تھی کہ وہ کسی طرح ایسی
ریاست کی نوکری پسند نہیں کرتا تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ اس کے پاس اتنا خرچ نہ تھا کہ دوسری جگہ کا قصد کرے
حاجت اسکو صدر اعظم کے پاس جانے پر مجبور کرتی تھی مگر مخالفت رائے اس کو مانع ہوتی تھی یہاں تک کہ اسی
حیص بیص میں پورے دس دن گذر گئے اور کمیٹی منتظم ریاست کے انعقاد کا وقت آپہنچا لیکن اس بندہ خدا نے صدر اعظم
کی طرف رخ نہ کیا۔ بارے یکایک نہیں معلوم کیا خیال اس کے دل میں آیا کہ سپاہیانہ لباس پہن، ہتھیار لگا، موچھوں
پر تاؤ دیے بخدمت فوجداری کا امیدوار بن کر کمیٹی کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ آدمی تھا ماشاء اللہ وجیہ اور اس پر
لسان، ایک دم سے فوج کا کپتان مقرر ہو گیا۔ شاعروں کو ایک چھٹکارہ یہ ہوتی ہے کہ اکثر خود پسند ہوتے ہیں کیوں
کر ہمیشہ تعریف آفریں اور داد و تحسین کے امیدوار رہتے ہیں کلیم بھی اسی مرض میں مبتلا تھا۔ اب جو اس کو دفعۃً
منصب کپتانی مل گیا تو اس کی نخوت کو تائید مزید پہنچی بقول ع سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا۔ جب دیکھو اردلی
میں دس بیس سوار شہر میں گھوڑے کدلتے پڑے پھرتے ہیں۔ چار پانچ مہینے کلیم نے بڑے چین میں گزارے
اور چونکہ باپ کو چھیڑنا منظور تھا دلی میں دوست آشناؤں کے پاس کپتان صاحب کے خط پر خط چلے آتے تھے

ل اپنی طرف سے حجت تمام کرنے کیلئے کہ پھر مجھ پر الزام نہ آئے ۱۲ ل یوں تو اپنی ذات سے ۱۲ ل خوف کی جگہ ۱۲ ل جن کی ہمتیں بلند ہوا کرتی ہیں خطرے نہیں ڈرا کرتے ۱۲ ل انجام کار ۱۲ ل اچھی طرح غور سے ۱۲ ل نا امیدی ۱۲ ل کہتے ہیں کہ یہ مشہور شاعر فیضی صاحب دل دعوت کا منظور ہے سعدی کا ایک بڑا مقبول شعر ہے برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ؛ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار فیضی کو اس شعر پر شک تھا اور اس فکر میں تھا کہ اس سے بڑھ کر کیسے اعتراض کی یہ سوجھا۔ بر ہر جنس کہ بہ ہم گوش بر فوارۂ فیض اوست در جوش ؛ یہ شعر کہہ بہت خوش ہوا صحن میں ٹہل رہا تھا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا اور سے گزری ایک گدھی اس نے جو بیٹ کی تو فیضی کے منہ پر۔ اس پر فیضی بولا شعر فہمی عالم بالا معلوم شد ۱۲ ل دور سے ڈھول سہانے ۱۲ ل دم اٹھا کر دیکھتا ہوں تو گدھی ۱۲ ل احمق ۱۲ ل جسم بیجان ۱۲ ل پتھر جس کو کسی کا احساس نہیں ۱۲ ل ٹھٹھرا ہوا ۱۲ ل جیسے نا تواں کی جگہ کتا آن بیٹھے ۱۲ ل نابکار ۱۲ ل ردو بدل ۱۲ ل کر گزرنے
[illegible] ل تردد تفکر ۱۲ ل جمع ہوئے ۱۲ ل شاندار ۱۲ ل گویا ۱۲ ل تکبر۔ غرور ۱۲ ل زیادہ مدد ۱۲ ل جیسے ناز
کے گھوڑے کو کوڑا، اور یاد دلانا اور تیزی کرنے ۱۲

یہاں تک کہ زور آور سنگھ ایک ٹھاکر نے اپنے علاقہ کی قسط وقت پر ادا کی تنگ طلبی ہوئی تو وہ پھر بیٹھا[1] اس کی سرکوبی[2] کے واسطے دولت آباد سے فوج روانہ ہوئی، اس میں کلیم بھی تھا۔ جوانی کی عمر، نئی نئی نوکری، مزاج میں بیباکی و تہور[3] پہلے ہی حملہ میں میاں زخمی ہوئے تو کیسے سخت کہ دستِ شمشیر[4] گھٹنے کی چپنی پر گولی بیٹھی تو اندر ہی اندر بن[5] ران تک تیر گئی۔ نہیں معلوم نسوں[6] میں کس طرح کا تعلق خدائے تعالیٰ نے رکھا ہے کہ ایک پاؤں کے مجروح ہونے سے سارے کا سارا دھڑ بیکار ہو گیا۔ قاعدہ فوج کے مطابق میدانِ جنگ سے لوتھ کو اٹھا کر دار الشفا میں پہنچایا جراحوں نے زخم کو دیکھا تو ایسا کاری[7] پایا کہ فوراً پاؤں کا کاٹنا لازم آیا۔ اگرچہ اسوقت جراحوں نے پاؤں کو جان کا فدیہ تجویز کیا لیکن کلیم بے چارہ ناز و نعمت کا پلا ہوا تھا اس صدمے[8] کا متحمل نہ ہو سکا اور روز بروز اُس کی حالت ردی ہوتی گئی۔ تپ آنے لگی، زخم بگڑا، ناسور پڑے، اتنا بڑا دھو[9] جوان ایک ہی مہینے میں گھل گھل کر پلنگ سے لگ گیا جب پاؤں کی طرح اس کی زیست کی امید قطع ہو گئی تو ناچار لوگوں نے اس کو دہلی میں پہنچانے کی صلاح کی اور یہ بھی خیال ہوا کہ گھر کے جانے کی مسرت اور تبدیل آب وہوا کی فرحت سے عجب نہیں کہ اس کے دل کو تقویت پہنچے۔ صدر اعظم صاحب حسبۃً للہ متکفل مصارف[10] ہوئے اور دولت آباد سے دہلی تک برابر کہاروں کی ڈاک بیٹھ گئی۔ کلیم دہلی میں پہنچا تو گو راہ میں انیس بیس کا فرق اس کی حالت میں ہو گیا مگر ناتوانی اس درجے کی تھی کہ دن رات میں سات پہر بیہوشی میں گذرتے تھے۔ جب کہاروں نے اس کی ڈولی نصوح کے دروازے پر جا اتاری تو اسپر غشی طاری تھی۔ نصوح بالاخانے پر مصروف عبادت تھا۔ پہلے زنان خانے میں خبر ہوئی۔ فہمیدہ بیتاب ہو کر بے حجاب[11] باہر نکل آئی۔ جوں پالکی کے پٹ کھول کر دیکھا تو بیٹے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس طرح بلک کر روئی کہ سننے والوں کے کلیجے ہل گئے۔ فہمیدہ نے اس بیقراری میں جو بیان کئے ان کے لکھنے سے پہلے قلم کا سینہ شق[12] ہے۔ اور چشم دوات سے اشک[13] جاری ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فہمیدہ کے قلق و اضطراب نے محلے میں حشر بپا کر دیا۔ اگرچہ نصوح گریہ و بکا کی آواز سنکر کھٹکا تھا مگر وہ اسطرح کا مستقل مزاج اور ضابطہ آدمی تھا کہ اسی ترتیل[14] کیساتھ معمولی تلاوت کو پورا کیا۔ اس کے بعد نیچے اتر کر پالکی کے پاس آیا۔ فہمیدہ کا رونا سنکر اور بیٹے کی ردی حالت دیکھ کر بے اختیار اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو چلے جاتے تھے اور بار بار ٹھنڈے ٹھنڈے سانس

---

[1] باغی ہو گیا ۱۲ [2] سر کچلنے ۱۲ [3] حد سے زیادہ جرأت ۱۲ [4] ہاتھ سے گولی لگنے کی جگہ کو بتایا یا تو کہا کہ میرا ہاتھ جہاں ہے اس کی جگہ ہے یعنی ایسا نہ ہو کہیں میرے اس جگہ گولی آ لگے ۱۲ [5] ران کی جڑ ۱۲ [6] رگوں ۱۲ [7] شدید ۱۲ [8] صدمہ ۱۲ [9] بڑا بھاری ۱۲ [10] یعنی انھوں نے رستے کا خرچ اپنے ذمہ لیا ۱۲ [11] بے پردہ ۱۲ [12] جدا ہوا ہے۔ قلم کے شگاف کی طرف اشارہ ہے اور نظم میں لوگ کپڑے پھاڑ لیا کرتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ قلم کو بھی رنج ہے ۱۲ [13] اشک آنسو یہاں مراد دوات کی سیاہی ہے ۱۲ [14] ٹھیر ٹھیر کر ۱۲

بھرا تا تھا مگر نہ کچھ بولتا تھا نہ چالتا تھا۔ آدھ گھنٹہ کامل اُس کی یہی کیفیت رہی اس کے بعد اُس نے اپنے آنسو
پونچھے اور کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ
اَللّٰھُمَّ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْہِ سَکَرَاتِہٖ وَکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّئَاتِہٖ اس کے بعد بی
بی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم کو رنج کرنے سے منع نہیں کرتا تمھارا رنج اقتضائے طبیعت ہے کہ انسان
اُس میں مجبور ہے لیکن مجھ کو تمھارا اضطراب دیکھ کر اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مبادا تمھارے خیالات منجر بہ کفران
ہو جائیں۔ اگر مصیبت کے وقت انسان کے دل میں نعوذ باللہ بجائے نارضامندی بھی خداوند سے
پیدا ہو تو پھر کہیں اُس کا ٹھکانا نہیں خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ
تو کیا مصیبت ہے؟ بزرگان دین پر اس سے کہیں زیادہ مصیبتیں نازل ہوئیں۔ زندہ دفن ہوئے ۔ دو
چیرے گئے۔ سر پر آرے چلے۔ سولی چڑھے۔ قتل ہوئے۔ قید رہے۔ ماریں پڑیں۔ کوڑے سہے۔ گالیاں کھائیں۔
بیگاریں بھگتیں۔ ذلتیں اٹھائیں۔ رسوائیاں جھیلیں مگر خدا اُن کو جزائے خیر دے کیسے سچے بندے تھے کہ
رضا و تسلیم کے حبل متین کو ہاتھ سے نہ دیا۔ یہ کچھ مصیبت اور دل رضا جوئے حضرت رب یہ ایک ہم کہ ایذا اور
زبان سے ناسپاس گزار منت! شکر کا مقام ہے کہ خداوند کریم نے ہمارے ضعف پر رحم فرما کر ہم کو امتحان سخت میں
مبتلا نہیں کیا۔ اگر بندہ صرف یسر و رفاہ کی حالت میں خدا سے راضی ہے اور تکلف و اذیت میں شاکی تو وہ بندہ
بندۂ خدا نہیں بلکہ بندۂ غرض اور مطلب پرست ہے۔ بی بی رنج کرو لیکن صبر کے ساتھ اور مصیبت روؤ
مگر شانِ عبودیت لیے ہوئے۔ دنیا میں جتنی ایذا اور جتنی مصیبت ہے پاداش گناہ و وبال معصیت ہے
اسی واسطے توبہ و استغفار کو لکھا ہے کہ اس سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ سب سے بہتر ہمدردی جو اس شخص کی
اس تباہ حالت میں کر سکتے ہیں یہ ہے کہ اس کے گناہوں کی معافی کے لیے خداوند کریم کے حضور میں منت
و سماجت و دعا کریں۔ یہ شخص تم بھی اس بات کو تسلیم کرو گی، اپنے ہاتھوں اس نوبت کو پہنچا کہ جو اس کو
دیکھے گا با اقتضائے انسانیت تاسف کرے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں تمام دنیا کا غم خدا کی رحمت کاملہ کے

لہ ہم اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں ۱۲ سہ گناہ سے بچنا اور نیکی پر قدرت پانا خدائے بزرگ و برتر کی مدد کے بدون نہیں ہو سکتا میں تو اپنے
رنج و غم کی فریاد خدا ہی سے کرتا ہوں ۱۲ سہ خدایا ہم پر صبر کا مینہ برسا اور ہم کو ثابت قدم رکھ ۱۲ سہ خدایا اس بیمار کی جان کنی کو آسان کر اور اس کے گناہوں کو
جھاڑ ڈال ۱۲ سہ کھینچنے والے یعنی ایسا نہ ہو کہ تمھارے خیالات تم کو کفران یعنی ناشکری کی طرف لیجائیں ۱۲ سہ خدا کی پناہ ۱۲ سہ دنیا اور آخرت دونوں
کا زیان اور یہی کھلا ہوا زیان ہے ۱۲ سہ رضا و تسلیم کے معنی یہ کہ جو کچھ ہو اور جو خدا کے حکم سے ہو انسان اس سے رضامند ہو اور خوشی سے
اس کو تسلیم کرے ۱۲ سہ مضبوط رسی ۱۲ سہ حضرت رب سے مراد ہے خدائے تعالیٰ ۱۲ سہ یعنی زبان احسان کی شکر گزار ۱۲ سہ فارغ البالی ۱۲
سہ خوشحالی ۱۲ سہ تکلیف ۱۲ [illegible] بندگی کی شان یہ ہے کہ جو [illegible] کیا اس پر اعتراض نہیں [illegible] نارضامندی نہیں ۱۲

لگے ہزاروں لاکھوں حصہ بھی نہیں ہے۔ اگرچہ ہم لوگوں کو دیکھنے میں اس کی حالت بہت ہی زبوں ہے لیکن کوئی شخص اس سے بڑھ کر خوش قسمت نہیں اگر اس کی یہ تکلیفیں عند اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ[۱] سمجھی جائیں نصوح کے وعظ کا سحر حلال ایسا نہ تھا کہ کوئی اس کو سنے اور متاثر نہ ہو۔ فہمیدہ فوراً منہ پونچھ سیدھی ہو بیٹھی۔ اور اب میاں بی بی لگے آپس میں صلاح کرنے کہ کیا کیا جائے۔ نصوح: اس کو محلے کے شفاخانے میں پہنچا دینا چاہئے۔ ہر وقت ڈاکٹر کے پیش نظر رہے گا۔ مکان بہت پُر فضا[۲] ہے۔ اس کی طبیعت کو بھی تفریح ہوگی۔ فہمیدہ: سچ ہے اور میرا دل کیوں کر صبر کرے گا؟ نصوح: یہ تمہارا کہنا بھی واجب۔ مگر بیمار کی حالت ایسی ردی[۳] ہے کہ کسی وقت اس طبیب[۴] کا مفارقت کرنا مناسب نہیں۔ فہمیدہ: حکیم جی شوق سے آئیں جائیں میں ستری میں پردہ کئے بیٹھی رہوں گی۔ نصوح: زخموں کا علاج کچھ ڈاکٹروں ہی سے خوب بن پڑتا ہے۔ یونانی طبیب تو اس کوچے سے محض نابلد[۵] ہیں۔ رہے جراح ان کو دو چار مرہم ضرور معلوم ہیں مگر تشریح[۶] سے جیسے یونانی طبیب بے خبر ویسے ہی جراح ناواقف۔ بہتر ہوگا کہ اس کو نعیمہ کے گھر لے چلیں۔ سرکاری شفاخانہ بھی قریب ہے اور میاں جیسے کہ اس وقت ہندوستانی جراحوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے دیوار بیچ ان کا گھر ہے۔ فہمیدہ نے بھی اس صلاح کو پسند کیا اور کیسا سامان اور کس کی تیاری گھر کا گھر کلیم کی پالکی کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں سے کوئی چھ سات پیسے ڈولی نعیمہ کی سسرال تھی۔ کہاروں نے پالکی اٹھائی تو کہیں کندھا تک نہیں بدلا، ادھر نعیمہ کے گھر جا اتارا۔ یاد ہوگا کہ نعیمہ ماں سے لڑ کر بے صالحہ کے ساتھ خالہ کے یہاں چلی گئی تھی۔ پھر چار مہینے وہاں ہی نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی برکت سے خدا نے اس کو ہدایت دی اور وہ بھی نیک بن گئی ؎

سگِ[۷] اصحاب کہف روزے چند ** پئے نیکاں گرفت و مردم شد

نیک بننے پیچھے ممکن نہ تھا کہ وہ ماں باپ کی ناراضمندی گوارا کرتی۔ اس نے ماں باپ کو شاد اور خدا نے اس کو اپنے گھر میں آباد کیا۔ اس کو سسرال گئے دوسرا مہینا تھا کہ کلیم کو چار کہاروں کے کندھوں پر لاد کر اس کے گھر لے گئے۔ چونکہ نعیمہ کا گھر آباد ہونے کا تذکرہ آگیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نعیمہ کا حال لکھا جائے اور کلیم کو جو دنیا میں اب مہمان چند روزہ ہے پیچھے دیکھ لیا جائے گا۔

۱؎ گناہ کا بدل یعنی یہی تکلیفات اس کے گناہوں کی سزا ہوں اور عاقبت میں مواخذہ نہ ہو ۱۲ ۲؎ وسیع کشادہ ۱۲ ۳؎ خستہ حال ۱۲
۴؎ یعنی طبیب سے جدا رہنا ۱۲ ۵؎ ناواقف ۱۲ ۶؎ انسان کے بدن کی بناوٹ ۱۲ ۷؎ کہف کے معنی غار کے ہیں۔ خدا کے چند بندے ظالم بے دین بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے۔ ایک کتا بھی ان کے ساتھ لگ لیا تھا۔ یہاں ان سب کو خدا نے ایسا سلایا کہ کئی سو برس کے بعد جاگے۔ شعر میں اس قصے کی طرف اشارہ ہے کہ اصحاب کہف کا کتا چند روز کے لئے نیک لوگوں کے پیچھے لگ لیا اور ان کی برکت سے آدمی بن گیا ۱۲

فصل دوازدہم

نعیمہ خالہ کے یہاں رہ کر خود بخود درست ہو گئی۔ اپنے ماں باپ سے اپنی خطا معاف کرائی اور خدا نے اس کا مدتوں کا اجڑا ہوا گھر پھر آباد کیا۔ کلیم نے بہن کے گھر وفات پائی۔ قصہ کا خاتمہ

نعیمہ اور کلیم اس اعتبار سے دونوں کی کچھ ایک ہی سی کیفیت تھی کہ زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے عادتیں دونوں کی راسخ[۵۱] ہو چکی تھیں۔ بیاہے ہوئے اور صاحب اولاد دونوں تھے۔ کلیم کو بی بی سے کچھ اُنس نہ تھا تو نعیمہ کا شوہر سے بگاڑ تھا۔ نعیمہ اگرچہ کلیم کی طرح سب میں بڑی نہ تھی مگر بڑی بیٹی تھی۔ لیکن پھر بھی کلیم فولاد تھا تو نعیمہ کو اُس کے مقابلے میں سیسہ بلکہ رانگ سمجھنا چاہیے۔ کلیم مرد تھا قسی القلب[۵۲]۔ نعیمہ عورت نرم دل۔ کلیم باہر کا چلنے پھرنے والا سینکڑوں آدمیوں سے تعارف[۵۳]، ہزاروں سے جان پہچان۔ نعیمہ بیچاری پردے کی رہنے والی میل ملاپ سمجھو تو اور پیار اخلاص سمجھو تو ماں بہن خالہ، نانی، کنبے کی عورتوں سے وہ بھی گنتی کی۔ کلیم اور نعیمہ دل دونوں کے بیمار تھے لیکن کلیم کے دل کو ذاتی روگ کے علاوہ صدہا بیماریاں اس قسم کی تھیں جو متعدی کہلاتی ہیں یعنی ایک سے اُڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہیں۔ پس کلیم کے مزاج میں چند در چند خرابیاں تھیں جو اس نے بری صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے پیچھے لگا لی تھیں۔ نعیمہ میں جو کچھ برائی تھی ماں باپ کے لاڈ پیار علم کی ناداری اور عقل کی کوتاہی کی وجہ سے تھی۔ کلیم دلیر بیباک اور سعیا[۵۴] رو چالاک تھا۔ نعیمہ بیوقوف بھولی اور ڈرپوک دل کی بودی۔ کلیم کے سر پر ایک سخت بلا مسلط[۵۵] تھی یعنی اُس کے جلیس[۵۶] ہم نشین اور نعیمہ اس سے بالکل محفوظ تھی۔ کلیم میں اس قسم کے بیہودہ عیوب تھے جن میں آجکل کے کمبخت نوجوان شریف زادے کثرت سے مبتلا پائے جاتے ہیں یعنی عورتوں کی سی تحسین[۵۷] رہنا اور بناؤ سنگھار رکھنا۔ پہر دن چڑھے سو کر اٹھے۔ ضرورتوں سے فارغ ہو کر آئینے کی تلاوت شروع ہوئی تو دوپہر کر دیا اگرچہ رات کو مانگ اور پٹیوں کے لحاظ سے رومال باندھ کر اور سر کو الگ تکیہ پر رکھ کر سوئے تھے مگر آئینے میں منہ دیکھا تو زلف کی پریشانی پر اس قدر تاسف کیا کہ سر اسحاق[۵۸] نیوٹن نے بھی اپنے اوراق کی بربادی پر اس قدر افسوس نہ کیا ہوگا۔ ہائے اگر اصلاح کا دن نہ ہوا تو گھنٹوں کی محنت اکارت، وہ بھی اپنے اکیلے کی نہیں

---

۵۱ پکی جمی ہوئی ۱۲ ۵۲ سخت دل ۱۲ ۵۳ جان پہچان ۱۲ ۵۴ ہوشیار سیانا ۱۲ ۵۵ سر پر سوار ۱۲ ۵۶ پاس کے بیٹھنے والے ۱۲ ۵۷ بناؤ سنگھار ۱۲ ۵۸ انگلستان کا بڑا مشہور حکیم۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک کتے کو بہت عزیز رکھتا تھا کتے نے کاغذات پر جلتی ہوئی شمع گرا دی اور نیوٹن کی برسوں کی محنت جل کر راکھ ہو گئی ۱۲

بال ٹھکانے لگے اور مانگ درست ہوئی۔ اور اگر کہیں اصلاح کا دور نحوس ہوا تو سارا دن گزر گیا، ایک وضع خاص پر
سر جھکائے جھکائے گردن شل ہو گئی داڑھی مونچھوں کے ترشوانے میں منھ کو لقوہ مار گیا، حجام کی آنکھوں تلے
اندھیرا آنے لگا مگر پھر بھی انکا خط خاطر خواہ نہ بنا۔ کپڑے بدلنے کی نوبت پہنچی۔ ٹوپی قالب اُتر کر آئی تو سر پیٹ لیا
مگر ایسی احتیاط سے کہ بال نہ بگڑیں۔ اس کے بعد انگرکھے کی چُنٹ پر چین بہ جبیں ہوئے۔ پھر تو اودھر انگرکھے کی آستینوں
اور اودھر پائجامے کی تنگ موہریوں کے ساتھ ہاتھاپائی شروع ہوئی۔ مشکل یہ آکر پڑی کہ کپڑا مہین، کشاکش کا
متحمل نہیں، ذرا زور پڑا اور مسکا اور ہاتھ پاؤں کہتے ہیں کہ ہم ان چونٹی کے بلوں میں گھسنے کے نہیں حتّیٰ یلج الجمل
فی سمّ الخیاط بارے کاغذ کے سہارے سے ہوتے ہوتے پھسلاتے پھسلاتے کہیں پہروں میں جا کر مشکل آسان ہوئی
اب ملبوس خاص زیب تن تو ہوا مگر کس کیفیت سے کہ تنگی اور چستی کے مارے مشکیں الگ کسی ہوئی ہیں، پاؤں علیحدہ
جکڑے ہوئے ہیں اور سارا بدن گویا شکنجے میں ہے۔ کھانسنا، چھینکنا، جمائی، انگڑائی تو درکنار گھنڈی تکمے کے لحاظ
بندوں کے پاس خاطر سے اچھی طرح سانس بھی نہیں لے سکتے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ لباس سے غرض اصلی بدن کا
ڈھانکنا اور آسایش پہنچانا ہے اس میں کبر نخوت کو دخل دیکر کیا ناس مارا ہے کہ غرض اصلی گئی گذری ہوئی اور
تکلیف و ایذا الٹی گلے مڑھی گئی۔ مقصود حقیقی پردہ پوشی، ان بے ڈھنگ ذات نے اس میں خراش تراش اور وضعداری
کو ایسا شامل کیا کہ کپڑوں نے اندرون دل تک کا لفافہ اودھیڑ کر رکھ دیا۔ اب اُن کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں
صورت می بین حالش مپرس۔ کلیم بھی ایک اسی طرح کا چھیلا تھا بد وضع آوارہ جس کے اطوار و عادات جابجا لکھے جا چکے
ہیں۔ اس خصوص میں نعیمہ شرفا کی بہو بیٹیوں کی طرح کالدرّ المکنون محفوظ اور مصئون تھی۔ اس میں اور کلیم میں
بے مبالغہ فرشتے اور شیطان کی نسبت سمجھنی چاہیئے۔ غرض نعیمہ کا رو براہ ہونا دشوار ضرور تھا مگر کلیم کی
طرح محال، مشکل البتہ تھا لیکن نہ کلیم کے مانند متعذر۔ خالہ کے یہاں ڈولی سے اُترتے ہی تو جوں خالہ کی شکل
دور سے نظر پڑی کہ بھوں بھوں رونا شروع کیا۔ دیہات کی مستورات کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی مہمان یا
مسافر بہت دنوں کے بعد آتا ہے تو اُس سے مل کر رونے لگتے ہیں اس واسطے کہ اس وقت انکو مفارقت کی سختیاں
اور تکلیفیں اور یادگاری و انتظاری کی زحمتیں یاد آتی ہیں۔ مگر دلی کا یہ دستور نہیں ہے یہاں کی عورتیں اسی حالت
میں روتی ہیں جب کے طرفین میں سے کسی کا کوئی عزیز قریب ان جدائی میں مر گیا ہو ورنہ یوں مہمان و مسافر

سه اکڑ گئی ۱۲ سه ہلکی قسم کا فالج ۱۲ سه سانچا جس پر لوگوں کو گول ٹوپی کی ضرورت ہوتی ہے شکن نکالنے [illegible] ٹوپی کو سلوٹیں پیر تان لیا
کرتے ہیں ۱۲ سه کھینچ تان ۱۲ سه تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں ہو کر نہ گذر جائے ۱۲ سه یعنی دلی خیالات ظاہر کر دیئے ۱۲ سه اختیار [illegible] ۱۲
محفوظ اور مصئون ہم معنی ہیں ۱۲ سه رونے کی آواز کی نقل ۱۲

کے لڑکے پر رونا دنی والیاں منحوس سمجھتی ہیں۔ گو خالہ کو دیکھ کر نعیمہ کے دل میں جوش پیدا ہوا تھا مگر اس کو ضبط کرنا چاہیے تھا۔ لیکن نہ تو نعیمہ کو اتنی عقل تھی کہ اتنی بات سمجھتی اور شاید سمجھی بھی ہو تاہم وہ دل پر اسقدر رقتا نہ تھی۔ خالہ نے جو اس کو روتے دیکھا سخت تعجب کیا۔ بھانجی کی عادت سے واقف تھیں سمجھ تو گئیں کہ ماں سے روٹھ کر آئی ہے اسی کا یہ رونا ہے لیکن جلدی سے دوڑ بھانجی کو گلے لگا لیا اور پیار چمکار کر بہت کچھ تسلی دی اور سمجھایا کہ اللہ رکھے بیٹے کی ماں ہوئیں، اب تمھاری عمر بچوں کی طرح رونے کی نہیں ہے ہمسائے کی عورتیں سنیں گی تو کیا کہیں گی جانے دو، بس کرو، طبیعت کو سنبھالو، جی کو مضبوط رکھو۔ نعیمہ: اماں نے مجھے مارا اوں اوں۔ خالہ: مارا تو کیا ہوا۔ ماں باپ ہزار بار لاڈ کرتے ہیں تو نصیحت کے واسطے مار بھی بیٹھتے ہیں۔ ماں باپ کی مار مار نہیں سنوار ہے۔ تمھاری نانی خدا جنت نصیب کرے بڑی ہی چہیتی تھیں۔ تم اس بات کو سچ مانا کہ اب ہم ان کی مار کو ترستے ہیں۔ ماں باپ کی مار کیا ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے؟ جنھیں خدا کو بہتر کرنا منظور ہوتا ہے وہ ماں باپ کی مار کھاتے ہیں بھلا تم نے اس بات کا خیال کیا! ہوش میں آؤ دیکھو تمھارا بیٹا بھی تمھارے رونے پر ہنستا ہے (ننھے بچے کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں جی بڑے میاں تم کچھ اپنی اماں جان کو نہیں سمجھاتے۔ بچہ: اغوں۔ خالہ: اغوں غٹ دودھ پی پی کر میاں ہوئے موٹے۔ غرض خالہ نے نعیمہ کے رونے کو باتوں میں ٹال دیا۔ چندے نعیمہ جھینپی سی رہی مگر پھر تو ہنسی خوشی رہنے لگی۔ اگرچہ خالہ نے بھانجی سے رونے کا سبب مصلحتہً نہیں دریافت کیا مگر موقع سے صالحہ کو الگ لیجا کر ساری حقیقت پوچھی اور جب اس کو بہن کے گھر دینداری کی چھیڑ چھاڑ کا ہونا معلوم ہوا تو اس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان میں نہیں آ سکتی اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جب تک نعیمہ کو پکی دیندار نہ بنا دے گھر سے رخصت نہ کرے۔ خالہ کے گھر رہ کر نعیمہ کی عادتوں کا خود بخود درست ہو جانا عمدہ مثال ہے اس کی کہ صحبت سے بڑھ کر تعلیم کا کوئی اچھا طریقہ نہیں۔ ماں کے گھر چند خاص باتیں نعیمہ کی اصلاح میں خلل انداز تھیں۔ اول تو اس نے ماں اور تمام خاندان کو بددینی کی حالت میں مدتوں زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھا تھا پس بالضرور ان کی نصیحت کو وہ وقعت نہیں ہو سکتی تھی جو یہاں خالہ کی باتوں کو تھی دوسرے ماں کے گھر بھائی بہن نوکر چاکر پاس پڑوس والے کتنے لوگ تھے جو نعیمہ کو ابتدائے عمر سے ایک طرز خاص پر دیکھتے چلے آتے تھے نعیمہ کو ان کے روبرو طرز جدید اور جدید بھی کیسا کہ طرز سابق سے مخالف، اختیار کرتے ہوئے عار آتی تھی تیسرے ماں کے یہاں اتفاق سے اس کو ایک سختی بھی پیش آ گئی تھی اور وہ سختی اس کی حالت کے کسی طرح مناسب

لے رونا دنی [illegible] ۱۲ سلے [illegible] پیار ۱۲ سلے یعنی ان کا ماتھا [illegible] نے بہت خوب چھیڑا ہوا تھا ۱۲ سلے چھوٹے بچے کے بولنے کی نقل اور غوں غٹ ایک مہمل لفظ۔ موٹے کا وزن [illegible] ۱۲ [illegible] چرچا ۱۲

نہ تھی۔ چوتھے اس کو ان پر بڑا ناز تھا یعنی اُن کی خدمت میں شدت سے گستاخ تھی اور اُن کے کہنے کی
مطلق پروا نہیں کرتی تھی۔ خالہ کے یہاں آ کر بھی تو کسی نے بھول کر بھی اُس سے تذکرہ نہ کیا کہ دینداری کوئی
چیز ہے یا خدا کی پرستش بھی انسان کا ایک فرض ہے۔ مگر تھا کیا کہ چھوٹے بڑے ایک رنگ میں تھے صِبْغَةَ اللّٰهِ[51]
وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور اُن کے تمام حرکات و سکنات شانِ دینداری لیے ہوئے تھے۔ اُن کی نشست
برخاست، اُن کی رفتار و گفتار، اُن کا قول و فعل، اُن کی بات چیت، اُن کا میل جول، اُن کا لڑائی جھگڑا،
اُن کا کھانا پینا، اُن کی خوشی، اُن کا رنج کوئی ادا ہو وہ ایک نرالی دیندارانہ ادا تھی۔ نعیمہ کو خالہ کا گھر ایک نئی دنیا
معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ ابتداءً وہ یہاں کے اوضاع کو حقارت سے دیکھتی تھی لیکن جوں جوں وہ ان دستوریات
سے مانوس ہوتی گئی اُن کی عمدگی اور بہتری اُس کے ذہن میں بیٹھتی گئی۔ آخر اُس کو ثابت ہوا کہ بیدین زندگی
محض ایک بے اطمینان بے سہارے زندگی ہے۔ اگر رنج و ایذا ہے تو کوئی وجہ تسلی، کوئی ذریعہ تشفی نہیں اور اگر آرام و
خوشی ہے تو اس کو ثبات[52] و قرار نہیں۔ فاقہ ہے تو صبر نہیں، کھانا ہے تو سیری[53] نہیں۔ بدی کی سزا نہیں نیکی کی جزا نہیں
بیدین آدمی ایسا ہے جیسے بے نکیل کا اونٹ، بے ناتھ کا بیل، بے لگام کا گھوڑا، بے ملاح کی ناؤ، بے ریگولیٹر
کی گھڑی، بے شوہر کی عورت، بے باپ کا بچہ، بے نگینے[54] کی انگوٹھی، بے لالی کی مہندی، بے خوشبو کا عطر، بے
باس کا پھول، بے طبیب کا بیمار، بے آئینے کا سنگھار، یعنی دین نہیں تو دنیا و ما فیہا سب ہیچ اور عبث اور فضول
اور پوچ اور لچر ہے۔ نعیمہ نے رفتہ رفتہ خود بخود خالہ کی تقلید شروع کی۔ وہ ہمیشہ پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اٹھتی تھی
اور یہاں چھوٹے بڑے منہ اندھیرے ضرورتوں سے فارغ ہو عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوتے تھے۔
یہ گھر بھر کا اٹھنا اور وہ بھی نرا اٹھنا اور چارپائیوں پر لدے بیٹھے رہنا نہیں بلکہ چلنا پھرنا کام کاج کرنا۔
ہر چند نعیمہ کی وجہ سے احتیاط کی جاتی تھی مگر کہاں تک کچھ نہ کچھ آہٹ آواز ہوتی ہی تھی۔ بعد چندے نعیمہ کی
آنکھ بھی سب کے ساتھ کھلنے لگی اور جاگی تو ممکن نہ تھا کہ اُس کو اپنی حالت پر تنبیہ نہ ہو۔ اس واسطے کہ وہ اپنے تئیں
دیکھتی تھی کہ بچے کی نجاست میں لتھڑی ہوئی پڑی انگڑائیاں لے رہی ہے سست، اداس، مضمحل، نیند کے خمار
سے کسلمند اور دوسرے ہیں کہ چاق و چوبند چست و چالاک تازہ دم پاک صاف خدا کی درگاہ میں شکر کے سجدے کر رہے
ہیں کہ رات امن چین سے کٹی اور دعائیں مانگ رہے ہیں کہ یا الٰہا ہم کو روزی دے اتنی فراغت سے کھائیں۔ رزق
دے ایسا کہ دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں حاجت نہ لیجائیں یا رِ خدایا بیماروں کو شفا، گمراہوں کو ہدایت۔

---

۵۱ خدا کا رنگ اور اُس کے رنگ سے کس کا بہتر ہوگا ۱۲ ۵۲ ٹھیراؤ ۱۲ ۵۳ پیٹ نہیں بھرتا ۱۲ ۵۴ نگیں ۱۲ ۵۵ بے روی ۱۲
۵۶ آنکھی ۱۲ ۵۷ نیند کے اثر کا بقیہ ۱۲

قیدیوں کو رہائی[۵۱]۔ مسافروں کو امن۔ بھوکوں کو روزی۔ قحط زدوں کو ارزانی[۵۲]۔ تشنہ کاموں[۵۳] کو پانی۔ مایوسوں[۵۴] کو امید۔ ناکاموں کو کامیابی کی نوید۔ مفلسوں کو قناعت۔ تونگروں کو سخاوت۔ بے اولادوں کو اولاد۔ نامرادوں کو مراد۔ جاہلوں کو علم۔ عالموں کو عمل۔ زاہدوں کو اخلاص۔ حاکم وقت کو توفیق عدل[۵۵]۔ داد رعیت شاد۔ ملک آباد۔ کیا اپنے کیا غیر کل جہان کی خیر مقتنہ ہوئے پیچھے نعیمہ کی اصلاح ہوئی ہوائی تھی تھوڑے دنوں میں وہ دیندار خدا پرست بن گئی۔ نماز روزے کی پابند۔ وعظ و نصیحت کی دلدادہ[۵۶]۔ منکسر[۵۷]، متواضع، ملنسار، صلح جو، نیک خو، شائستہ[۵۸]، باوجودے کہ نعیمہ ایک آسودہ حال گھر کی بیٹی تھی اور اُسنے ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی اور ماں باپ کو اُس کی دلجوئی اور خاطرداری ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی باایں ہمہ وہ اپنے مزاج، اپنے عادات، اپنے خیالات کے پیچھے سدا ناخوش رہا کرتی تھی۔ اور چونکہ طبیعت میں برداشت مطلق نہ تھی ذرا سی تکلیف کو وہ مصیبت کا پہاڑ بنا لیتی۔ اگر کسی نوکر نے مرضی کے مطابق کوئی چھوٹا سا کام نہ کیا مثلاً کھانے میں نمک پھیکا یا تیز ہو گیا، یا روٹی کو چتی لگ گئی، یا کپڑے کی سلائی اس کی خاطر خواہ نہ ہوئی، یا بچہ کسی وقت رونے لگا۔ ان میں سے ایک ایک بات کا سارے سارے دن اس کو جھکڑ لگ جاتا تھا اور جو کہیں خدانخواستہ خود اس کی طبیعت یوں ہی سی علیل ہو گئی یا اُس کو اپنی خانہ ویرانی کا کبھی خیال آ گیا تو ہفتوں گھر بھر کا عیش منغص[۵۹] ہوا۔ اب خیالات دینداری کے ساتھ اُس کو عافیت اور اطمینان کا مزا ملا۔ دنیوی کوئی تکلیف نہ تھی جو اُس کو ایذا دیتی ہو۔ مگر ہاں ماں باپ کی ناراضامندی اُس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور ایک ایک بچے اس پر شاق[۶۰] تھا۔ اسی اثنا میں خدا نے اپنے فضل سے نعیمہ کی خانہ آبادی کی صورت بھی نکالدی۔ نعیمہ کا شوہر بڑا دیندار تھا اور اُس کو بی بی ملی نعیمہ جو اُن دنوں دین سے مطلق بے بہرہ اور خدا پرستی سے کلیۃً[۶۱] بے نصیب تھی۔ ہر چند وہ نعیمہ کے حسن و صورت پر فریفتہ تھا مگر اختلاف عادت اختلاف عقائد ایک ایسا پردہ تھا کہ وہ دونوں میں اتحاد پیدا ہونے کا مانع تھا۔ ساس نندیں میاں بی بی کی اتنی ناموافقت کا سہارا پاکر یہی بے رخ ہو بیٹھیں کہ نعیمہ کا رہنا دشوار کر دیا۔ اب نعیمہ کی تبدیل حالت کو تھوڑے ہی دن بعد صالحہ کے چچا کے گھر شادی کی تقریب پیش آئی۔ نعیمہ کو دوہرا بلاوا آیا۔ ایک تو صالحہ کے رشتے سے دوسرا سسرال کی طرف سے کہ صالحہ کی چچا زاد بہن اور نعیمہ دیورانی اور جٹھانی بھی تھیں۔ شادی کے مجمع میں اور عورتوں نے اپنی رات

---

[۵۱] اخلاص ۱۲ [۵۲] سستا سما ۱۲ [۵۳] کام کے معنے تالو یعنی پیاسوں کو ۱۲ [۵۴] ناامیدوں ۱۲ [۵۵] انصاف ۱۲ [۵۶] کھچی ہوئی ۱۲
[۵۷] غریب مسکین ۱۲ [۵۸] مہذب یعنی مانس ۱۲ [۵۹] گدلا ۱۲ [۶۰] ناگوار ۱۲ [۶۱] بالکل ۱۲

گیت گانے اور لایعنی[۵۱] باتیں بنانے میں ضائع کی اور نعیمہ نے نماز عشاء سے فارغ ہو کر جو صلوٰۃ التسبیح[۵۲] کی نیت باندھی تو آدھی رات ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر سو کر تہجد[۵۳] پڑھنے کھڑی ہوئی تو صبح کر دی۔ نعیمہ کی شب بیداری اور تہجد گزاری کی خبر جب اُس کے شوہر نے سُنی تو غایت درجہ محظوظ ہوا اور اگرچہ وہ کبھی کبھی سسرال آ جاتا اور اپنی ذات سے بی بی کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ لیکن بی بی کے بیدین ہونے کے وجہ سے اُس کو اپنی ماں بہنوں کے مقابلے میں بی بی کی طرفداری کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اب جو اُس نے بی بی کا دیندار ہونا سُنا تو ڈولی لیکر دوڑا ہوا سسرال آیا نعیمہ ماں کے رضامند کرنے کے لیے بیتاب تو تھی ہی شادی میں دونوں ایک جگہ جمع ہوئیں تو نعیمہ دُور سے ماں کو دیکھ دوڑ کر قدموں پر گر پڑی۔ اُدھر فہمیدہ باقتضائے مہر مادری مَن جانے کیلئے بہانا ڈھونڈھتی تھی۔ بیٹی کو جھکتے دیکھ جلدی سے اُٹھا گلے لگا لیا اور جب بہن اور بھاوجی سے نعیمہ کا حال سُنا اور رات کے وقت اُس کو خشوع و خضوع کیساتھ عبادت الٰہی کرتے دیکھا تو اُس نے نہ صرف بیٹی کی خطاسے درگزر کی بلکہ پہلے سے زیادہ ریجھ ریجھ کر اُس کو پیار کیا۔ اور جب شادی کے مہمان رخصت ہوئے تو بہن بھاوجی کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے بیٹی کو اپنے ساتھ گھر لوا لائی۔ اور محلے کی بیبیوں کو جمع کر کے ایک ایک سے ملوایا۔ ادھر نعیمہ ساری بیبیوں میں بہ کشادہ پیشانی اپنے قصور کا اظہار کر کر کے کبھی تو ماں کے پاؤں پر سر رکھ رکھ دیتی تھی اور کبھی حمیدہ کو گود میں لے کر پیار کرتی اور اُس کی پیشانی پر جہاں ٹھیکری کا داغ تھا بوسے دیتی تھی کبھی بیدارا کو بلا بلا کر پاس بٹھاتی اور دُتنی کے بدلے دونوں ہاتھ اُس کے سامنے جوڑتی تھی۔ آج شام کو تو نعیمہ ماں کے گھر آئی اگلے دن بڑے سویرے اُسکا میاں ڈولی لے آموجود ہوا نعیمہ چند سے سسرال جا کر رہی تو نہ صرف میاں بلکہ ساس نندیں سارا کنبہ اُس کی نیکی کا مرید و معتقد تھا۔ نعیمہ کو اپنے گھر آئے دوسرا مہینا تھا کہ کلیم اُس حالت سے کہ او پر بیان کی گئی بہن کے یہاں پہنچا۔ بھائی کی ایسی ردی حالت دیکھ کر بہن پر اور بہن بھی کیسی خدا ترس، جو صدمہ ہوا قابل بیان نہیں کلیم اُسی کیفیت سے بہن کے گھر رہا۔ ایک چھوٹے دو ڈاکٹر شہر کے نامی جراح مل کر اسکا علاج کرتے تھے مگر اُس کے زخموں کا بگاڑ کم نہ ہوتا تھا۔ صبح شام تھوڑی دیر کے لیے کبھی کبھی اُس کو ہوش آ جاتا تھا اور ضرور اُس سے پوچھا ہوگا کہ کہاں ہے اور کون لوگ اس کی تیمارداری

---

[۵۱] بیکار ۱۲ [۵۲] صلوٰۃ التسبیح ایک قسم کی نماز نفل ہے جس میں قیام میں پندرہ بار اور رکوع میں دس بار اور قومہ میں دس بار اور سجدے میں دس بار اور جلسہ میں دس بار اور سجدۂ ثانیہ میں دس بار اور جلسۂ استراحت میں دس بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا ہوتا ہے اسی طرح چار رکعتیں ایسی کہ ایک گھنٹے میں مشکل سے پڑھی جاتی ہیں ۱۲ [۵۳] نماز نفل جو آدھی رات کے بعد پڑھی جاتی ہے ۱۲ [۵۴] خوش ۱۲ [۵۵] عاجزی ۱۲ [۵۶] نعیمہ نے حمیدہ کو نماز پڑھتی کو دھکیل دیا تھا اور تخت کی کیل لگ گئی تھی جس سے ماتھے پر نشان رہ گیا تھا اسی کا داغ تھا ۱۲ [۵۷] تیمار کہتے ہیں علاج میں تیمار دار وہ لوگ جو مریض کو دوا پلا کر دیں اُس کی خدمت کریں ۱۲

کرتے ہیں لیکن اس کی ناتوانی اور نقاہت[۱] دیکھ کر کوئی اس سے کسی قسم کا تذکرہ نہیں کرتا تھا باتیں کرتے تھے تو تسلی و تشفی کی یہاں تک کہ زخموں کا فساد انتہا کو پہنچ گیا اور اس کی مدت حیات پوری ہو چکی۔ مرنے سے ایک دن پہلے اس کی حالت یکایک ایسی بہتر ہو گئی کہ وہ اچھی خاصی طرح آپ سے آپ اٹھ کر بیٹھ گیا اور خلاف عادت اس نے فرمائش کر کے دو گوشتہ پلاؤ پکوایا اور تندرستوں کی طرح کھایا۔ وہ گھر والوں کے ساتھ بہت دیر تک پکار پکار کر باتیں کرتا رہا۔ اس نے اپنے تمام حالات جب سے کہ وہ گھر سے نکلا اور جب تک کہ وہ مجروح[۲] ہو کر پھر دہلی آیا ذرا ذرا بیان کئے اور بھائی بہن ایک ایک کر کے سب کا حال پوچھا۔ اس وقت اپنے افعال پر تاسف کر کے اتنا رویا اتنا رویا کہ اس کو غش آ گیا۔ بڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اس نے ماں سے کہا کہ: آج کی غیر معمولی توانائی جو تم مجھ میں دیکھتی ہو میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری توانائی ہے خون جو مدار حیات ہے مطلق میرے بدن میں باقی نہیں رہا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ شاید میری ہڈیوں کے اندر کا گودا بھی پگھل پگھل کر فنا ہو چکا ہے۔ گو تم لوگ میری تقویت کی نظر سے تسلی اور تشفی کی باتیں کرتے ہو مگر میں سمجھ چکا ہوں کہ میں اس مرض سے جاں بر[۳] ہونے والا نہیں۔ میں اپنے مرنے کو ترجیح دیتا ہوں اس نالائق زندگی پر جو میں نے بسر کی اگرچہ میں نے اپنی زندگی خرابی اور رسوائی اور فضیحت اور والدین[۴] کی نارضامندی اور خدا کی نافرمانی میں کاٹی اور ایسی ایسی ہزاروں لاکھوں زندگیاں ہوں تو بھی اس نقصان کی تلافی[۵] کی امید نہیں جو اس چند روزہ زندگی میں مجھ کو اپنی بدکرداری سے پہنچا۔ مگر مجھ کو تین طرح کی تسلی ہے اول یہ کہ میں مرتا ہوں تائب، نادم، خجل، پشیمان، متاسف، دوسری یہ کہ سفر عاقبت شروع کرتے وقت ایسے لوگوں میں ہوں جو اس راہ کے منزل شناس اور میرے دل سوز اور ہمدرد اور شفیق اور مہربان حال ہیں۔ تیسرے یہ کہ غالباً میری زندگی دوسروں کے واسطے نمونہ یا عبرت ہو گی کہ اس صورت میں گو اپنی زندگی سے میں خود مستفید نہیں ہوا لیکن اگر دوسروں کو کچھ نفع پہنچے تو میں اپنی زندگی کو رائگاں اور عبث نہیں کہہ سکتا ہوں۔ من نکردم شما حذر بکنید[۶] اب مجھ کو دنیا میں سوائے اس کے کوئی آرزو باقی نہیں کہ میں ابا جان سے اپنا قصور معاف کرا لوں۔ یہ کہہ کر اس پر بڑے زور کی رقت طاری ہوئی۔ چھاتی کی طاقت تو مدتوں سے سلب[۷] ہو ہی چکی تھی رونا تھا کہ بے ہوش ہو گیا اور اسی بیہوشی میں اس کا سانس

---

۱ کمزوری ۱۲ ۲ زخمی ۱۲ ۳ بچنے والا ۱۲ ۴ ماں باپ ۱۲ ۵ معاوضہ۔ بدلا ۱۲ ۶ میں نے تو نہیں کیا تم پرہیز کرو ڈرو ۱۲ ۷ یعنی زائل ہو چکی تھی ۱۲

اکھڑ گیا اور لگا ہاتھ پاؤں توڑنے۔ نبضیں چھوٹ گئیں، ہچکیاں لینے لگا، ناک کا بانسا پھر گیا۔ عورتیں تو یہ حال دیکھ کر رونے پیٹنے لگیں۔ باہر مردانے سے نصوح دوڑا آیا اور عورتوں کو علیحدہ کر کے جزع وفزع[٥٠] نامشروع سے منع کیا اور صبر جمیل کی تلقین کی اور بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر یٰس[٥١] پڑھنی شروع کی، منہ میں شربت ٹپکایا اور اس کو قبلہ رو لٹایا۔ کلمہ پڑھ کر سنایا۔ شربت کا حلق سے اترنا تھا کہ کلیم نے آنکھیں کھول دیں اور باپ کو حسرت آلود نگاہ سے دیکھ کر اس نے ہاتھ جوڑے اور اسی حالت میں اس نے جان بحق تسلیم کی۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کلیم بچ جاتا تو وہ نیکی اور دینداری میں اپنے سب بھائی بہنوں پر سبقت[٥٢] لے جاتا۔ اس نے مصیبتیں اٹھا کر اپنی رائے کو بدلا تھا اور آفتیں جھیل کر تنبہ حاصل کیا تھا۔ پس وہ مجتہد[٥٣] تھا اور دوسرے مقلد[٥٤]، وہ محقق[٥٥] تھا اور دوسرے ناقل[٥٦]۔ اسکا سا انجام خدا سب کو نصیب کرے۔ کلیم کا جوان مرنا ایک ایسی بھاری موت تھی کہ ماں باپ تو مدتوں گویا اس کے ساتھ زندہ درگور ہو گئے۔ بھائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ بہنوں کے سر سے ایک بڑا سرپرست اٹھ گیا۔ لیکن بہ تقاضائے دینداری سب نے صبر جمیل کیا اور ہر شخص نے بجائے خود عبرت پکڑی۔ کلیم کے ساتھ نصوح کی وہ کوششیں بھی تمام ہوئیں جو اس کو اصلاح خاندان کے لیے کرنی پڑتی تھیں کیوں کہ کلیم مرحوم کے سوائے چھوٹے بڑے سب اس کی رائے میں آ چکے تھے۔ یا تو ابتداءً علیم کے انٹرنس پاس کرنے کے لالے پڑے تھے یا اس نے بی اے پاس کیا ایک سے ایک عمدہ نوکری گھر بیٹھے اس کے لیے چلی آتی تھی۔ مگر اس نے نیک نہادی کی وجہ سے سررشتہ تعلیم کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ ہم وطنوں کو نفع پہنچانے کا قابو ملے۔ سلیم بڑا ہو کر طبیب ہوا تو کیسا حاذق[٥٧] کہ آج جو دلی کے بڑے نامی طبیب ہیں اسی کی بیاض کے نسخوں سے مطلب کرتے ہیں۔ رہی ولیہ مادرزاد حمیدہ۔ قرآن اس نے حفظ کیا، حدیث اس نے پڑھی اور اگر سچ پوچھیے تو شہر کی مستورات میں کہیں کہیں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہے۔ یا عورتیں خدا رسول کے نام سے واقف ہیں۔ یہ سب بی حمیدہ کی بدولت۔ جزاھا اللہ عنا خیر الجزاء[٥٨]۔

تمام

٥٠ بیقراری بے صبری ١٢ ٥١ یٰس قرآن کی ایک سورت ہے اس کو مرتے کے سرہانے جاں کنی کے وقت پڑھنے سے آسانی سے جان نکلتی ہے ١٢ ٥٢ یعنی آگے بڑھ جانا ١٢ ٥٣ جو دلیل کے ساتھ بات کا قائل ہو ١٢ ٥٤ بے دلیل دوسرے کی پیروی کرنے والا ١٢ ٥٥ صاحب تحقیق ١٢ ٥٦ نقل کرنے والا ١٢ ٥٧ لائق جس کی تشخیص خطا نہ کرے ١٢ ٥٨ خدا اس کو ہم لوگوں کی طرف سے بہتر بدلہ دے ١٢

بچوں کو مخرب اخلاق کتابوں سے بچانا
اور اخلاقی کتابیں پڑھانا والدین کا کام ہے

عورتوں اور لڑکیوں کے پڑھنے کی علمی اور اخلاقی کتابیں

جنکا ہر گھر میں ہونا بچوں کی اتالیق کا کام دے گا

بنات النعش۔ اس میں حسن آرا کے خانگی حالات ہیں۔
قیمت دس آنہ ۱۰ر

توبۃ النصوح۔ اس میں فہمیدہ کے حسن و اخلاق و حسن تدبیر کا قصہ ہے۔ قیمت دس آنہ ۱۰ر

صرف صغیر۔ یعنی قواعد فارسی بچوں کے صرف و نحو آسان طریقے سے اردو زبان میں بتائے ہیں۔ ۴ر

نصاب خسرو۔ اس میں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی عربی لفظ جو مستعمل ہیں ان کے معنی بھی بتلائے ہیں اور تعریف یہ کہ آسان نظم میں کہ بچے زبانی یاد کر کے قابلیت بڑھائیں۔ قیمت چار آنہ ۴ر

رسم الخط۔ بچوں کو اردو لکھنے کے طریقے اور خوشخطی کیواسطے مشق جس کو پڑھ کر بچے خوشخط صحیح اردو نویس ہو سکتے ہیں اس میں قواعد املا و انشا بچوں کیلئے بتائے ہیں۔ ۴ر

اتمام حجت۔ یہ رسالہ نظم جسمیں قوم کی اصلاح کوٹ کوٹ کر بھری ہے اگر ہماری قوم اپنی اصلاح کرے تو ہزار ہا تکالیف کی ذلت سے نجات ملے ۱ر

چند پند۔ بچوں کیلئے مفید مفید پند و نصائح سہل اردو میں لکھے ہیں ۸؍

منتخب الحکایات۔ بچوں کو عموماً کہانیاں کہنے اور سننے کا بہت شوق ہوتا ہے اسلئے مذکورہ کتاب لکھی گئی ہے جس میں اخلاقی کہانیاں نتیجہ خیز آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں جس سے بچے کے ذہن میں برائی بھلائی جگہ کر لیتی ہے بچوں کے واسطے بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ۶ر

ناصح۔ بچوں کے واسطے دو سو تراسی ۲۸۳ نصیحتیں ایسی ہیں یعنی کہ اگر بچے چند نصیحتوں پر کاربند ہو جائیں تو دنیا میں بہترین لوگوں میں شمار ہوں۔ اور کبھی خطا نہ پاویں۔ اچھی باتوں کو اچھا سمجھیں برائی سے بچے رہیں صرف بچوں کے واسطے ہی مفید نہیں بلکہ بڑے لوگ بھی اسکو پسند کرتے ہیں۔ قیمت ۲ر

مسلمانوں کی زندگی۔ اس میں بزرگوں کے حالات اور اخلاق دکھا کر موجودہ زمانے کے اخلاق و عادات سے موازنہ کر کے بتایا ہے کہ ہم اپنے مذہب سے کتنے دور چلے گئے جس سے آج ہر شخص پریشان نظر آتا ہے کاش پھر ہم اپنی عادات و اخلاق کو درست کر لیں پھر ہماری وہی شان و عظمت و وہی جاہ و دولت کے مالک بن سکتے ہیں ساتھ ہی اس کتاب میں گذشتہ اور موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا موازنہ کر کے بتایا ہے کہ کس طرح اب ہم کو کاربند ہونا چاہئے بچے چونکہ کچی کونپل کے مانند ہوتے ہیں اسواسطے ایسی خبریں ان کی نظر سے گذرتی رہیں تو آیندہ اپنے بزرگوں کا نمونہ بننے کا مستحق ہو جائیں گے بغرض رفاہ عام قیمت عمر

تحفۃ النساء۔ بچوں کے اخلاق و آداب اور نصیحتوں کا گنجینہ یعنی لڑکیوں کی استانی۔ ابتدائی الف بے تے سکھانے کے بعد خطوط نویسی کی مشق کرائی گئی ہے۔ یعنی چھوٹے چھوٹے خطوط انہی کی زبان میں اور لڑکیوں کے کارآمد لکھے ہیں جس کو ننھی ننھی بچیاں شوق سے پڑھ کر سب مراتب آداب و القاب سے باخبر ہو جاتی ہیں اور تعلیم کا شوق پیدا ہوتا ہے کتاب تو چھوٹی ہے لیکن بڑی مفید ہے صرف ۱ر

عقد ثریا :- اس میں دہلی کی دو عورتوں کا آپس میں مناظرہ ہے جو اخلاق سے بھرپور ہے۔ دہلی کی خاص اردو زبان کا نمونہ عبارت کی سلاست ایسی ہے کہ اس کتاب کو ختم کر کے دوبارہ پڑھنے کی خواہش ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ ہماری زبان بھی ایسی ہو جائے۔ قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ عہ

بستان نعمت :- اگر بچیوں کو نظم کا شوق ہو تو مخرب اخلاق نظموں سے بچایئے اور بستان نعمت جس میں نعتیہ کلام ہیں پڑھنے کو دیجئے اس بے نظیر کلام کی قیمت صرف ۳؍

القاب نامہ :- اس میں تمام رشتہ لکھنے بزرگ خورد استاد و دوست عربی وغیرہ کے القاب کی کتاب۔ ا؍

الفاظ عزیزیہ :- بچوں کے لیے آٹھ ہزار الفاظ کی چھوٹی لغات قیمت صرف چار آنہ ۴؍

اولاد کی تربیت :- بچے والدین کا آئینہ ہوتے ہیں جنہیں بچوں کو دیکھنا ہے تو اس کے اخلاق وغیرہ کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اس واسطے بچوں کی تربیت لازمی ہے کہ والدین کا راز دوسروں کو نہ معلوم ہو۔ اگر آپ نے اپنی اولاد کو تربیت ٹھیک ٹھیک دی ہی تو والدین کی عزت کا باعث ہو جاتی ہے۔ اس کتاب میں اولاد کی تربیت کے اصول بتائے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ عہ

[illegible] :- اس میں قرآن و احادیث سے اخذ کر کے سلیس اردو میں لڑکیوں کو نصیحت کی ہے شادی سے پہلے اپنی پیاری بچی کو اس کا ضرور مطالعہ کرا دیں ان شاء اللہ آپ کی بچی اخلاق کا نمونہ ہوگی۔ قیمت صرف ۸؍

خوان نعمت :- اس میں ہر قسم کے کھانے پکانے اور اچار چٹنی مربہ انگریزی کھانے کیک بسکٹ بنانے کی آسان طریقے دیئے ہیں۔ قیمت صرف بارہ آنہ ۱۲؍

لو یہ جنت :- نعتیہ مناجاتوں کا وہ مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے آدمی بیخود ہو جاتا ہے۔ ایک ایک شعر عشق رسول اللہ میں ڈوبا ہوا جس سے دل کو فرحت روح کو تازگی پہنچتی ہے جس نے دیکھا پسند کیا۔ قیمت صرف ۸؍

بہشتی پھول :- روزمرہ کے ضروری مسائل کو سوال و جواب کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد مسائل کی معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔ مسلمان گھروں میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے اور اول تو بچوں کو مذہب کے اصول سے واقفیت کرانے کے لیے اس کا پڑھانا نہایت ضروری ہے۔ قیمت صرف دو آنے ۲؍

اگر آپ کو نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے تو

تو بچوں کو رسول کریم کے بتائے ہوئے احکام کی فضیلت اور اس سرزمین کے حالات سے جہاں سرکار دو جہاں مبعوث ہوئے واقفیت کرا دینی چاہئے۔ اول تو مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ زبان عربی سے بہت کم واقفیت ہے اسی وجہ سے ملک عرب کی تاریخی و جغرافیائی اہمیت نہیں جانتے۔ آپ کو نہیں معلوم جہاں بانی اسلام خاتم رسالت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور جہاں سے مذہب اسلام کا آفتاب چمکا ایسی مقدس و متبرک سرزمین کے حالات سے تو ہر شخص کو واقف ہونا چاہیے اسی مقصد کے لیے اردو زبان میں چمنستان عرب یا تحفہ حج چھاپی گئی ہے۔ اس میں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے متعلق مکمل حالات درج ہیں اور ساتھ ہی مسائل حج اور دعائیں و طریقہ حج اور مقامات کے حالات مع نقشہ درج ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ عہ

دہلی کا غدر

انگریزوں کا قتل، میموں کی بے حرمتی

دل ہلا دینے والے واقعات کا نقشہ ... اس کتاب کو پڑھ کر انقلاب زمانہ اور بے ثباتی دنیا کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ کشمیری دروازہ چاندنی چوک لال قلعہ جامع مسجد کے قریب باشندگان دہلی اور انگریزوں کے مقابلے ہر طرف خون کا دریا اور لاشوں کے پشتے۔ غدر کے وہ مناظر ہیں جس سے دل کانپ اٹھتا ہے ... واقعات نہایت [illegible] قیمت ۸؍

سراج الفیض ۔ اس میں ہزارہا تصوف کے نکات ہیں جنکو بڑے بڑے پیر اور صوفی تک نہیں جانتے علاوہ اس کے سینہ بسینہ عملیات اور اکثر مرضوں کیلئے تیر بہدف جادو اثر فقیری نسخے درج ہیں ۔ قیمت ۸ر

تحفۃ النسا ۔ اس کو بچیوں کے واسطے زنانہ قاعدہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ اس میں الف بے تے بتانیکے بعد نہایت دلچسپ نتیجہ خیز چھوٹے چھوٹے بچوں کی زبان میں خط و کتابت لکھی ہے جس کو بچے ہنسی سمجھکر ذہن نشین کر لیتے ہیں خود خط لکھنے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے اسواسطے وہ تعلیم کی طرف خود بخود راغب ہوجاتے ہیں اور پڑھنا لکھنا سیکھ لیتے ہیں قیمت صرف دو آنہ ۲ر

ناصح اچھی نصیحت کو بڑے غور سے سنو اور جہاں تک ہوسکے عمل کرنے کی کوشش کرو نیک صلاح کی تعمیل فائدہ سے خالی نہیں ۔ اس مختصر رسالہ میں تین سو مفید اور زندگی میں کارآمد نصائح لکھی ہیں جنپر عمل کرنے سے انسان کبھی خطا نہیں پاسکتا ان نصیحتوں کو اپنے بچوں کو ضرور ذہن نشین کرادیں کیونکہ بڑے بڑے عقلا و فضلا کے تجربوں کا نچوڑ ہے قیمت صرف ۳ر

کچھ خبر بھی ہے ۔ کہ آپکے اسلاف گذشتہ زمانہ کے مسلمان اپنی دینی و دنیوی زندگی کسطرح گذارتے تھے ان کے اخلاق و عادات کیسے تھے ؟ آج ان سے غفلت اور لاپروائی کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف مسلمان ذلیل و خوار نظر آتے ہیں اور دوسری قومیں ہمیں اسلام کا پیرو نہ سمجھکر ہمپر ہنستی ہیں ۔ خدا کیلئے ننگ اسلام نہ کہلاؤ اور مذہب کی مقدس اور راستبازانہ مبارک ہدایات پر عملدرآمد کرکے ثابت کردیجئے کہ اب ہم اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلینگے بچوں اور عورتوں کو اس کی تعلیم دینگے اس مقصد کیلئے ہمت افزا **مسلمانوں کی زندگی** تیار کی ہے جسکے مطالعہ کے بعد واقعات سے متاثر ہوکر خود بخود اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس لئے آپ پڑھیے اور عورتوں بچوں کو ضرور پڑھاکر اسلام کی عظمت دنیا کو بتادیجئے قیمت صرف عہ ر

اتالیق مضمون نگاری آپ کو استاد کی مدد کے بغیر اعلےٰ درجہ کا مضمون نگار بنادیگی اس کتاب کی ہدایتوں کو گہری نظر سے دیکھنے کے بعد آپ مایہ ناز انشا پرداز بن جائینگے یہ کتاب آپ کی تقریر کو دلپذیر اور تحریر کو دلچسپ بنادیگی ۔ آپ روشن خیال ادیب اور حاضر جواب مقرر بن جائینگے ۔ قیمت صرف عہ ر

روحانی حکمی علاج ۔ طب روحانی جسمیں ہر ایک پوشیدہ تیر بہدف یقینی کامیاب ہونیوالے (وظائف) (اسرار) عملیات، نو ونہ نام باری تعالےٰ، معہ خواص، سلف صالحین کے خاص خاص وظائف و عمل معہ ترکیب درج ہیں پس جب آپ خدانخواستہ پریشان ہوں اور کسی مصیبت میں گرفتار ہوں تو انہیں سے کوئی عمل یا وظیفہ کرکے دیکھیں انشاءاللہ کامیابی آپ کی قدمبوس ہوگی ہزارہا مرتبہ کے آزمودہ عملیات و وظائف جو اب تک سینوں میں پوشیدہ تھے آپ کے سامنے ہیں جس سے ہر ایک مسلمان گھر بیٹھے روحانی مطب کھول سکتا ہے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے ۔ قیمت صرف ایکروپیہ چار آنہ ﷲ

الایمان بچوں کو مذہبی اور ایمانی تعلیم کے واسطے بہترین رسالہ ہے ۔ قیمت دو آنہ ۲ر

روضہ جنت ۔ نوید جنت ہر ایک نعت ایک ایک اشرفی سے کوڑی کم کی ہو تو واپس ۔ قیمت ار

بستان نعت ۔ یعنی دیوان لیق اسکا ایک ایک لفظ عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے ۔ قیمت ۲ر

جہانگیر کی چہیتی بیوی نورجہاں بیگم کی سوانح عمری ہندوستان کی مایہ ناز خاتون فرمانروا کی زندگی کے مکمل حالات جس سے عورتوں کی بہادری ہمت استقلال اور قابلیت معلوم ہوتی ہے ۔ قیمت چار آنہ ۴ر

ملنے کا پتہ نذیر حسین و نظام الرحمٰن تاجران کتب دریبہ کلاں دہلی

کتبخانہ نذیر حسین و نظام الرحمن کی دلچسپ اور شہرہ آفاق کتابیں

تفسیر سید البیان فی اذکار محبوب کنعان

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے جو کہ نظم میں چھپے ہیں جسکو ہر شخص بخوبی نہیں سمجھ سکتا اور یہ ایک ایسا قصہ ہے جس کو قرآن پاک نے احسن القصص بتایا ہے بھلا ایسے قصے کو معمولی نظم میں پڑھ لینے سے کیا خاک سمجھ میں آتا ہے۔ اس لئے ہمنے اس خیال سے زر کثیر خرچ کر کے اردو نثر میں معتبر تفاسیر سے لکھوایا ہے عبارت نہایت سلیس عام فہم اور دلچسپ مکمل تفسیر " ... سورہ یوسف " ہے بلکہ حقیقت میں محبت الفت کی رنگین تصویر ہے گم گشتگان وادی عشق کیلئے نسخہ ہدایات اور طالبان دیدار احمدی کیلئے مژدہ بشارت معارف علمیہ مسائل اسلامیہ کا مکمل فاکہ جس میں قرآن کے بیشمار دقائق اور سلوک و تصوف ... دقائق کو نہایت درد انگیز مؤثر پیرایہ میں زمانہ حال کے مذاق کے مطابق بیان کیا گیا ہے اس تفسیر کیلئے ثبوت کی تحقیق جس عرق ریزی سے کی گئی ہے وہ کتاب دیکھنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے صد ہا تفاسیر کو یکجا جمع کر کے اور احادیث کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے اس سے معتبر و تفسیر سورہ یوسف ملنی مشکل ہے جگہ جگہ احادیث اور اقوال بزرگان اور خاصکر مولینا روم کی مثنوی کے اشعار نے اس تفسیر میں جان ڈالدی ہے۔ مؤلفہ مولینا عطاء الرحمن صاحب صدیقی دہلوی۔ قیمت ایکروپیہ آٹھ آنہ ؏

مخزن البیان فی مقدمۃ القرآن

یہ قرآن پاک کی ... اردو زبان میں ... کے ... [illegible] ... فہرست ... الاخذ جو کتاب اللہ کے آسمانی کتاب ہونیکا ثبوت۔ توراۃ۔ زبور دساتیر۔ رگوید۔ انجیل کا قرآن مجید سے مقابلہ۔ قرآن میں تمام علوم موجود ہیں اور اسکا ثبوت رسول اکرم کی مختصر عمری۔ قرآن پاک کا نزول قرآن مجید کا سب سے پہلا کون ہے۔ اور اس کی کس طرح تقسیم و تفصیل ہوئی اور کی وجہ اور اس کی ضرورت قرآن پاک کی تاریخ۔ ساتوں قرأتوں کی تحقیق۔ عربی زبان اور عرب میں قرآن کے نزول کا سبب تاریخ سے پہلے زمانہ کے حالات عرب تاریخ اسلام کی بنیاد حکومتوں کی بنیاد کیسے ڈالی ہے اور مسیحیت کا مقابلہ قرآن پاک کی تمام دعائیں۔ شان نزول فہرست قرآن پاک مع آیات قرآنی۔ فہرست بہ اعتبار کہ پہلے کس ترتیب سے قرآن پاک نازل ہوا۔ وغیرہ وغیرہ قیمت ایکروپیہ چار آنہ ؏

جب مایوسی نے گھیر لیا ہو تو

رسول کی دعا ... کے طریقوں سے جو چاہو گے وہ ہو جائے گا۔ اسمیں دعا ... طریقے آپ احادیث سے لکھے ہیں جس کی نا واقفیت سے قبول نہیں ہوتی ہر طریقے کو معتبر احادیث سے اخذ کیا گیا ... یقینی تو اس میں علاوہ احادیث کی دعاؤں کے صحابہ اولیاء کرام کی وہ دعائیں جو بیاض اوراق یا مشہور کتب میں محفوظ تھیں وہ تمام درج کر دی ہیں لکھائی چھپائی نفیس عمدہ سفید چھوٹی تقطیع۔ قیمت آٹھ آنہ

درس روحانی

تصوف کے طریقے آسان اور دلنشین بتائے ہیں ایک صوفی کو جن باتوں کا جاننا ضروری ہے ان کی ... درج ہے اولیاء اللہ کے بہت مفید اور مجرب شغل و وظائف ... ہیں۔ اسکا نام احسن الوظائف ہے۔ قیمت دس آنہ